# ۹۔رات اوردن کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

## اشارہ:

اگر چہ رات اور دن ایسی چیزیں ہیں جو اپنے وجود کیلئے آفتاب کے نور اور زمین کی حرکت کی مرہون منت ہیں اور انہی کی برکتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔لیکن چونکہ قرآنِ مجید نے اپنی توحیدِ آیات میں ان دونوں پر اپنی خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے اور بہت سی آیات میں ان پر تاکید کی ہے،لہٰذا ضروری بن جاتا ہے کہ ان پر جداگانہ بحث کی جائے تاکہ اس بے نشان کی نشانیاں ان میں تلاش کرسکیں،کائنات کے خالق اور پروردگار سے زیادہ سے زیادہ آشنائی حاصل کرسکیں اور اسی سے محبت کر کے اس کے درآستان پر جبہ سائی کریں۔تو آیئے سب سے پہلے مندرجہ ذیل بارہ آیات کو گوشِ جان سے سنتے ہیں:

۱۔۔۔وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

(انبیاء/ ۳۳)

۲۔۔۔يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ

(نور/ ۴۴)

۳۔۔۔هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ

(یونس/ ٦٧)

۴۔۔۔وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

(حٰم السجدۃ/ ۳۷)

۵۔۔۔وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ

(بنی اسرائیل/ ۱۲)

۶۔۔۔وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا

(نباء/ ۱۰۔۱۱)

۷...وَهُوَالَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْاَرَادَ شُكُوْرًا
(فرقان/۶۲)

۸...وَسَخَّرَلَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
(نحل/۱۲)

۹...اِنَّ فِىْ اخْتِلاَفِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَاخَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ
(یونس/۶)

۱۰...قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ط اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ
تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۷۳﴾
(قصص/۷۱ تا ۷۳)

۱۱...وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى {}وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى
(اللیل/۱۔۲)

۱۲...ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ
(حج/۶۱)

## ترجمہ

۱۔۔۔وہ وہی ہے جس نے رات، دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔

۲۔۔۔خدا ہی رات اور دن کو اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے، بے شک اس میں صاحبانِ بصیرت کیلئے عبرت ہے۔

۳۔۔۔وہ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرسکو اور ان کو روشنی عطا کرنے والا بنایا ہے، اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

۴۔۔۔اس کی نشانیوں میں سے رات، دن، سورج اور چاند ہیں۔

۵۔۔۔ہم نے رات اور دن کو (اپنی توحید اور عظمت کی) دو نشانیاں قرار دیا ہے، پھر رات کی نشانی کو مٹا کر روشنی کی نشانی کو روشنی عطا کرنے والا بنایا، تاکہ تم (اس کے اُٹھ کھڑے ہو) اور برسوں کی گنتی اور حساب کو جانو۔

۶۔۔۔اور ہم نے (تمہارے لئے) رات کو پردہ اور دن کو تمہاری زندگی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔

۷۔۔۔وہ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین قرار دیا ہے، ان لوگوں کیلئے نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں، یا شکر گزاری کرنا چاہتے ہیں۔

۸۔۔۔اس نے تمہارے لئے رات اور دن مسخر کر دیا ہے۔

۹۔۔۔یقینا رات اور دن کے آنے جانے میں اور ان چیزوں میں جنہیں خدا نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کیلئے آیات (اور نشانیاں) ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

۱۰۔۔۔کہہ دیجئے کہ مجھے بتاؤ اگر خداوندِ عالم رات کو تمہارے لئے قیامت کے دن تک جاودانی قرار دے دیتا تو خدا کے علاوہ کوئی اور معبود تمہارے لئے روشنی لاسکتا؟ کیا تم سنتے نہیں ہو۔۔۔۔کہہ دیجئے کہ مجھے بتاؤ اگر خدا قیامت تک برابر تمہارے سروں پر دن کئے رہتا تو خدا کے علاوہ کون معبود ہے جو تمہارے لئے رات لے آتا کہ جس میں تم آرام کرو؟ آیا دیکھتے نہیں ہو؟ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور فضل خدا سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو، شاید اس کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔

۱۱۔۔۔رات کی قسم جب وہ دنیا پر چھا جائے۔۔۔۔اور دن کی قسم جب وہ خوب روشن ہو۔

۱۲۔۔۔یہ اس لئے ہے کہ خداوندِ عالم رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور خدا سننے اور دیکھنے والا ہے۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## شب وروز کا عجیب نظام

قرآن مجید میں ستر سے زائد مرتبہ ''لیل'' (رات) کا لفظ اور پچاس سے زائد مرتبہ ''نہار'' (دن) کا لفظ دہرایا گیا ہے جن میں سے مذکورہ بالا بارہ آیات ایک نمونہ ہیں۔اور ان میں لیل ونہار کی تخلیق کو توحید نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔

اسی سلسلے کی سب سے پہلی آیت میں شب وروز اور شمس وقمر کی اصل تخلیق کو بیان کیا گیا ہے جو توحید اور خداشناسی کی راہوں کے راہی ہیں ان کیلئے ایک دلیل ہے۔ارشاد ہوتا ہے''وہ وہی ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا ہے۔''(وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ)

یہ چیز دوسری صورت میں اسی سلسلے کی چوتھی آیت میں بھی ذکر ہوئی ہے،فرماتا ہے''اس کی نشانیوں میں سے رات،دن اور سورج اور چاند ہیں۔''(وَمِنْ اٰیَاتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ)

جب کہ دوسری آیت میں خدا کے حکم سے رات اور دن کے الٹ پھیر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اسے صاحبان بصیرت کیلئے عبرت قرار دیا گیا ہے۔(یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ)

تبدیلی کا یہ اشارہ ممکن ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے کی طرف ہو یا پھر ان کے وقت کے کم اور زیادہ ہونے کی طرف ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سردی اور گرمی کے دنوں میں ان میں جو تفاوت رونما ہوتا ہے،اس کی طرف اشارہ ہو۔[1] لیکن اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ رات اور دن کا یہ ہیر پھیر ان سب معانی کو شامل ہو۔

تیسری آیت میں ''شب'' و''روز'' کے ایک نہات ہی اہم فائدے پر زور دے کر کہتا ہے کہ ''خداوندِ عالم تو وہ ہے جس نے رات کو تمہارے سکون کیلئے بنایا ہے اور دن کو روشنی دینے کیلئے۔''(هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا)

واضح سی بات ہے کہ رات کی تاریکی میں آرام وسکون خداوندِ متعال کی ایک اہم ترین نعمت ہے جس طرح کہ دن کی روشنی مختلف سرگرمیوں کیلئے ایک اور اہم نعمت ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ''مبصر''استعمال کیا گیا ہے جس کا اصل معنی ہے۔''بینا''(دیکھنے والا) اور سب کو معلوم ہے کہ دن خود تو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ دوسروں کی بینائی کا سبب بنتا ہے لہٰذا اسے''مبصر'' کہا گیا ہے۔یہ تعبیر شاید تاکید اور مبالغے کے عنوان کے تحت اس پر اطلاق ہوئی ہے۔

---

[1] یہ تینوں احتمالات تفسیر روح المعانی جلد ۱۸ ص ۱۷۳ اور تفسیر فخر رازی جلد ۲۴ ص ۲۵ میں ذکر ہوچکے ہیں جب کہ تفسیر مجمع البیان نے صرف پہلی اور دوسری تفسیر کو ذکر کیا ہے۔(ملاحظہ ہو جلد ۷ ص ۱۴۸)

یہ ہے بھی حقیقت کہ اگر نور اور روشنائی کی چمک نہ ہوتو ہزاروں بینا آنکھیں بھی بیکار ہیں، اسی لئے آیت کے آخر میں فرماتا ہے ''اس بارے میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جن کے کان ہیں اور وہ سنتے ہیں'' اور سُن کران کے بارے میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔(اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ)

پانچویں آیت میں شب وروز میں سے ہرایک کوآیات الٰہی میں سے ایک آیت کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ''ہم نے رات کی آیت کومٹا کر دن کی آیت کو روشنی عطا کرنے والا بنایا''۔ پھراس کے دواہم فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''مقصد یہ ہے کہ اس کے پرتو میں تم زندگی کی تلاس میں کھڑے ہوجاوٴ اور خداوندِ عالم کے فضل سے بہرہ مند ہوتے رہو اور سالوں کی تعداد اور حساب کو جانو''۔(لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ)

کیا خداوندِ عالم کے فضل وکرم سے بہرہ برداری کا تعلق صرف دن سے ہوتا ہے اور سال اور ماہ کے حساب کا جاننا رات اور دن دونوں کے آثار میں سے ہے یا نہیں بلکہ دونوں کا رات اور دن سے قریبی تعلق ہے؟ کیونکہ رات کا سکون اور آرام دن میں کام کرنے اور خداوندِ عالم کے فضل وکرم سے بہرہ حاصل کرنے کیلئے یقینا موٴثر ہوتا ہے۔دوسرے معنی آیت کی ہم آہنگی کے پیش نظر زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں، ہرچند کہ کچھ مفسرین نے پہلے معنی کو ہی ذکر کیا ہے۔

چھٹی آیت میں یہی چیز ایک اور صورت میں توجہ کو مبذول کرارہے۔ارشاد ہوتا ہے: ''ہم نے رات کو لباس اور پردہ بنایا ہے اور دن کو معاش''(وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًاۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا)

''معاش''، ممکن ہے کہ اسم زمان ہو یا اسم مکان ہو اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصدر میمی ہو۔اور یہی معنی مناسب ہیں۔[1]

''رات'' کے بارے میں ''لباس'' کی تعبیر نہات ہی عمدہ اور پُرکشش ہے کیونکہ رات اس نیم کرہ ارضی کیلئے ایک پردہ کی حیثیت رکھتی ہے یا انسانوں کیلئے پردہ پوشی کا کام دیتی ہے،جس طرح کہ لباس،انسانی جسم کومختلف قسم کی تکلیفوں سے بچاتا ہے اور اسے خوبصورتی عطا کرتا ہے اسی طرح رات کی تاریکی اور گہری نیند جو رات کی برکت سے حاصل ہوتی ہے انسانی جسم کو خوشحال اور سرور عطا کرتی ہے اور اسے مختلف بیماریوں سے بچاتی ہے۔

ساتویں آیت میں رات اور دن کے ایک دوسرے کا جانشین ہونے کا تذکرہ ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔''خداوہ ہے جوان دونوں کوایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے۔''(وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً)

''خلفہ''(بروزن فتنہ)''مفردات'' میں ''راغب'' کے بقول وہاں پراستعمال ہوتا ہے جہاں پردو چیزیں ہمیشہ ایک دوسرے کا جانشین ہوتی رہتی ہوں۔لیکن ''فیروزآبادی'' اپنی کتاب ''قاموس اللغۃ'' میں کہتے ہیں کہ ''خلفہ مختلف کے معنی میں ہے۔پہلی صورت میں شب وروز کا باری باری آنا مدنظر رکھا گیا ہے کیونکہ اگران کا باری باری ایک دوسرے کے بعد آنا نہ ہوتا تو زمین پرموجودتمام چیزیں سورج کی

---

[1] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دن کے ساتھ ''معاش''(زندگی) کا ذکراس لئے ہے۔کہ رات کی نیند موت کی مانند ہوتی ہے جیسا کہ مشہور مثال ہے کہ ''نیندموت کی بہن ہے'' اس لئے اس کا مقابل نقطہ جو کہ دن ہے وہ بیداری اور حیات کا موجب ہوتا ہے(حیات وزندگی اپنے تمام آثار کے ساتھ)

تمازت کی شدت کی وجہ سے جل کر بھسم ہو جاتیں یا پھر رات کی شدتِ سرما کی وجہ سے منجمد ہو کر رہ جاتیں۔ جب کہ دوسری صورت میں شب وروز کا باہمی فرق اور سال کے چار مختلف موسموں کی طرف اشارہ ہے جن کے واضح اور مخصوص آثار انسانی زندگی میں ملتے ہیں۔

بعض مفسرین نے پہلے معنی کو لیا ہے جب کہ بعض حضرات نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اگر دونوں معانی کو آپس میں جمع کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اسلامی روایات میں آیا ہے کہ انسان کی وہ عبادتیں جو وہ رات میں نہیں بجالا سکا، دن کو ان کی قضا بجالاسکتا ہے (یا اس کے بر بالعکس) اور شاہد کے طور پر یہی آیت لائی گئی ہے۔[1]

یہ تفسیر بھی مذکورہ بالا تفاسیر سے نہیں ٹکراتی کیونکہ اس میں بھی ایک خاص نظام اور شب وروز کے باری باری آنے کی طرف اشارہ ہے جس میں خداوند قادر و قدیر کے بے پناہ علم اور قدرت کی حکایت کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کرہ زمین کی حرکت اپنے محور کے گرد کرہ زمین کی حرکت موجودہ صورت سے زیادہ تیز یا زیادہ سست ہوتی تو ممکن تھا کہ دن یا راتیں اس قدر طولانی ہوتیں کہ روئے زمین کی تمام مخلوق ،حتیٰ کہ انسانوں تک کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔

آٹھویں آیت میں شب وروز کی تسخیر کا ذکر ہے اور ان کے انسانی خدمت گار ہونے کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشار ہوتا ہے۔"خداوند عالم نے رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔"(وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ)

چونکہ تسخیر کی تشریح اس سے ملتی جلتی آیات میں بیان ہو چکی ہے، دوبارہ لکھنے ضرورت نہیں ہے۔

نویں آیت میں پہلے تو رات اور دن کے اختلاف کو خدا کی نشانی بتایا گیا ہے۔ پھر تمام ان مخلوقات کو اس کی قدرت علم اور عظمت کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے جو خدا نے زمین و آسمان میں پیدا کی ہیں۔"(اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ)

اس تعبیر سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو کی تخلیق کس حد اہم ہے۔

ان آیات کے دسویں حصے میں تین آیات میں رات اور دن کے اہم فوائد کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔"اے پیغمبر! آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر خداوندِ عالم رات کو قیامت تک طولانی کر دیتا تو اس کے بغیر کوئی اور ہے جو تمہارے لئے نور اور روشنی لے آتا تاکہ تم اس کے فوائد اور برکات سے بہرہ مند ہوتے؟ یا اگر خدا دن کو اسی قدر طولانی بنا دیتا تو خدا کے علاوہ کوئی اور ہے جو تمہارے لئے رات کی تاریکی خلق کرتا، جو تمہارے لئے آرام وسکون کا باعث ہوتی؟ یہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنی رحمت کی بدولت شب وروز اور نور و ظلمت کو مقرر فرمایا ہے جس سے تم ایک تو ضروری آرام وسکون حاصل کرتے ہو اور دوسرے زندگی کی سرگرمیاں خداوندِ عالم کے فضل وکرم

[1] یہ تفسیر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں بیان ہوئی ہے (جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں آئی ہے۔ (جیسا کہ تفسیر نور الثقلین جلد ۳ میں اسی آیت کی ذیل میں ہے۔)

کے حصول کیلئے جاری رکھتے ہوتا کہ یہ عظیم نعمتیں تمہاری شکر گزاری کی حس کو بیدار کریں اور تم خالق کی تلاش کو نکلو!

قابل توجہ یہ بات ہے کہ ایک آیت کے ذیل میں تو فرماتا ہے۔''اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ'' (کیا تم سنتے نہیں؟) اور دوسری کے ذیل میں فرماتا ہے''اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ'' (کیا تم دیکھتے نہیں؟)

شاید ان عبارتوں کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ شب و روز کے اس دقیق نظام میں حسّی دلائل بھی موجود ہیں، جو آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں نقلی دلائل بھی موجود ہیں جو کان سے سنے جاسکتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ رات کے سرمدی ہونے کے بارے میں ''کیا تم نہیں سنتے ؟'' کہا گیا ہے اور دن کے جاودانی ہونے کے بارے میں ''کیا دیکھتے نہیں؟'' کی تعبیر کو استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ عام طور پر تاریکی میں کان کام کرتے ہیں اور روشنی میں آنکھیں بیشتر کام کرتی ہے۔

شب و روز کے موضوع کی اہمیت تو اس حد تک ہے کہ قرآن مجید نے متعدد آیات میں ان دونوں کی قسم کھائی ہے۔منجمدان آیات کے اسی سلسلے کی گیارہویں آیت میں فرماتا ہے:''رات کی قسم جب وہ تمام چیزوں کو ڈھانپ لے اور دن کی قسم جب وہ جلوہ گر ہوجائے۔''(اس کا زندگی بخشنے والا نور، اس دنیائے حیات میں مختلف برکتوں سمیت، بیداری کی گھنٹی بجاتا ہے)''وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى''

یہی چیز ایک اور آیت میں دوسری تعبیر کے ساتھ آئی ہے ارشاد ہوتا ہے:

''الَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ وَالصُّبۡحِ اِذَآ اَسۡفَرَ'' ''رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر لے (اور روشنی کی طرف رخ کرے) اور دن کی قسم جب اپنا چہرہ ظاہر کرے (اور اپنی روشنی کے ساتھ مسکرائے) (مدثر/ ۳۳۔۳۴)

ایک اور جگہ پر فرماتا ہے:

''وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ''''رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر کر اپنی آخری حد تک جا پہنچے اور دن کی قسم جب وہ سانس لے (اور اپنی گہری سانسوں کے ساتھ تمام موجودات کے ڈھانچے میں روح پھونک دے) (سورہ تکویر/ ۱۷)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''وَالضُّحٰى وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى''''دن کی قسم جب آفتاب اوپر اجائے اور رات کی قسم جب وہ آرام میں ہو۔(اور سکون عطا کرے)(ضحیٰ/۱۔۲)

اس کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی قسمیں ہیں جو ایک بہت بڑی اہمیت کی نشاندہی کررہی ہیں اور بتارہی ہیں کہ قرآن رات اور دن کی اہمیت کا کس حد تک قائل ہے، تاکہ لوگ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ غور وفکر کریں اور خداوندِ عالم کی نشانیوں کا ان دونوں کے چپے چپے میں نظارہ کریں، کیونکہ قسم ہمیشہ کسی چیز کی اہمیت کی دلیل اور غور وفکر کرنے کا سبب ہوتی ہے۔

اسی سلسلے کی بارہویں اور آخری آیت میں ہم اس بارے میں ایک نئی تعبیر کا سامنا کررہے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے''یہ سب اس لئے ہے کہ خداوندِ عالم رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔''(ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ)

''یولج''، ''ایلاج'' کے مادہ سے ہے جس نے معنی ہیں داخل کرنا۔اور چونکہ یہ فعل مضارع کا صیغہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ فعل

مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے۔جو ممکن ہے کہ سال کے مختلف موسموں میں دن رات کے تدریجی اور منظم طریقے سے کم اور زیادہ ہونے کی طرف اشارہ ہو کہ ان میں سے ایک سے کمی اور دوسرے میں اضافہ ہوتا ہے۔یہ تدریجی نظام نباتات کی پرورش اور زندہ موجودات کے ارتقاء کیلئے ایک موثر عامل ہے اگر یہ چیز ناگہانی صورت میں عمل پذیر ہوتی تو تمام موجودات کا توازن بگڑ جاتا اور اس سے زبردست نقصان ہوتا۔اسی لئے خداوندِ عالم یہ کام تدریجی طور پر عمل میں لاتا ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سورج کے طلوع وغروب کی طرف اشارہ ہو کیونکہ جب سورج طلوع کرنے کے قریب ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی کرنیں فضا کے بالائی حصہ کو روشن کرتی ہیں جس سے یہ فضا قدرے روشن ہوتی ہے۔سورج جس قدر افق کی پشت سے اوپر آتا جائے گا اسی قدر یہ روشنی بھی بڑھتی جائے ،اور پھر وقتِ غروب ،رات یک دم ہی نہیں آجاتی بلکہ سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ فضا کے نچلے حصے سے سمٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔تاریکی ان کی جگہ لینا شروع کر دیتی ہے اور یہ تدریجی تبدیلی جو نور سے ظلمت میں اور ظلمت سے نور میں عمل میں آتی ہے،اس بات کا باعث بنتی ہے کہ انسان جسمانی اور روحانی لحاظ سے اس سے ہم آہنگ ہو جائے۔اگر رات یا دن یک دم رونما ہو جاتے تو یقیناً اس کے نتائج بہت بُرے نکلتے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کا ظاہر یہ بتا رہا ہے کہ رات کا دن میں داخل ہونا اور دن کا رات میں داخل ہونا ایک ہی وقت میں عمل میں آتا ہے۔درحقیقت ہے بھی ایسا ہی کیونکہ خطِ استواء کے شمالی علاقوں میں گرمیوں کے موسم میں رات بتدریج کم ہو کر دن کا حصہ بنتی جاتی ہے،یعنی "يُوْلِجُ الَّيْلَ فِيْ النَّهَارَ" کا مصداق ہوتی ہے۔انہی اوقات میں خطِ استواء کے نیچے کے حصے میں دن کم ہو کر رات کا حصہ بنتے جاتے ہیں جو"يُوْلِجُ النَّهَارَ فِيْ الَّيْلِ" کا مصداق ہوتے ہیں۔[۱]

"توحید مفضل" والی معروف حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"اے مفضل! رات اور دن کے ایک دوسرے میں تدریجی طور پر داخل ہونے میں اچھی طرح غور کرو۔۔۔۔اگر ایک کا دوسرے میں یکبارگی داخل ہونا ہوتا تو اس سے جسم کو نقصان پہنچتا،جس سے لوگ بیمار ہو جاتے ،بالکل ویسے ہی جیسے تم میں سے کوئی شخص یکدم گرم حمام سے باہر نکل کر بالکل ٹھنڈی جگہ پہنچ جائے ،یقیناً اس سے اسے نقصان پہنچے گا اور وہ بیمار ہو جائے گا۔۔۔۔اگر اس بارے میں خدائی تدبیر نہ ہوتی،تو یہ تبدیلی ایسی صورت میں کیونکر رونما ہوتی کہ جس سے انسان کی صحت وسلامتی برقرار رہ جائے۔[۲]

[۱] طریحی نے مجمع البیان میں "ولج" کے مادہ میں اسی نکتہ کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔

[۲] بحار جلد۳ص۱۱۸

# چند ضروری وضاحتیں

## ا۔نور اور ظلمت کی اہمیت۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔۔شب و روز کے فوائد

ہم مندرجہ بالا آیت میں دیکھ چکے ہیں کہ خداوندِ عالم انسانوں کو کیونکران دو موجودات جو بظاہر سادہ ہیں، مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اورانہیں اپنی آیات میں شمار کرتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اس بارے میں ہم جس قدر بھی غور کریں نت نئے نکات تک جا پہنچیں گے۔

ا۔ہم جانتے ہیں کہ کائنات کے مختلف حصوں کے شب و روز میں یقینا بہت فرق ہے۔خطِ استواء کے علاقوں میں رات بھی بارہ گھنٹے کی ہوتی ہے اور دن بھی بارہ گھنٹے کا۔لیکن قطبی منطقے میں ۹۰ درجے کے مدار میں تمام سال ایک دن رات سے زیادہ نہیں ہے۔جن میں سے ہر ایک تقریباً چھ ماہ کا ہوتا ہے (البتہ ایسے منطقوں میں عموماً آبادی اور سکونت نہیں ہوتی) اور کائنات کے دیگر حصوں میں ان دونوں کے درمیان مراحل تشکیل پاتے ہیں۔

لیکن تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ اس قدر فرق کے باوجود روئے زمین کے تمام نقاط سال بھر میں سورج کی روشنی سے ایک جیسا استفادہ کرتے ہیں اور یہ ایک نہایت ہی منصفانہ اور عادلانہ نظام ہے۔

۲۔ہمیشہ گرمیوں کے موسم میں دن لمبے ہوتے ہیں اور سردیوں میں راتیں طولانی ہوتی ہیں، یعنی دو باتیں بیک وقت ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چلتی ہیں۔دنوں کی لمبائی اور دھوپ کا عمودی (یا قائل بہ عمودی) پڑنا اور یہ دونوں اثر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں جن سے میوے اور غلہ و نباتات پک جاتے ہیں اور ہوا گرم ہو جاتی ہے۔موسم سرما میں زیادہ سردی درختوں اور دانوں کے نیند میں چلے جانے کا موجب ہوتی ہے اور مزیدار بات یہ ہے کہ استوائی علاقوں میں جہاں پر دھوپ پوری طرح عمودی پڑتی ہے دن زیادہ طولانی نہیں ہوتے ورنہ گرمی لگنے اور نباتات کے جلنے کا اندیشہ تھا۔

۳۔ہمیشہ سورج کی روشنی بیداری، ہوشیاری، تحرک اور جوش و خروش کا سبب ہوتی ہے جب کہ اس کے برعکس تاریکی آرام و سکون اور نیند کا موجب۔خاص کر حیوانات کی دنیا میں یہ چیز واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔کیونکہ پرندے صبح صادق کے طلوع کے ساتھ ہی بیدار ہو کر صحرا کا رُخ کرتے ہیں، اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی اپنے اپنے آشیانوں کو واپس لوٹ آتے ہیں اور رات کو آرام کرتے ہیں۔دیہاتوں کے جہاں کے اکثر لوگ صحیح و سالم اور طبعی زندگی کے حامل ہوتے ہیں ان کا بھی ایسا ہی پروگرام ہوتا ہے، جب کہ مشینی تمدن کی ترقی کی وجہ سے اور مصنوعی روشنیوں کی ایجاد کے سبب بہت سے لوگ رات کا کافی حصہ جاگتے اور دن کے بہت سے حصے میں سوتے رہتے ہیں۔یہ چیز بہت سی بیماری کا عامل ہوتی ہے۔قرآن مجید سورہ یونس کی ۶۷ ویں آیت میں ''هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡهِ وَ النَّهَارَ مُبۡصِرًا'' (وہ ذات تو وہ ہے جس نے رات اس لئے بنائی ہے کہ تم اس میں آرام کرسکو اور دن کو روشنی عطا کرنے والا بنایا ہے) کہہ کر درحقیقت ایسے لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ رات کی نیند کو چھوڑ دینے سے روحانی امن سکون غارت ہو جاتا ہے۔

## ۲۔قرآنِ مجید میں رات اور دن

قرآنِ مجید میں تیس سے زیادہ مقامات پر رات اور دن کو خدا کے وجود کی نشانی اور اس کے علم وقدرت پر دلیل کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔لیکن:

کبھی کہتا ہے: یہ صاحبان عقل کے لئے عبرت ہے۔(نور/ ۴۴)

کبھی کہتا ہے: یہ "پرہیز گاروں" کیلئے آیات ہیں۔(یونس/ ۶)

کبھی کہتا ہے: یہ "صاحبان ایمان" کیلئے آیات ہیں۔(نمل/ ۸۶)

اورحقیقت میں ان تینوں امور کا رابطہ یہیں سے واضح ہوجاتا ہے کہ غور وفکر اور وہ بھی پختہ اور گہرا غور (جیسا کہ "اُولُوا الْاَلْبَابِ" کے مفہوم میں پایا جاتا ہے )ایمان کے ظہور کا سبب اور اس کی تقویت کا موجب ہوتا ہے، جب کہ ایمان بھی اپنے لحاظ سے دل وجان کے اندر تقویٰ کے ظہور کا سبب ہوتا ہے۔اس طرح خداوندِ عالم کی کائنات میں علم وقدرت اور عظمت کی آیات میں غور وفکر کرنے سے ایک تو عقیدے کو تقویت ملتی ہے اور دوسرے عمل کے لحاظ سے انسان کی تربیت ہوتی ہے۔

# ۱۰۔ پہاڑوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

## اشارہ

ہر شخص اجمالی طور پر جانتا ہے کہ بڑی بڑی آبادیاں اور بہت سے اہم شہر بڑے بڑے پہاڑوں کے دامن یا ان کے اندر آباد ہیں۔ عظیم نہریں، جو شہروں کی آبادی کا سبب ہوتی ہیں وہ بھی انہی پہاڑوں کی بدولت ہیں، لیکن انسانی زندگی میں پہاڑوں کا عمل دخل صرف اسی حد تک نہیں ہے، ہر چند کہ یہ چیزیں بھی اپنی جگہ پر بڑی اہم ہیں۔

پہاڑوں کا صرف انسانی زندگی کے ساتھ ہی گہرا تعلق نہیں ہے بلکہ روے زمین پر موجود تمام چیزوں کی حیات پہاڑوں کی مرہون منت ہے۔ ان کے فوائد اور برکتیں بے شمار ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ کرہِ زمین پہاڑوں کے بغیر زندگی کے قابل نہیں ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

اس لئے قرآن مجید نے بہت سی آیات میں پہاڑوں کی تخلیق پر بڑا زور دیا ہے اور انہیں توحید کی آیات اور پروردگارِ عالم کے علم وقدرت کی نشانیاں قرار دیا ہے۔ اس مختصر سے اشارے کے ساتھ مندرجہ ذیل آیات کو گوشِ دل و جان سے سماعت کرتے ہیں:

۱۔۔۔اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ{}وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ {}وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ

(غاشیہ/۱۷تا۱۹)

۲۔۔۔اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا{}وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا

(نبا/۶۔۷)

۳۔۔۔وَهُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَاَنۡهٰرًا

(رعد/۳)

۴۔۔۔وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَاَنۡهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ

(نحل/۱۵)

۵۔۔۔وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِهِمۡ ۪ وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ﴿۳۱﴾ (انبیاء/۳۱)

۶۔۔۔وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ
أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ

(حم سجدہ/۱۰)

۷۔۔۔وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا

(مرسلات/۲۷)

۸۔۔۔أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ
بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

(نمل/۶۱)

۹۔۔۔وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا

(نحل/۸۱)

۱۰۔۔۔وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ

(فاطر/۲۷)

## ترجمہ

۱۔۔۔آیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے بنایا گیا ہے ؟ اور آسمان کی جانب نہیں دیکھتے کہ کیونکر بلند کیا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے گاڑے گئے ہیں؟

۲۔۔۔آیا ہم نے زمین کو تمہارے لئے سکون کی جگہ نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میخیں؟

۳۔۔۔اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں۔۔۔۔۔۔

۴۔۔۔اور اس نے زمین میں محکم اور پختہ پہاڑ گاڑے ہیں تا کہ زمین تمہیں لے کر جُھک نہ جائے، اور اس نے نہریں ایجاد کیں اور راستے بنائے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

۵۔۔۔اور ہم نے زمین میں بھاری بھر کم پہاڑ بنائے تا کہ وہ (انسان) سکون میں رہیں اور ان میں درّے اور راستے بنائے تا کہ لوگ ہدایت پا جائیں۔

۶۔۔۔اور اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں پیدا کیں اور خوراک کا مختلف مواد اس میں مقرر فرمایا، یہ سب کچھ چار دنوں میں تھا اور تمام طلب گاروں کی ضرورت کے مطابق۔

۷۔۔۔اور ہم نے اس میں مضبوط اور بلند پہاڑ قرار دیئے اور تمہیں خوشگوار پانی پلایا۔

۸۔۔۔بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں چلائیں اور زمین کیلئے ٹھوس اور محکم پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنایا (تاکہ وہ آپس میں مخلوط نہ ہوں، تو پھر ایسی صورت میں) خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بالکل نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر تو کچھ جانتے ہی نہیں (اور جاہل ہیں)

۹۔۔۔اور خدا ہی نے تمہارے (آرام کے) لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے، اُسی نے تمہارے لئے پہاڑوں سے پناہ گاہیں بنائیں۔

۱۰۔۔۔اور پہاڑوں سے بھی (خدا کی مہربانی سے) راستے بنائے گئے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں کچھ تو سفید اور سرخ اور کچھ بالکل کالے سیاہ

## الفاظ کی تشریح

''جَبَل'' (بروزن عَسَل) کے معنی ہیں پہاڑ اگرچہ بعض ارباب لغت نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں مسطح زمینوں کے مقابل کا نقطہ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں زمین کی وہ سطح مرتفع جو بلند اور لمبی ہو۔ بظاہر یہ تمام تعبیریں ایک ہی معنی کی طرف اشارہ ہیں۔

کبھی کبھی کنایہ کے طور پر دلیر اور عظیم لوگوں کو بھی ''پہاڑ'' کہا جاتا ہے۔ ''جبلی'' ان صفات کو کہا جاتا ہے جو انسان کی طبیعت میں پائیدار ہوتی ہیں اور کسی قسم کی تبدیلی کو قبول نہیں کرتیں۔ (جیسے پہاڑ ہوتے ہیں) اور کسی گروہ یا جماعت کو ''جِبِل'' (جیم اور با کے کسرے اور تشدید لام کے ساتھ) کہا جاتا ہے بوجہ عظمت میں کوہ کے مشابہ ہونے کے۔[1]

''رَوَاسِیَ''، ''راسیۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ٹھوس اور محکم پہاڑ، اس کی اصل ''رسو'' (بروزن رَسم، یا بروزن غُلُوّ) ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر ڈٹے رہنا اور ثابت رہنا۔ جن برتنوں کو زمین میں گاڑ کر ان سے کام لیتے ہیں، انہیں بھی ''راسیۃ'' کہا جاتا ہے۔ (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات کے سلسلے میں قرآنِ مجید میں ہے ''قدور راسیات'' یعنی زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی دیگیں) جو ستون خیمہ کے درمیان میں گڑے ہوتے ہیں انہیں ''رسی'' کہا جاتا ہے اور ''مرسات'' کشتی کے اس لنگر کو کہتے ہیں جو ایک جگہ پر کشتی کے ثبات و قرار کا باعث ہوتا ہے۔ یہ لفظ کبھی کبھی لوگوں کے درمیان صلح برقرار رکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ صلح ہی ملک کے ثابت اور پائیدار ہونے کا سبب ہوتی ہے

[1] مفردات راغب، مجمع البیان اور لسان العرب

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## پہاڑوں کی برکتیں اور عجیب اسرار

ان آیات کے پہلے حصے میں خداوندِ عالم نے اپنی زمین و آسمان میں موجود نشانیوں کے مطالعہ کیلئے لوگوں کو دعوت دی ہے، اس کے بعد اونٹ کی تخلیقی کیفیت اور اسی طرح آسمان کی بلندی کے مطالعہ کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ ستونوں کے بغیر کیونکر برپا ہے۔ پہاڑوں کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''کیا وہ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیونکر اپنی جگہ پر گڑے ہوئے ہیں؟'' (وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ)

ممکن ہے کہ تعبیر پہاڑوں کے اپنی جگہ پر ثابت و برقرار رہنے اور زمین کو لرزہ براندام ہونے جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، سے روکنے کی طرف اشارہ ہوا، یا پھر اُن کے طوفانوں اور جھگڑوں کے مقابلے میں استواری، انسان کیلئے قابل اطمینان پناہ گاہیں ایجاد کرنے اور چشموں ندیوں، نالوں اور نہروں کی صورت میں پانی کیلئے ذخیرہ ایجاد کرنے کی طرف اشارہ ہو۔ ممکن ہے یہ تعبیر پہاڑوں کی طرزِ ساخت اور ان کی پیدائش کی طرف ظریف اشارہ ہو، موجودہ دور میں سائنس نے جس سے پردہ اٹھایا ہے، کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ یہ پہاڑ مختلف عوامل کی بنا پر معرضِ وجود میں آئے ہیں، کہیں پر تو زمین کی پیچیدگی کیوجہ سے اور کہیں پر آتش فشانوں کے سبب، نیز کہیں بارش کے پانی کے مسلسل بہاؤ کی وجہ سے کہ پانی کے مسلسل بہا ہونے اس کی اطراف کو مکمل طور پر صاف کر دیا لیکن ٹھوس اور پختہ حصہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔

سمندروں کے اندر بھی مرجان جیسے حیوانی پہاڑ وجود میں آتے رہتے ہیں جنہیں مرجانی پہاڑ یا مرجانی جزائر کہتے ہیں۔ یہ تمام معانی ممکن ہے کہ ''كَيۡفَ نُصِبَتۡ'' (کیونکر نصب کئے گئے ہیں) کے جملہ میں جمع ہوں آیات کی دوسری قسم میں خداوندِ متعال کی نعمتوں کے عنوان کے تحت فرماتا ہے ''کیا ہم نے زمین کو (تمہارے) سکون کی جگہ نہیں بنایا۔۔۔ اور پہاڑوں کو میخیں''؟ (اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا)

''اوتاد''، ''وتد'' (بروزن حسد) کی جمع ہے جو محکم اور مضبوط میخوں پر بولا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کے معنی وہ میخیں ہیں جنہیں زمین میں گاڑ کر خیمے کی رسیوں کو ان سے باندھتے ہیں۔ [1]

پہاڑوں کی میخوں کی حیثیت کیونکر حاصل ہے؟ اس بارے میں متعدد تفسیریں بیان ہوئی ہے۔ پہلی تو یہ کہ آج یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زمین کے سینے مین پہاڑوں کی عظیم جڑیں ہیں ور یہ جڑیں آپس میں جڑی ہوئی ہیں اور زرہ کی مانند زمین کے اندرونی حصے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ یہ زمین کو اس کی اندرونی حرارت کے باعث پیدا ہونے والے دباؤ سے محفوظ رکھتی ہیں وگرنہ زمین کی

---

[1] تفسیر مراغی جلد ۳۰ ص ۴

سطح بے قرار اور بے سکون رہتی ۔

علاوہ ازیں جس طرح چانداور سورج کی کشش سمندروں پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے سمندروں میں مدوجزر پیدا ہوا ہے، اسی طرح وہ خشکیوں پر بھی اثر ڈالتی ہے، لیکن پہاڑوں کے زِرہی جال زمین کو اس عظیم دباؤ کے سامنے مستحکم بنائے ہوئے ہیں ۔

پھر یہ بھی کہ یہ پہاڑ بلندو بالا دیواروں کی مانند زمین کے مختلف حصوں کو ہوا کے تندو تیز جھکڑوں اور طوفانوں سے بچاتے ہیں ، کیونکہ اگر زمین کی ساری سطح بیابان کی صورت میں ہوتی تو ان تباہ کن اور مہلک طوفانوں کی وجہ سے انسانی زندگی کے لئے قطعاً نا مناسب ہوتی ۔ ان سب باتوں سے قطع نظر پہاڑوں کی حیثیت روئے زمین پر پانی کے ذخیرے کی ہے جو انسانی زندگی کے نظم وضبط اور انتظام کیلئے پختہ میخ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

تفسیر المیزان میں آیا ہے کہ ''اوتاد'' (میخوں) کی تعبیر شاید اس لئے ہے کہ زمین کے اکثر پہاڑ آتش فشانی کا نتیجہ ہوتے ہیں جو زمین کے اندرونی مواد کے پگھل کر آتش فشانوں کے دہانہ پر پہنچنے کی صورت میں زمین پر باقی رہ گئے ہیں اور آتش فشانوں کو اپنے قابو میں رکھے ہوئے ہیں ۔[1]

تیسری، چوتھی اور پانچویں آیات میں پہاڑوں کی ''رواسی'' (پختہ اور محکم اشیاء) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''خداوندِ عالم نے زمین میں پہاڑ اور نہریں بنائی ہیں'' (وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا)

ایک اور جگہ فرماتا ہے ''زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا ہے تاکہ وہ اس کی حرکت اور لرزش کو روکے رکھیں، اور نہریں اور راستے ایجاد کر دیئے ہیں تاکہ تم ہدایت پاجاؤ'' (وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ)

اور یہی بات پانچویں آیت میں نظر آتی ہے۔

غرض ان تینوں آیات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ پہاڑوں کے اہم فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ زمین کی غیر موزوں حرکتوں اور لرزشوں کو روکے ہوئے ہیں ۔

''تمید''، ''مَیْد'' (بروزن صَید) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں بڑی بڑی چیزوں کے اضطراب اور زلزلے ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کے معنی دائیں بائیں ہچکولے کھانا ہیں جیسے خالی کشتی لہروں کی دوش میں ہچکولے کھاتی ہے ۔ ''میدان'' کو اس لئے میدان کہتے ہیں کہ مقابلے یا جنگ کے موقعہ پر اس بھاگ دوڑ اور حرکت وتحرک ہوتا ہے ۔

زمین کے اندرونی دباؤ سورج اور چاند کے مدوجزر کی کشش اور دائمی طافانوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے پہاڑوں کے کردار کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے ۔

نیز ان آیات سے اجمالی طور پر یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ نہروں کی پیدائش کا پہاڑوں کی تخلیق سے گہرا تعلق ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ

---

[1] المیزان جلد ۲۰ ص ۲۵۰

بڑی بڑی نہریں جوسارا سال بہتی رہتی ہیں اور پیاسی زمینوں کوسیراب کرتی رہتی ہیں، اس پانی کے وجود سے ہیں جو پہاڑوں کے اندر ہوتا ہے ، یا ان کی چوٹیوں پر برف کی صورت میں ذخیرہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے عظیم پہاڑ، دنیا کی عظیم نہروں کا سرچشمہ ہیں۔

ممکن ہے کہ پہاڑوں کے وجود سے یہ غلط فہمی پیدا ہو کہ انہوں نے زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور آمدورفت کے راستوں کو روکے ہوئے ہیں۔اس قسم کے نظریہ کی اصلاح کے لئے مندرجہ بالا آیات کو بیان فرمایا ہے کہ خداوندِ عالم نے ان میں درّے اور راستے بنائے ہیں تاکہ لوگ ہدایت پا جائیں اور اپنی منزلِ مقصود تک جا پہنچیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہمیشہ بڑے بڑے، عظیم اور سر بفلک پہاڑوں کے اندر مضبوط پناہ گاہیں اور راستے ہیں جو انسان کو آمدورفت کی اجازت دیتے ہیں۔یعنی وہ طوفانوں کے مقابل میں عظیم دیوار ہونے کے باوجود انسانوں کو آنے جانے سے نہیں روکتے اور یہ اتفاق بہت ہی کم پیش آتا ہے کہ یہ پہاڑ زمین کے حصوں کو مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتے ہوں۔

یہ نکتہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر زمین کی سطح صاف ہوتی تو اس کی اپنے محور کے گرد حرکت اور اس کی سطح پر قشر ہوا کی تند و تیز لہروں کی وجہ سے وہ آگ کی صورت میں اس قدر گرم ہوتی کہ کسی ذی روح کا اس پر زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔

لیکن وہ عظیم خدا جس نے زمین کو انسانوں کے سکون اور آرام کا گہوارہ قرار دیا ہے، اُسی نے پہاڑوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ اپنے ٹھوس اور آہنی پنجے قشر ہوا پر اچھی طرح گاڑ دیں اور اسے اپنے ہمراہ زمین پر گھماتے رہیں تاکہ ہوائی لرزے اور گرمی وحرارت پیدا نہ ہونے پائیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اچھی طرح دیکھ رہے ہیں کہ بے جان پتھروں کے یہ ٹکڑے روئے زمین پر موجود چیزوں کی زندگی کیلئے کس قدر مؤثر ہیں۔

ضمنی طور پر ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ پہاڑ بوجہ نشیب وفراز اور بلندی اور پستی کے وسیع پیمانے پر سطحیں ایجاد کرتے ہیں اور زمین کے قابلِ استفادہ حصے کو کئی گنا وسیع کر دیتے ہیں، جب کہ ایسے بہت سے حصوں میں درخت پیدا ہوتے ہیں، وسیع پیمانے پر جنگل وجود میں آتے ہیں ، دواؤں میں استعمال ہونے والی جڑی بوٹیاں اور غذا میں کام آنے والی نباتات اور چراگاہیں وجود میں آتی ہیں جو اہل فن پر مخفی نہیں۔

شاید انہی وجوہات کی بناء پر چھٹی آیات میں پہلے تو زمیں میں پہاڑوں کے نصب کرنے کی بات کی ہے، پھر زمین کی برکتوں اور اس کی غذاؤں کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے۔ارشاد ہوتا ہے "زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں پیدا کیں اور اس میں خوراک کی مواد پیدا فرمایا" (وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا)

کیوں کہ ایک تو خود پہاڑوں کا اور دوسرے اس پانی کا جو پہاڑوں کے دامن سے بہہ نکلتا ہے خوراک کی اشیا کی پیدائش میں بڑی حد تک عمل دخل ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آیت کے آخر میں فرماتا ہے۔"سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ" جو شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ خوراک کی اشیاء ضرورت مندوں کی ضرورت کے عین مطابق ہیں، اور "سائلین" کی تعبیر ممکن ہے تمام انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی طرف ہو (اگرجمع

مذکر عاقل کی صورت میں ذکر ہوا ہے تونحوی اصطلاح میں ''غلبہ'' کی صورت میں ہے ) یقیناً یہ تمام چیزیں زبانِ حال سے ''اقوات'' کا تقاضا کر رہی ہیں۔

''اقوات''، ''قوت'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خوراکی مواد۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر صرف ''بارش'' سے کی ہے اور بعض نے اس خوراکی مواد سے کی ہے جو دلِ خاک میں چھپا ہوا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام خوراکی مواد کی طرف اشارہ ہے، خواہ وہ زمین سے باہر نکلے یا زمین کے اندر پروان چڑھے اور ''قدر'' کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ ''تقدیر'' کے مادہ سے ہے اور شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اور تمام دوسری مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تمام ضروریات کا اندازہ لگا کر اس کا پہلے ہی سے بندوبست کر لیا جاتا ہے۔

ساتویں آیت کا مضمون اس سے پہلی آیات کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔

اٹھویں آیت میں اللہ تبارک وتعالی کی چار اہم نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ زمین کی تخلیق اس انداز میں کہ اسے اس حد تک قرارگاہ اور آرام دہ بنایا گیا ہے کہ اس پر انسان اور دوسری زندہ موجودات آرام وسکون کے ساتھ رہ سکتی ہیں، زمین کے حصوں کے درمیان نہروں اور دریاؤں کی ایجاد، محکم اور ٹھوس پہاڑوں کی تخلیق اور ( میٹھے اور کھاری پانی کے ) دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ کی ایجاد، تاکہ ایک دوسرے میں مل نہ جائیں۔

یہ چاروں نعمتیں بڑے دلکش انداز میں ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہاڑ زمین کے سکون کا موجب اور نہروں کی پیدائش کا سرچشمہ ہیں۔ یہ نہریں اور دریا جب کھاری پانی کے سمندر میں گرتے ہیں تو ان پانی طویل مدت تک ایک نادیدہ اور غیر مرئی حجاب کی وجہ سے جدا رہتا ہے اور آپس میں نہیں ملنے پاتا۔ یہ حجاب ''میٹھے'' اور ''کھاری'' پانی کے ہلکے اور بھاری ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ باالفاظ دیگر ان کے مخصوص وزن کا فرق اس بات کا موجب بن جاتا ہے کہ نہروں اور دریاؤں کا پانی کافی عرصے تک کھاری پانی میں حل نہیں ہو پاتا۔ اس کا بہت بڑا فائدہ ساحلی علاقوں کی زراعت اور کاشتکاری کیلئے ہوتا ہے کیونکہ یہ میٹھا پانی مدوجزر کے ذریعہ پیچھے کو دھکیلا جاتا ہے جس سے بڑی مقدار میں زمین کی آبپاشی ہوتی ہے اور نہایت ہی سرسبز باغات اور آباد کھیت معرض وجود میں آتے ہیں۔

اسی لئے تو آیت کے آخر میں فرماتا ہے، ''کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟'' (ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)

جی ہاں! وہ ان تمام نعمتوں اور برکتوں کی اسرار سے بے خبر ہیں جو نعمتیں کائنات کے گوشے گوشے میں موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک اس بے نشان ذات کی نشانی ہے، لیکن یہ بے خبر لوگ اس سے محجوب ہیں۔

نویں اور دسویں آیت میں پہاڑوں کی بعض دوسری خصوصیات اور فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو ''سایوں'' کی تخلیق کا تذکرہ ہے جو لوگوں کو سخت گرمی اور جلا دینے والی دھوپ سے بچاتے ہیں۔ پھر ان پناہ گاہوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے جو پہاڑوں میں موجود ہیں فرماتا ہے۔ ''اور پہاڑوں سے تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں۔'' (وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا)

''اکنان''، ''کن'' (بروزن جن) کی جمع ہے جو مجمع البیان کے بقول اس جگہ کے معنی ہیں جو انسان کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے، لیکن

بعض نے اسے ہر قسم کے ڈھانپنے والی چیز کے معنی میں ذکر کیا ہے ،حتیٰ کہ وہ قمیص کو بھی انسان کیلئے ''کن'' سمجھتے ہیں اور''پہاڑوں کی اکنان'' سے مراد وہی غاریں اور شگاف ہیں جن سے انسان پناہ گاہ کے عنوان سے اپنے لئے استفادہ کرتا ہے ممکن ہے کہ کوہستانی پناہ گاہیں اور غاروں کی اہمیت شہر کے آسودہ خاطر مکینوں کیلئے ہرگز واضح نہ ہو،لیکن بے دفاع مسافروں ، بیانوں میں سفر کرنے والوں ، گڈریوں ، چرواہوں اوران تمام دوسرے لوگوں کیلئے تو ان کی اہمیت زندگی کی حیثیت رکھتی ہے جو موسمِ گرما کی سخت اور جلا دینے والی دھوپ یا موسمِ سرما کی زبردست کڑاکے کی سردی یا باد و باران سے دوچار ہوتے ہیں ۔بسا اوقات توانہیں حتمی موت سے نجات دلاتی ہیں ، خاص کر یہ کہ اس قسم کی پناہ گاہیں سردیوں میں عام طور پر گرم اور گرمیوں میں بالعموم سرد ہوتی ہیں ۔

اس کے علاوہ پرانے زمانے میں ، بلکہ اب بھی کچھ لوگ پہاڑوں کو تراش کران کے درمیان اپنا گھر بناتے ہیں جو نہایت ہی محکم اور مختلف طبعی حوادث کے مقابلے میں مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے ''اصحاب الحجر'' یعنی قوم ثمود کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ''(وہ اپنے لئے امن وامان کے گھر ، پہاڑوں کے درمیان میں تراشتے تھے ۔سورہ حجر/ ۸۲ ) یہ پہاڑوں کا ایک اور فائدہ ہے ۔

ان آیات کے ایک اور حصے میں ایسے راستوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنہیں خداوندِ عالم نے مختلف رنگوں یعنی سفید ، سرخ اور کہیں پر مکمل طور پر سیاہ پیدا کیا ہے ۔(وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ)

''جُدد'' ،''جُدّہ'' (بروزن غُدد اور غُدّہ) کی جمع ہے جس کے معنی جادہ اور راستہ ہیں ''بیض'' ،''ابیض'' کی جمع ہے جس کا معنی سفید ہے ۔''حمر'' ،''احمر'' کی جمع ہے جس کے معنی سُرخ ہے ۔''غرابیت'' ،''غربیت'' (بروزن کبریت ) کی جمع ہے جس کے معنی ''گہرا سیاہ'' ہیں کوّے کو اسی لئے تو ''غراب'' کہتے ہیں کہ وہ گہرا سیاہ ہوتا ہے ۔''سود'' ،''اسود'' کی جمع ہے جس کے معنی بھی سیاہ ہیں اور یہاں پر ''غرابیت'' کے کلمہ کے بعد تاکید کے طور پر بیان ہوا ہے ۔

مختلف کوہستانی راستے ، جو ایک دوسرے رنگوں کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں ، مسافروں کو اپنے اپنے راستے اختیار کرنے کیلئے معاون ہوتے ہیں اور انہیں بھٹکنے سے بچاتے ہیں ۔علاوہ ازیں رنگوں کا یہ اختلاف پتھروں کے مواد ترکیبی کی علامت ہوتا ہے جو ان مختلف معدنیات کے جو وکی دلیل ہوتا ہے جو ان پہاڑوں کے اندر چھپی ہوتی ہے ۔

ان آیات کی مجموعی بندی سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ پہاڑوں کی تخلیقان کے نہایت ہی اہم فوائد ، خداوند عالم کے علم وقدرت کی اہم نشانیاں اور اس ذات کردگار کی انسانوں پر رحمت اور حکمت کی دلیل ہیں ۔ان سے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھی جاتی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق اور اس کی ایک ایک چیز کس حد تک مفید و بامقصد ہے کہ ان کے بارے میں جتنا غور وخوض کیا جائے اتنا ہی نت نئے اسرار کا انکشاف ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان کا اپنے رب سے عشق اور تعلق بڑھ جاتا ہے ۔

# چند ضروری وضاحتیں

## ا۔ پہاڑ اور قرآنِ پاک کا علمی معجزہ

شاید ایک صدی پہلے تک سائنسدانوں کا پہاڑوں کے متعلق ایک سطحی نظریہ تھا اور عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ تمام پہاڑ پتھروں کے عظیم ٹکڑوں کا مجموعہ ہیں جو روئے زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن زمانے کے گزرنے کے ساتھ ہی اس اہم راز سے بھی پردہ اٹھ گیا اور سائنسدانوں نے اس حقیقت کا پتہ چلا لیا کہ ہر پہاڑ کا بہت بڑا حصہ زمین کے اندر موجود ہے۔

چنانچہ ''جارج گاموف'' اپنی کتاب ''سرگزشتِ زمین'' میں لکھتے ہیں:

''جدید نظریہ کے مطابق، زمینی پہاڑوں کی نوعیب بالکل ویسی ہے جیسے برفانی پہاڑوں کی ہوتی ہے، جو برف کے دباؤ کی وجہ سے قطبی علاقوں میں وجود میں آتے ہیں جس نے بھی قطبی علاقوں کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جب دباؤ کی وجہ سے برف کے عظیم تودے ٹوٹتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر گرتے رہتے ہیں (اور سمندر میں گرتے ہیں تو اس صورت میں) برف کا بیشتر حجم عام طور پر پانی پر چلا جاتا ہے۔ (شاید صرف اس کا 10 / 1 دسواں حصہ پانی سے باہر ہوتا ہے۔ جب کہ 10 / 9 حصے پانی کے اندر) اس طرح جو پہاڑ بھی سطح زمین سے بلند ہوتا ہے، ایک ''کوہ منفی'' ''سنگ خارا GRANITE کی جنس سے زمین کو نرم اندرونی سیاہ دلدلی حصے BAGALITE میں پیدا ہوتا جاتا ہے۔''[1]

یہاں سے ہمیں قرآنِ مجید کے اس نکتے کی سمجھ آتی ہے کہ اس نے پہاڑوں کو ''اوتاد'' یعنی زمین کی میخوں کا نام کیوں دیا ہے؟ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ میخ کا بہت بڑا حصہ دیوار یا لکڑی یا کسی اور چیز کے اندر ہوا ہے اور شاید کم حصہ اس سے باہر۔

نیز چونکہ میخوں کو کسی چیز کے استحکام یا کسی چیز کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس مقام پر بھی یہ تعبیر ایک لطیف اشارہ ہے پہاڑوں کی اس اہم تاثیر کی طرف وہ کرہ زمین پر اندرونی دباؤ یا مدوجزر کی وجہ سے زمین کے مختلف ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے سے بچاتے اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

۲۔ پہاڑ صرف زمین کے سکون کیلئے ہی موثر نہیں ہوتے بلکہ زمین کی اطراف میں ہوا کیلئے بھی بہت بڑی حد تک مؤثر ہوتے ہیں۔ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک وسیع وعریض بیابان میں رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے کیونکہ وہاں کی ہوا عام طور پر طوفانی اور گرد آلود ہوتی ہے۔ وہاں آرام وسکون تو کجا سانس لینا بھی مشکل ہوتا ہے۔

یہ پہاڑوں کی بلند و بالا قامت ہی ہے جو ان دیوانہ وار چلنے والی ہواؤں کو روک کر یا تو پیچھے کو دھکیل دیتی ہیں یا پھر فضا کے بالائی حصے میں بھیج دیتی ہیں۔

---

[1] ''سرگزشت زمین'' تحریر جارج گاموف ص ۱۲۶ (قدرے تلخیص کے ساتھ)

۳۔اس کے علاوہ برف اور بارش کے برسنے میں بھی پہاڑوں کا بڑی حد تک عمل دخل ہے کیونکہ وہ سمندروں سے اٹھنے والے بادلوں اورطوبتوں کے آگے دیوار بنے ہوئے ہیں جوانہیں روک کر برسنے پرآمادہ کرتے ہیں ، بادلوں کے کچھ حصے کواپنے دامنوں میں اور کچھ حصے کو یاتو اپنے درمیانی حصہ میں برسنے پرمجبور کرتے ہیں یا پھر اپنی چوٹیوں پر برف کی صورت میں انہیں روکے رکھتے ہیں۔

۴۔اسی طرح ہوا کی گرمی کو حدِ اعتدال پر رکھنے میں پہاڑوں کا گہرا ہاتھ ہے۔خصوصاً استوائی علاقے میں توان کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ پہاڑوں کی بلندی سطح زمین سے اُن کی دوری کا سبب بن جاتی ہے،اور ہم جانتے ہیں کہ ہم جس قدر بھی سطح زمین سے دور ہوتے جائیں گے ہوا اسی قدر خنک ہوتی جائے گی۔

۵۔پہاڑ مختلف معدنیات کا اہم منبع بھی ہیں اوراپنے دل میں بہت بڑے سرمائے کو جگہ دئے ہوئے ہیں اورانسان کی ہمیشہ سے ان سرمایوں کے حصول کیلئے کاوش چلی آرہی ہے۔

۶۔پہاڑوں کی ایک بہت بڑی تاثیر یہ بھی ہے کہ وہ چلنے پھرنے والی ریت کے آگے بند ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب ہوائیں چلتی ہیں توصحراؤں کی ریت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتی رہتی ہے، بلکہ بڑے بڑے صحراؤں میں تودرختوں،انسانوں،جانوروں،قافلوں حتیٰ کہ آبادیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور جاندار چیزوں کی تباہی کا موجب بن جاتی ہے اگر اس کو مہار نہ کیا جائے توروئے زمین کے تمام علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔پہاڑوں سے بڑھ کر اور کوئی مؤثر بند نہیں ہیں جو اس ''شتر بے مہار کو روکیں۔

یہ اوراس قسم کے کئی اور عظیم فوائد جو ہم آیاتِ بالا کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں ہمیں ایک تو پہاڑوں کے اہم طور پر دخل انداز ہونے اور دوسرے اس بارے میں قرآنِ پاک کی عظمت سے آگاہ کرتے ہیں۔

## ۲۔پہاڑوں کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانِ ذیشان

خداوندِ عالم کی معرفت کے بارے میں ''توحید مفصل'' کا بہت بڑا اور نمایاں حصہ ہے جس میں توحید کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کئی اسرار ورموز کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔اس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ لسلام پہاڑوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اے مفضل! پتھروں اور مٹی سے مل کر بنے ہوئے ان پہاڑوں کی طرف دیکھو جنہیں بے خبر لوگ اضافی اور بے فائدہ سمجھتے ہیں ، جب کہ ان کے اندر بڑی تعداد میں فوائد اور منافع پائے جاتے ہیں ، جن میں سے کچھ یہ ہیں: ان کے اوپر برف پڑتی ہے اوران کے چوٹیوں پر ضرورت مندوں کیلئے ذخیرہ ہوتی رہتی ہے، پھر بتدریج پگھل پگھل کر بہتی رہتی ہے،اس سے چشمے جاری ہوتے رہتے ہیں۔اور چشموں کے آپس میں ملنے سے بڑے بڑے دریا اور نہریں وجود میں آجاتی ہیں۔نباتات اور جڑی بوٹیاں جن سے دوائیاں تیار کی جاتی ہیں انہی پہاڑوں پر اُگتی ہیں صحراؤں میں نہیں اُگتیں۔

پہاڑوں کے اندر وحشی جانوں کے لئے غاریں اور پناہ گاہیں موجود ہیں ، نیز دشمن سے مقابلے کرنے کیلئے پہاڑوں میں محکم اور مضبوط قلعے بنائے جاسکتے ہیں۔اس کے علاوہ پہاڑوں سے ایسے ایسے پتھر تراش کئے جاتے ہیں جو عمارتوں اور چکی کے پاٹوں کے

طور پر کام میں آتے ہیں۔

نیز پہاڑوں میں مختلف قسم کی قیمتی دھاتوں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔جن کے اور بھی بے بہا فوائد ہیں جنہیں خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا اور خدا نے انہیں اپنے علم میں رکھا ہوا ہے۔[۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کلام کے آخر میں جو ایک سر بستہ جملہ ارشاد فرمایا ہے ممکن ہے کہ وہ کئی اور اہم فوائد کی طرف اشارہ ہو جو سائنس اور دیگر علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ دریافت ہوتے جائیں اور جن کی طرف گزشتہ مباحث میں بھی اشارہ ہو چکا ہے۔یا پھر ایسے فوائد اور منافع کی طرف اشارہ ہو جو ابھی تک انسانی علم و دانش کی تیز بین نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

## ۳۔ایک عظیم دانشور کا کلام

مرحوم علامہ مجلسی اپنی کتاب بحارالانوار میں جب پہاڑوں کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر پر پہنچتے ہیں کہ ''خداوندِ عالم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں بنایا ہے'' تو اس کے سات تفسیریں ذکر کرتے ہیں جن میں سے تیسری تفسیر کچھ یوں ہے:

''جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ کہ زمین کو ملنے مضطرب اور لرزہ براندام ہونے سے بچانے کیلئے پہاڑوں کا تاثیر کا سبب یہ ہے کہ (پہاڑ) زمین کی گہرائیوں میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور ایک جال کی حیثیت رکھتے ہیں،جس سے زمین متفرق اور پراگندہ ہونے سے بچی ہوئی ہے۔وہ درحقیقت ایسی میخوں کی مانند ہیں جنہیں لکڑی کے مختلف ٹکڑوں سے جوڑ کر بنایا جائے اور اس میں میخیں ٹھونکی جائیں،جن کے ٹکڑے آپس میں جڑ جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو پاتے۔یہ حقیقت ان لوگوں پر واضح ہے جو کنواں کھودتے ہیں کیونکہ اگر وہ اسی طرح زمین کو کھودتے جائیں تو سخت،ٹھوس اور پختہ پہاڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔علاوہ ازیں آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ زمین کے اکثر قطعے پہاڑوں کے درمیان ہوتے ہیں،جنہیں چاروں طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہوتے ہیں،گویا وہ نیچے سے آپس میں ملے ہوئے ہیں جیسے ایک ایک ظرف ہوتا ہے جو زمین کے مختلف قطعوں کو متفرق اور پراگندہ ہونے سے بچاتا ہے اور جب لرزوں کے عوامل فراہم ہوتے ہیں تو وہ انہیں ان لرزوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔''[۲]

اگر آپ اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ بعض دانشوروں نے یہ تصریح کی ہے کہ پہاڑوں کے بارے میں ابھی ایک صدی پیشتر نئی دریافتیں سامنے آئی ہیں،اسی طرح علامہ مجلسی مرحوم کا نظریہ بھی بہت ہی دقیع اور وزنی ہے کیونکہ اس عظیم اسلامی دانشور نے تین سو سال پہلے اس کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔

---

[۱] بحارالانوار جلد۳ص۱۲۷

[۲] بحارالانوار جلد ۶۰ ص ۱۰۶ (مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ)

## ۴۔ پہاڑوں کی تخلیق کے بارے میں اعجاز بھری حدیث

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے سوال کیا:

''مِمَّا خُلِقَتِ الْجِبَالُ'' پہاڑ کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں؟ آپؑ نے ارشاد فرمایا ''مِنَ الْاَمْوَاجِ'' (موجوں سے)

یہ حدیث بھی موجودہ دور کے سائنسدانوں کے نظریہ سے مکمل مطابقت رکھتی ہے جو کہتے ہیں کہ ''بہت سے پہاڑ بوجہ قشر زمین کے سکڑنے کے اور اس میں نشیب و فراز کے وجود میں آجانے سے معرض وجود میں آئے ہیں'' (جیسا کہ سیب کے خشک ہو جانے کے بعد اس کی جلد پر نشیب و فراز وجود میں آجاتے ہیں (کیونکہ یہی نشیب و فراز بعینہ ان امواج کی مانند ہیں جو پانی کے سطح پر رونما ہوتی ہیں ''اور ''وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ'' (خدا نے زمین میں ٹھوس اور محکم پہاڑ ایجاد کئے ہیں نحل/ ۱۵ (بھی زمین کی تخلیق کے بعد پہاڑوں کی تخلیق کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# ١١۔ بادل، ہوا اور بارش کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

## اشارہ:

بادلوں اور بادو باراں کا تعلق انسان اور کائنات کی دیگر زندہ اشیاء سے اس قدر واضح اور آشکار ہے کہ اس کی تشریح کی ذرّہ بھر بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ زمین کے تقریباً تین چوتھائی حصے کو پانی نے گھیرا ہوا ہے لیکن ایک تو یہ پانی کھاری ہے جو زراعت اور کاشتکاری کیلئے قابل نہیں اور نہ ہی انسانوں اور حیوانوں کے پینے کے قابل ہے دوسرے بالفرض اگر تمام سمندروں کا یہ پانی شیریں ہوتا تو کون سا ایسا ذریعہ تھا جس سے اس پانی کو مرتفع سرزمینوں اور ان زمینوں کو جو سطح سمندر سے کئی ہزار میٹر بلند ہیں، منتقل کیا جاتا؟

یہیں سے ہمیں عظیم مبداء کی قدرت نمائی کا وضح طور پر پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ یہ کام دھوپ کے ذمہ لگایا ہے کہ وہ سمندروں کی سطح پر پڑے اور ان کے پانیوں کو بخارات میں تبدیل کر کے انہی بادلوں کے ٹکڑوں کی صورت میں بدل دے، پھر ہواؤں کے تعاون سے انہیں خشک سرزمینوں کی طرف روانہ

کرے اور پھر بارش کے چھوٹے چھوٹے اور پیارے پیارے دانوں کی صورت میں آہستہ آہستہ ان زمینوں پر بھیجے جس سے تمام روئے زمین پر زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہر جگہ آباد سرسبز اور خرم وشاداب ہو جاتی ہے، وہ بھی ایک نہایت ہی جچے تلے اور حساب شدہ نظم ونظام کے ساتھ ۔اس مختصر سے اشارے کے ساتھ اس بارے میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کرتے ہیں:

١۔۔۔اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ

(روم/٤٨)

٢۔۔۔وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(روم/٤٦)

٣۔۔۔وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ

الثَّمَرٰتِ

(اعراف/ ۵۷)

۴۔۔۔وَاللہُ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ
فَاَحۡیَیۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا

(فاطر/ ۹)

۵۔۔۔اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ.......وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ
مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ
وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ

(بقرہ/ ۱۶۴)

۶۔۔۔اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ {} ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ
الۡمُنۡزِلُوۡنَ {} لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡ لَا تَشۡكُرُوۡنَ

(واقعہ/ ۶۸ تا ۷۰)

۷۔۔۔اَمَّنۡ یَّهۡدِیۡكُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًا بَیۡنَ یَدَیۡ
یۡ رَحۡمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللہِ تَعٰلَی اللہُ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ {}

(نمل/ ۶۳)

۸۔۔۔وَاَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسۡقَیۡنٰكُمُوۡهُ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ لَهٗ
بِخٰزِنِیۡنَ

(حجر/ ۲۲)

۹۔۔۔اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیۡعَ فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ
یُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ......اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ

(زمر/ ۲۱)

۱۰۔۔۔وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا

(نبا/ ۱۴تا۱۶)

۱۱۔۔۔وَهُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا

(فرقان/ ۴۸)

۱۲۔۔۔اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ

(الم سجدہ/ ۲۷)[1]

## ترجمہ

۱۔۔۔خداوندِ عالم وہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ بادلوں کو حرکت میں لے آئیں، پھر انہیں جس طرح وہ چاہتا ہے آسمان کی وسعتوں میں پھیلا دیتا ہے اور انہیں اکٹھا کرتا ہے، اس صورت میں تو بارش کے قطروں کو دیکھتا ہے کہ ان کے اندر سے باہر آتے ہیں اور جب اس زندگی عطا کرنے والی بارش کو اپنے ان بندوں تک پہنچاتا ہے جنہیں وہ چاہتا ہے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں۔

۲۔۔۔خدا کی (قدرت وعظمت کی) نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری عطا کرنے والے عنوان سے بھیجتا ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت چکھائے (اور سیراب کرے) اور اس کے حکم کے مطابق کشتیاں چلتی رہیں اور تم اس کے فضل سے حصہ حاصل کرو، شاید اس کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔

۳۔۔۔وہ وہی تو ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ سنگین بادلوں کا بوجھ (اپنے

[1] اس سلسلے میں قرآنِ مجید کی کئی اور آیات بھی موجود ہیں لیکن ہم نے جو چند ایک آیات اوپر لکھی ہیں ان سب کے نچوڑ کی حیثیت رکھتی ہیں جو ان تین اہم مسائل کی نشاندہی کرتی ہیں جو اوپر عنوان کے طور پر لکھے ہیں دوسری آیت مندرجہ ذیل ہیں: انعام/ ۹۹۔ ابراہیم/ ۳۲۔ نحل/ ۶۵۔ طٰہٰ۔ ۵۳ حج/ ۶۳۔ نمل/ ۶۰۔ عنکبوت ۶۳۔ لقمان/ ۱۰۔ ۱۱۔ فاطر/ ۲۷۔ حٰم سجدہ/ ۳۹۔ رعد/ ۱۷۔ اعراف/ ۵۷۔ حجر/ ۲۲۔ نمل/ ۶۳

دوش پر) اٹھاتی ہیں تو ہم انہیں مُردہ زمینوں کی طرف بھیج دیتے ہیں اوراس ذریعہ سے ہم (زندگی عطا کرنے والا) پانی نازل کرتے ہیں اوراس سے ہرطرح کے میوے (تاریک مٹی سے) باہرنکالتے ہیں۔

۴۔۔۔خداوندِعالم وہی تو ہے جوہواؤں کوبھیجتا ہے کہ وہ بادلوں کوحرکت میں لے آئیں، پھران بادلوں کوہم مردہ زمینوں کی طرف چلاتے ہیں اوراس کے ذریعہ زمین کواس کے مرنے کے بعدزندہ کرے۔

۵۔۔۔آسمان وزمین کی پیدائش میں ن۔۔۔۔۔۔اوراس پانی میں جوخداوندِعالم نے آسمان سے نازل کیاہے اوراس کے ذریعہ زمین کواس سے مردہ ہونے کے بعدزندہ کیا،اورکئی چلنے والی مخلوق کواس میں پھیلایا(اسی طرح )ہواؤں اوران بادلوں کے راستوں میں بھی جوزمین اورآسمان کے درمیان معلق ہیں (اس کی پاک ذت اورتوحید) کی ان لوگوں کیلیئے نشانیاں ہیں جوعقل رکھتے اوراس سے کام لیتے ہیں۔

٦۔۔۔کیاتم اس پانی کے بارے میں بھی سوچتے ہوجوتم پیتے ہو؟ کیاتم اسے بادلوں سے نازل کرتے ہویاہم نازل کرتے ہیں؟اگرہم چاہیں تواس خوشگوار پانی کوکڑواورنمکین بنادیں،پس تم شکرکیوں نہیں کرتے؟

٧۔۔۔یاوہ جوتمہیں خشکی اورتری کی تاریکیوں میں ہدایت کرتاہےاوروہ جوہواؤں کواپنی رحمت کے نازل ہونے سے پہلےخوشخبری دینے والابناکربھیجتاہے،توکیاخداکےساتھ کوئی اورمعبودہے؟خداوندِعالم اس سے بالاترہے کہ لوگ اس کیلیئے جوشریک قراردیتے ہیں۔

٨۔۔۔ہم نے وہ ہوائیں بھیجیں جوبادلوں کوپانی سے بھرے ہوئے ہیں (ہوابادلوں کوپانی سے بارورکرتی ہے )اورہم نےآسمان سے پانی نازل کیاجس کے ذریعہ ہم نےتمہیں سیراب کیا،جب کہ تم اس کی حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

٩۔۔۔کیاتونےنہیں دیکھاکہ خداوندِ عالم نے آسمان سے پانی بھیجااوراُسے چشموں کی صورت میں زمین پروارد کیا۔ پھراس کے ساتھ زراعت کوباہرنکالتاہے کہ جس کے مختلف رنگ ہیں۔۔۔۔۔۔۔اس ماجرامیں صاحبانِ فکر(اوربلندسوچ رکھنےوالوں) کیلیئے یاددہانی ہے۔

١٠۔اوربارش برسانے والے بادلوں سے ہم نے بڑی مقدارمیں پانی نازل کیاتاکہ اس کے ذریعہ بہت سے دانے اورگھاس اگائیں۔۔۔۔۔اوردرختوں سے بھرے ہوئے باغات۔

۱۱۔۔۔اوروہ وہی ہے جس نے اپنی رحمت کے آگے آتے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اُتارا۔

۱۲۔۔۔کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو خشک زمینوں کے طرف چلاتے ہیں اور اس کے ذریعہ زراعتوں کو آگاتے ہیں جس سے ان کو چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی اُن سے خوراک حاصل کرتے ہیں، تو کیا وہ یہ نہیں دیکھتے؟

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''ریاح'' کا لفظ دس مرتبہ قرآنِ پاک میں دہرایا گیا ہے اور نو مرتبہ میں ان ہواؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو بادلوں کو متحرک کر کے برسنے کیلئے آمادہ کرتی ہیں۔

''ریاح'' اصل میں ''ریح'' کی جمع ہے جس کے معنی متحرک ہوا ہے، اس کا اصل ''روح'' ہے۔ عام طور پر اسے مؤنث لفظ سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآنِ مجید میں جہاں پر بادلوں کی حرکت اور بارش کے نزول کا ذکر ہے وہیں پر جمع کا صیغہ (ریاح) استعمال کیا گیا ہے جس کو بعض حضرات اس بات کی دلیل سمجھتے ہیں کہ اگر ہوائیں اکٹھا ہو کر چلیں تو بادلوں کو آسمان میں پھیلا دیتی ہیں، بارشیں برساتی ہیں اور برکت کی حامل ہوتی ہیں لیکن جب ہوا اکیلی حرکت کرے تو ممکن ہے کہ بانجھ ثابت ہو اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے بلکہ نقصان دہ بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دعا میں آیا ہے۔''اللّٰھم اجعله ریاحًا والا تجعله ریحا'' خداوندا تو اُسے کئی ہوائیں قرار دے نہ کہ ایک ہوا۔[1]

''راغب''، ''مفردات'' میں کہتے کہ خداوندِ عالم نے (قرآن مجید کے) جن جن مقامات پر لفظ ''ریح'' کو مفرد صورت میں ذکر فرمایا ہے وہاں پر عذاب کی حکایت کی گئی ہے اور جہان پر جمع کا ذکر کیا ہے وہاں پر رحمت کی حکایت کی گئی ہے۔

راغب کا یہ فرمان ''جمع'' کے بارے میں تو صحیح ہے لیکن مفرد (ریح) کے متعلق عمومی نہیں ہے کیونکہ ریح کا لفظ قرآنِ مجید میں نعمت کے بارے میں بھی استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ سورہ یونس کی بائیسویں آیت میں ہے:

''حَتّٰی اَذَا کُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡكِ وَجَرَیۡنَ بِهِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا'' حتیٰ کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور بہتر اور موافق ہوا اُسے (منزل مقصود کی طرف) حرکت دیتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ کے بارے میں بھی ہم پڑھتے ہیں۔ سورہ سبا/ ۱۲)

''وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَاحُهَا شَهۡرٌ'' ہم نے ہوا کو سلیمان کیلئے مسخر کر دیا کہ صبح کے وقت ایک ماہ کا راستہ طے

[1] مجمع البحرین مادہ ''ریح''

ہوتا تھا اور شام کے وقت ایک ماہ کا راستہ۔

''تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰاح'' کا معنی ہے ہواؤں کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنا (شمالی کو جنوبی کی طرف اور جنوبی کو شمالی کی طرف ۔۔۔۔۔۔۔۔) اور یہ ''صرف'' (بروزنِ حرف) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہے کس چیز کو ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف پھیرنا یا کسی چیز کو دوسری چیز میں تبدیل کرنا۔[1]

ممکن ہے کہ یہ تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہو کہا گر ہوائیں ہمیشہ ایک رُخ پر چلتی رہیں تو ممکن ہے سمندروں سے اٹھی ہوئی رطوبتوں اور بادلوں کو صرف ایک سمت چلاتی رہیں۔لیکن ہواؤں کی تبدیلی اس بات کا سبب بن جاتی ہے کہ بادل ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک اور ایکسمت سے دوسری سمت کی طرف حرکت کرتے ہیں اور خشک زمینوں کا اکثر حصہ اس بارش سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں، جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے، ہواؤں کا فائدہ صرف بادلوں کے چلانے ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ان کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جنہیں ہم انشاءاللہ آیات کی تفسیر میں بیان کریں گے۔[2]

''سَحَاب''، ''سحب'' (بروزن محو) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں کھینچنا، اور چونکہ بادل ہواؤں کے ذریعہ کھینچے جاتے ہیں یا بادل پانی کو ہر طرف کھنچے پھرتے ہیں اسی لئے انہیں ''سحاب'' کہتے ہیں یہ لفظ کبھی تشبیہ کے طور پر سایہ، ظلمت اور تاریکی پر بھی بولا جاتا ہے۔

یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ بعض آیات میں ''سقناہ'' کا لفظ ''سوق'' کے مادہ سے استعمال ہوا ہے جس کے معنی چلانا ہیں ۔یہ تعبیر اس لئے استعمال کی گئی ہے کہ خداوندِ عالم اسے معین اور مقررہ جگہ کی طرف تیزی سے چلاتا ہے (ہر چند کے سحاب کی طبیعت میں ہی حرکت ہے)

''مُزن'' (بروزن حُزن) کا معنی ''روشن بادل'' ہے جب کہ بعض مفسرین نے ''بارش برسانے والے بادلوں سے اس کی تفسیر کی ہے۔[3]

اسی لئے جب چاند بادلوں کے درمیان سے رونما ہوتا ہے تو اسے ''ابن مزنہ'' یعنی بادل کا بیٹا کہتے ہیں۔''مازن'' ایک ایسی تعبیر ہے جو سفید چیونٹیوں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

''بُشر'' (بروزن عُشر) مصباح اللغہ کے بقول ''بَشَر'' (بروزن سَفَر) سے لیا گیا ہے جس نے معنی خوشی اور سرور ہیں۔[4]

---

[1] مجمع البحرین اور مفرداتِ راغب

[2] عرب حضرات ہوا کو چار قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، ا۔شمال جو شمال کی جانب سے چلتی ہے۔ ۲۔جنوب، جو جنوب کی طرف سے حرکت کرتی ہے۔ ۳صبا، جو مشرق سے چلتی ہے۔ ۴۔اور دبور، جو مغرب کی طرف سے چلتی ہے۔

[3] ''مفردات راغب'' اور ''لسان العرب'' مادہ مزن

[4] ''نشر'' اسم مصدر ہے جو اسم فاعل (خوشخبری دینے والا) کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اگر قرآنِ مجید نے ہواؤں کو ''بُشر'' یا کبھی ''مبشرات'' کا نام دیا ہے تو اس لئے کہ وہ عام طور پر زندگی دینے والی بارش کی خوشخبری دیتی ہے۔

# آیات کی تفسیر اور ان کی جمع بندی

## دو اسرار بھری چیزیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہوا اور بارش

زیر بحث آیت میں سے سب سے پہلی آیت میں ہواؤں کے چلنے اور اُن کی وجہ سے بادلوں کے حرکت کرنے کے ذریعہ خداوندِ عالم کی پاک ذات کا تعارف کرایا جارہا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: ''خداوندِ عالم وہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ وہ بادلوں کو حرکت میں لے آئیں۔ (اَللّٰهُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا)

پھر آسمان میں بادلوں کے پھیل جانے اور ان کے ایک دوسرے پر جمع ہوجانے کی طرف اشارہ ہے اور آخر میں ان بادلوں کے درمیان سے زندگی عطا کرنے والی بارش کے قطروں کے نکلنے کا ذکر ہے ،فرماتا ہے ۔''فَیَبۡسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَیَجۡعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ''

یہاں پر ''کِسَف'' بادلوں کے ان ٹکڑوں کے معنی میں ہے جو ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے ہوں اور برسنے کیلئے بالکل تیار ہوں۔''وَدق'' (بروزن خلق) پانی کے چھوٹے چھوٹے اور غبار کی مانند ذروں کو کہتے ہیں۔بعض نے اس کی معنی بارش بھی کئے ہیں۔

آیت کے آخر میں بارش کے برسنے کی وجہ سے بندوں کے اندر خوشی کی جو لہر دوڑ جاتی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ)

اس طرح ہوائیں صرف بادلوں ہی کو متحرک نہیں کرتیں بلکہ انہیں آسمانوں میں بھی پھیلاتی اور ایک دوسرے پر اکٹھا بھی کرتی ہیں۔یہ ہوائیں ہی تو ہیں جو بادلوں کے ماحول واطراف کو ٹھنڈا کرنے ور پھر بادلوں کو برسنے پر آمادہ کرنے پر مامور ہیں۔

ہواؤں کی مثال ایسے ہے جیسے تجربہ کار گڈریئے ہوتے ہیں بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں کو معین ومقرر موقع پر جنگل اور بیابان سے اکٹھا کر کے انہیں مقررہ راستے پر چلاتے ہیں اور پھر انہیں دودھ دوہنے کیلئے تیار کرتے ہیں۔

نہ تو بادلوں کے اندر اس قدر موٹائی اور ذبازت ہے جو بارش کے قطروں کو روک لے اور نہ ہی ہواؤں کی شدت اس انداز سے ہے کہ وہ ان کے حیات بخش قطروں کو زمین تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہو۔نہ ہی بارش کے قطر اس قدر چھوٹے اور باریک ہیں کہ فضا میں معلق ہوکر رہ جاتے ہوں اور نہ ہی اس قدر موٹے ہیں کہ گھروں اور کھیتوں کا ستیاناس کردیں۔

بارش صرف اس لئے نہیں ہوتی کہ اس سے آبادی عمل میں آئے اور انسانوں کی شادی اور مسرت کا باعث بنے بلکہ چونکہ وہ ہوا کا تصفیہ کر کے اسے لطیف بناتی ہے،اس لئے بذات خود بھی فرحت انگیز اور نشاط بخش ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ اسی آیت کے آخر میں

اسی سورہ روم میں فرماتا ہے:

''فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'' خداوندِ عالم کی رحمت کے آثار کو دیکھو کہ وہ مردہ زمین کو کیونکر زندہ کرتا ہے؟ (روم۔۔۔۵)

اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے کیلئے کافی ہے کہ ان تصویروں کو دیکھا جائے جو افریقی زمینوں کے صحراؤں اور زرعی علاقوں سے لی گئی ہیں۔ جہاں متواتر خشک سالی کی وجہ سے موت کے آثار نمایاں ہیں اور فرشتۂ حیات وہاں سے اپنا بوریا بستر گول کر چکا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہوا کی یہی لطیف موجیں بارش کے قطرے بھی آسانی سے جن میں سوراخ کر دیتے ہیں جب حکم پا لیتی ہیں تو بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں اور سر بفلک عمارتوں کو زمین بوس کر دیتی ہیں، انسان کو اپنے ساتھ آسمان میں اڑائے پھرتی ہیں اور کہیں دور دراز علاقے میں جا گراتی ہیں۔

دوسری آیت بھی اسی چیز کو مختصر سے فرق کے ساتھ بیان کر رہی ہے جس میں ہواؤں کا تعارف خوشخبری دینے والے کے عنوان سے کرایا گیا ہے، ہواؤں کے ذریعہ بارش کے نازل ہونے کے علاوہ کشتیوں کو بھی حرکت میں لانے کا ذریعہ بتایا گیا ہے اور آخر میں فرمایا ہے۔ ''مقصد یہ ہے کہ تم خدا کے فضل کو حاصل کرو، شاید اس کا شکر بجالاؤ'' (وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

''وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ'' (مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں اپنی رحمت سے چکھائے) کا جملہ ممکن ہے ہواؤں کے دوسرے فوائد کی طرف اشارہ ہو۔ مثلاً درختوں کے پھلوں کی افزائش، بدبوؤں کا دور کرنا اور فضا کو آلودگیوں سے صاف رکھنا وغیرہ جیسا کہ تفسیر ''المیزان'' میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[1]

سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک کوئی نعمت انسان سے سلب نہ ہو جائے اس وقت تک اسے اس کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ اگر کسی دن نسیم سحر اور یہ ہوائیں متوقف ہو جائیں تو بہترین باغوں اور بہاروں کی زندگی بھی کال کوٹھڑیوں کی زندگی سے بدتر ہو جائے۔ اسی طرح اگر قید تنہائی کی کال کھوٹھڑی میں بادِ نسیم کے جھونکے پہنچ جائیں تو اس کی قدر و قیمت کھلی فضا سے کم نہیں ہوتی۔

علیٰ ہذا القیاس اگر سمندروں کی سطح پر چلنے والی ہوائیں بند ہو جائیں اور موجیں وجود میں نہ آئیں تو آکسیجن کی کمی کی بنا پر بہت سے سمندری جانوروں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے، اور سمندر وحشت ناک بدبودار دلدلوں میں بدل جائیں۔

تیسری آیت میں بھی اسی معنی کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ البتہ یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ ہوائیں اس کی رحمت کے آگے آگے چلتی ہیں اور بادلوں کی ''ثقال'' (ثقیل کی جمع اور بوجھل کے معنی ہے) کے ساتھ توصیف کی گئی ہے۔ کیونکہ بارش برسانے والے بادل دوسرے بادلوں کی نسبت زیادہ ثقیل ہوتے ہیں اور زمین سے نزدیکی فاصلے پر ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآنِ مجید نے انہیں ''ثقیل بادل'' کا نام دیا ہے۔

''اقلت''، ''اقلال'' (بروزن اجلال) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں ایسی چیز کا ٹھکانا جو اٹھانے والے کی طاقت کے لحاظ سے

---

[1] تفسیر المیزان جلد ۱۶ ص ۲۰۹

ہلکی ہوتی ہے اور اٹھانے والا اسے معمولی چیز سمجھے ۔مندرجہ بالا آیت میں اس تعبیر کا وجود اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بھاری پھر کم اور ثقیل بادل جو بسا اوقات لاکھوں، کروڑوں ٹن پانی اپنے ساتھ لئے ہوتے ہیں، ہوا کے دوش پر زیادہ بوجھل نہیں ہوتے اور یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے

چوتھی آیت میں ہواؤں کے ان عظیم امور کی انجام دہی کیلئے بھیجنے کو اسکی پاک ذات کے آثاروں میں شمار کیا گیا ہے کہ مردہ زمینوں کو ان کے ذریعہ زندہ کرتا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں ''تثیر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی ہوائیں بادلوں کو برانگیختہ کرتی ہیں۔ ممکن ہے کہ تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ بادلوں کا وجود میں آنا گرم علاقوں میں سمندروں کی سطح پر ہواؤں کے چلنے کا مرہونِ منت ہوتا ہے کیونکہ بادلوں کی حرکت کا مسئلہ ''فَسُقْنَاہُ'' کے جملہ سے قابلِ توجہ قرار پاتا ہے۔ اس طرح بادلوں کے وجود میں آنے کیلئے ہواؤں کا بھی گہر تعلق ہوتا ہے کہ وہ انہیں خشک علاقوں میں حرکت میں لاتی ہیں پھر بلند فضا میں لے جا کر بارش برسنے کا ماحول پیدا کرتی ہیں۔

''تثیر'' کا جملہ فعل مضارع کی صورت میں ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عمل دائمی اور ہمیشہ سے جاری ہے۔

بہرحال یہ مسئلہ بھی ایک تو خالقِ کائنات کے علم وقدرت کی نشانی ہے اور دوسرے اس کی معاد پر قدرت رکھنے کی دلیل ہے، لہٰذا اس قسم کی بعض آیات کے ساتھ ساتھ معاد کے مسئلہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

پانچویں آیت میں سات قسم کی مختلف چیزوں کی آفرینش کو ان لوگوں کے لئے خدا کی نشانیاں بتایا گیا ہے جو صاحبانِ عقل وفکر ہیں، آسمان وزمین کی تخلیق، رات اور دن کی آمدورفت جو کشتیاں سطحِ سمندر پر لوگوں کے مفادات کیلئے چلتی ہیں اُن کی حرکت، زندگی عطا کرنے والی بارش، ہواؤں کا الٹ پھیر اور ان بادلوں کی گردش، جو زمین وآسمان کے درمیان معلق ہیں۔

اس آیت میں بھی ایک تو ہواؤں کی مختلف حرکتوں کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے (وَتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ) اور دوسرے ان بادلوں کی حرکتوں کو بیان کیا گیا ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہیں۔(وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ) ایسے بادل جو پانی کے سمندروں کو اپنے اندر لئے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ چیز خداوندِ عالم کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح ''زندگی عطا کرنے والی بارش کا نزول جو ایک طرف تو مردہ زمینوں کو زندہ کرتی ہے اور دوسری طرف روئے زمین پر چلنے والی چیز کو حرکت میں لاتی ہے'' (فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ)

اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں ہواؤں اور بادلوں کا تذکرہ بارش کے نازل ہونے کے بعد ہوا ہے تو یہ شاید اس دقیق نکتے کی تعلیم کیلئے ہے کہ ہواؤں کا فائدہ صرف بادلوں کی حرکت اور نزول باران میں منحصر نہیں ہے بلکہ ان کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں کہ پہلے بھی جن کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور جمع بندی کے باب میں بھی اشارہ کیا جائے گا۔

اس طرح بادل بھی بارش کے نزول کے بغیر بذاتِ خود ایک عجیب مسئلہ ہیں کیونکہ یہ پانی کے سمندر اپنے اندر لئے ہوتے ہیں لیکن اس

کے باوجودوہ زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتے ہیں۔[1]

چھٹی آیت میں انسان کے پینے کے پانی کی بات کی گئی ہےاورایک نئے نکتے کی یادآوری کی گئی ہے۔ارشادہوتاہے''کیاتم نے اس پانی کے بارے میں بھی سوچاہے جوتم پیتے ہو؟ کیاتم بارش کے ساتھ نازل کرتے ہویاہم نازل کرتے ہیں؟'' پھرفرمایا''اگرہم چاہیں تواس خوشگواراومیٹھے پانی کوکڑوایانمکین بنادیں پس تم اس عظیم نعمت کاشکرکیوں نہیں بجالاتے؟''(لَوْنَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًافَلَوْلاَ تَشْكُرُوْنَ)

اگرسمندرکاپانی تبخیر(بخارات بننے )کےموقعہ پرنمک کے چھوٹے چھوٹے ذرات اپنے ساتھ آسمان کی طرف لے جاتااور بادلون سے نمکین اورکڑواپانی برستاتوسارے کاساراکرّہ ارضی شورہ رازمیں بدل جاتانہ تواس پرکسی قسم کی گھاس اُگتی اورنہ ہی کوئی درخت پیداہوتا،اگرانسان پیاس سے مرنے لگتاتواس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پی سکتا۔

یہی موضوع کہ اس نے پانیوں کوحکم دیاہے کہ وہ بخارات بن جائیں اورسمندری پانی میں موجودنمک کوحکم دیاہے کہ وہ اپنے جگہ پرباقی رہ جائیں،انسان بلکہ تمام چیزوں کی زندگی کے چہرے کومکمل طورپرتبدیل کئے ہوئے ہے کیاکوئی شخص ساری زندگی صرف اسی ایک نعمت ہی کاشکراداکرسکتاہے۔

''مُزن'' جیساکہ ہم بتاچکے ہیں اس کے معنی بارش برسانے والے بادل ہیں اور''اُجاج''کے معنی وہ پانی ہیں جوزبردست کڑوایانمکین ہو۔

ساتویں آیت میں خداوندِعالم کی اپنے بندوں پرعظیم نعمتوں میں سے دونعمتوں کی طرف اشارہ ہے،ایک توصحرااوردریاکی (خشکی اورسمندری)تاریکیوں میں (ستاروں کے ذریعہ )ہدایت کی نعمت ہےاوردوسری بارانِ رحمت کانزول سے پہلے خوشخبری عطاکرنے والی ہواؤں کابھیجناہے کہ جہاں پربھی باران رحمت کانزول ہوتاہے وہیں پرزندگی کے نغمے گونجنے لگتے ہیں اورمختلف خیروبرکتیں وجودمیں آتی ہیں۔آیت کے آخری میں خداوندِمتعال کی وحدانیت پران دونوں موضوعات کوسندقراردے کرمشرکین کومخاطب کرتے ہوئے فرماتاہے:''کیاخداکے ساتھ کوئی اورمعبودبھی ہے؟ خداوندِمتعال اس بات سے کہیں بلندوبالاہے کہ اس کیلئے شریک قراردیتے ہیں۔(ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللهِ تَعَالَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ)

ان دوعطیات کاایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ذکراس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب مطلع صاف ہوتووہ ستاروں کے ذریعہ رات کے وقت منزلِ مقصودتک پہنچنے کیلئے راہیں تلاش کرلیتے ہیں اوراگرمطلع ابرآلودہوتوایک اوررحمت ان کے پاس آجاتی ہے۔لہٰذادونوں صورتوں میں خداکی رحمت اورعنایت ہے جواس کی ذات پاک کی معرفت کی علامت ہے۔

آٹھویں آیت میں ایک نئی تعبیرکے ساتھ ہواؤں اوربارش کےنزول کے بارے میں گفتگوکرتے ہوئےفرماتاہے:''ہم نے ہواؤں

---

[1] توجہ رہے کہ یہ بادل وہی بخارات ہیں جوتہہ درتہہ موجودہوتے ہیں،اگرزمین پرہوں توعرب انہیں''ضباب''(بروزن سَراب)یعنی کُہرکہتے ہیں اورجب آسمان پرچڑھ جاتے ہیں توانہیں''سحاب''،''غیم اورغمام'' کہتے ہیں۔(المیز ان جلداول ص ۴۱۱

کو بارور کرنے کیلئے بھیجا ہے‘‘۔(وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ)

کیا بارور کرنے سے مراد نباتات کا بارور کرنا ہے اور وہ یوں کہ ہواؤں کے ذریعہ نر نباتات کا بُور مادہ نباتات کے بُور پر ڈالنا اور میوہ جات اور دانوں کو بارور کرنا ہے، یا بادلوں کے ٹکڑوں کو بارور کرنا اور انہیں آپس میں ملانا ہے؟ چونکہ آیت کے دوران فرماتا ہے۔’’فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنَا كُمُوْهُ‘‘(ہم نے آسمان سے پانی بھیجا ہے اور تمہیں اس سے سیراب کیا ہے) لہٰذا دوسرا معنی زیادہ مناسب معلوم ہتا ہے، ہر چند کہ دونوں معانی سے باہم استفادہ بھی ممکن معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال مندرجہ بالا تعبیر نہات ہی دلکش ہے کیونکہ اس میں بادلوں کے ٹکڑوں کو ماں اور باپ سے تشبیہ دی گئی ہے جن کا ہواؤں کی مدد سے آپس میں ملاپ ہوتا ہے جس سے وہ باردار ہوتے ہیں اور وضع حمل کرتے ہیں اور اپنے نومولودوں یعنی بارش کے قطروں کو زمین پر بٹھاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں زیر زمین پانیوں کے ذخائر کی طرف ایک سربستہ اشارہ ہے جو خداوندِ عالم کی طرف سے زمین کے اندر چھپائے گئے اور ارشاد فرمایا ہے’’تم ہرگز بارش کے پانی کو محفوظ اور ذخیرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔‘‘(وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِيْنَ)

یعنی یہ ہم ہیں کہ زمین کی قشر کو حکم دیا ہے کہ وہ بارش کے پانی کو اس کے نازل ہوتے ہیں صاف کر کے اپنے اندر ذخیرہ کر لے۔ یہ تمہارے کنوؤں اور کاریزوں کا پانی ہی تو ہے جو ذخیرے کی صورت میں ہزار ہا سال سے زیر زمین موجود ہے اور آج تم اس سے استفادہ کر رہے ہو۔ اب تک نہ تو آلودہ ہوا ہے اور نہ ہی خراب۔

یا پھر اسے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی صورت میں منجمد کر کے رکھا ہوا ہے جو آہستہ آہستہ پگھلتا رہتا ہے، جس سے تم بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانور بھی اور کھیتوں کیلئے آبپاشی بھی کرتے ہو۔ کیا معلوم جو پانی آج تم استعمال کر رہے ہو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی صورت میں موجود ہزاروں سال قبل کا ہو!

نویں آیت میں آسمان سے پانی کے نازل ہونے کے علاوہ چشموں کی پیدائش کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہوئے کہتا ہے ۔’’کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خداوندِ عالم نے آسمان سے پانی بھیجا ہے اور پھر اسے چشموں کی صورت میں زمین کے اندر داخل کر دیا ہے؟‘‘(اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ)

’’ینابیع‘‘،’’ینبوع‘‘ کی جمع ہے جس کے معنی چشمہ ہیں اور دراصل ’’نبع‘‘ کے مادہ سے ہے جس نے معنی ہیں پانی کا زمین سے پھوٹنا۔ البتہ زمین سے چشموں کی پیدائش جن سے انسان کسی طاقت کے خرچ کئے بغیر بہرہ مند ہوتا ہے، خاص شرائط کی مرہونِ منت ہے۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ زمین کی قشر پانی کے نفوذ کو قبول کرتی ہوتا کہ پانی اس کے اندر چلا جائے۔ پھر اس کا نچلا حصہ ایسی قشر ہو جو پانی کو قبول نہ کرے تاکہ پانی وہاں پر رکا رہے اور ذخیرہ کی صورت میں موجود رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پانی کے ذخیرے اور دوسرے نقاط کی سطح کا آپس میں فرق ہوتا کہ پانی وہاں سے بہہ کر دوسرے مقامات کو چلا جائے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ سب کچھ ایک باقاعدہ منظم اور بچے تلے پروگرام کے بغیر ناممکن ہے اور یہ پروگرام ایک مبدائے علم وقدرت کے نقشے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔

اسی آیت میں آگے چل کر فرماتا ہے "پھر خداوندِ عالم اس کے ذریعہ ایسی کھیتی اُگاتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔" (ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُه)

ممکن ہے رنگوں کا یہ اختلاف نباتات کے ان رنگوں کی طرف اشارہ ہو جو پوری طرح مختلف ہیں، یا مختلف نباتاتوں اور زینت کے پھولوں اور دواؤں، غذاؤں اور مصنوعات کے لئے استعمال ہونے والے پھولوں کی طرف اشارہ ہو جو حقیقت میں بے شمار انواع پر مشتمل ہیں۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ خداوندِ عالم اس بے رنگ پانی سے اس گلزارِ ہستی میں لاکھوں رنگ کے پُھول اور سبزے اُگاتا ہے اور بقول شاعر

زآبِ بے رنگ صد ہزاراں رنگ
لالہ وگل نگر دراین گلزار
بے بری گر بہ رازشان دانی
کہ ہمیں است سِرّ این اسرار
کہ یکی ہست و ہیچ نیست جزاو
وَحْدَہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو

یعنی بے رنگ پانی سے لاکھوں رنگ کے گل اور لالے اس گلزار ہست وبود میں دیکھو۔ اگر تم اس بات پر غور کرو تو تمہیں ان تمام رازوں کا پتہ چل جائے کہ ان کا خالق ایک اور صرف ایک ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ اسی لئے آیت کے آخر میں فرماتا "اس تمام ماجرا میں ان لوگوں کیلئے نصیحت کی باتیں ہیں جو صاحبان عقل وخرد ہیں" (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ)

دسویں آیت میں ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "ہم نے معصرات سے بڑی مقدار میں پانی نازل کیا ہے۔" (وَ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا)

"معصرات"، "معصر" کی جمع ہے اور "عصر" یعنی نچوڑنے کے مادہ سے لیا گیا ہے، "معصرات" کے معنی "نچوڑنے والے" ہیں۔ اس تعبیر کا کیا مقصد ہے، اس بارے میں متعدد تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ بعض مفسرین نے اسے بادلوں کی صفت قرار دیا ہے، اور اسے ایک سسٹم کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں کہ جب بادل آپس میں مل جاتے ہیں تو یہ سسٹم اسوقت ان پر حکم فرما ہوتا ہے، گویا وہ خود کو نچوڑتے اور خود پر دباؤ ڈالتے ہیں تا کہ اُن سے بارش برسے اور اس تعبیر کو وہ قرآنِ پاک کے علمی معجزات میں سے ایک معجزہ سمجھتے ہیں۔[1]

لیکن بعض دوسرے مفسرین اس (معصرات) کو ہواؤں کی صفت سمجھتے ہیں اور ہوائی طوفانوں اور بگولوں کی طرف اشارہ جانتے ہیں جن کا موسلا دھار بارش کے وجود میں آنے کا بڑی حد تک عمل دخل ہے (یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ "اعصار" کے معنی بگولا ہیں۔

---

[1] "بادوباران" نامی کتاب کے ص ۱۲۶ کا مطالعہ کریں۔

وہ کہتے ہیں کہ جب زبردست قسم کے بگولے سمندروں اور بحراوقیانوس کی سطح پر چلتے ہیں تو وہ ان سمندروں کی سطح کے بخارات اپنے ساتھ اوپر لے جاتے ہیں اور جب وہ فضا کے بالائی حصے میں انہیں لے جاتے ہیں جو زبردست سرد ہوتا ہے تو وہاں پر شدید قسم کی موسلا دھار بارش کا وجود عمل میں آجاتا ہے۔اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ''ثجاج'' مبالغہ کا صیغہ ہے۔اور ''ثج'' (بروزن حج) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں ''پانی کا مسلسل اور زور زور سے گرنا'' یہ معنی اس قسم کی موسلا دھار بارش سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔[1]

بعض مفسرین اسے ان بادلوں کی طرف اشارہ جانتے ہیں جو بگولوں اور طوفانوں کے ساتھ [2] ہوتے ہیں۔ یہ طوفان بادلوں کو اٹھا کر اُوپر لے جاتے ہیں اور انہیں فضا کے سرد علاقوں تک جا پہنچاتے ہیں۔ جہاں جا کر بارش کے قطروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ کام بڑی تیزی سے انجام پاتا ہے اسی لئے موسلا دھار بارش اور ''ماءثجاج'' کا وجود عمل می ںآ جاتا۔اس قسم کی بارش عموماً موسم بہار میں ہوتی ہے ۔شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ اس موسم میں اس قسم کے بگولے اور طوفان زیادہ ہوتے ہیں۔

انہی آیت میں فرماتا ہے۔''مقصد یہ ہے، کہ اسکے ذریعہ سے ہم اناج، بڑی مقدار میں نباتات اور درختوں سے بھرے ہوئے باغات اُگائیں۔''(لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا)

اور یہ تعبیر ہر قسم کی نباتات اور اناج اور پھل دار درختوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

گیارہویں آیت میں، اس بیان کے بعد جو اس ے پہلی آیات میں گزر چکا ہے، (خداوندِ عالم وہی تو ہے جو اپنی رحمت کے نازل ہونے سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے) یوں فرماتا ہے: ''ہم نے آسمان سے پاک اور پاک کرنے والا پانی نازل کیا۔''(وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا)

یہ ایک نیا نکتہ ہے جس پر اس آیت میں زور دیا گیا ہے۔

''طھور''، ''طھارت'' اور پاکیزگی کا مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں ''پاک ہونے اور پاک کرنے'' کے معنی پائے جاتے ہیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر پانی میں پاک کرنے کی خاصیت نہ ہوتی تو ایک ہی دن میں ہماری تمام زندگی اور تمام جسم و جان آلودہ ہو کر رہ جاتے۔اس بات کی حقیقت کا ادرک تو ہم اس وقت کرے ہیں جب کسی ایسی جگہ پھنس جاتے ہیں جہاں نہانے اور دھونے کیلئے پانی موجود نہیں ہوتا، نہ تو وہاں پر غذا تیار کی جا سکتی ہے اور نہ ہی بدن کی صفائی، جس سے فرحت و سرور اور صحت و سلامتی کا فقدان ہو جاتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ پانی جراثیم کو ختم نہیں کرتا لیکن چونکہ بہت سی چیزوں کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا کسی قسم کے جراثیم کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔اسی لئے یہ صحت و سلامتی کیلئے ایک نہایت موثر عامل ہے۔اس کے علاوہ وضو اور غسل کے ذریعہ انسانی روح کو بھی آلودگیوں سے پاک کرتا ہے۔

---

[1] ''اعجاز قرآن از نظر علوم امروزی'' ص ٦٧

[2] تفسیر کبیر از فخر رازی جلد ٣١ ص ٨ میں اس معنی کو آیت کی ایک تفسیر کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس لئے تو اس کے بعد کی آیت میں آیا ہے۔ ''لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا'' (تاکہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کریں)

اسی سلسلے کی بارہویں اور آخری آیت میں ایک بار پھر ایک اور نئے نکتے سے آگاہ ہوتے ہیں، وہ یہ کہ خداوندِ عالم پانیوں کو ''جرز'' یعنی خشک و بے آب و گیاہ زمینوں کی طرف بھیجتا ہے۔ اشارہ ہوتا ہے۔ ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو ایسی خشک زمین کی طرف ہنکا کر لے جاتے ہیں جس میں گھاس تک نہیں اُ گی؟'' (اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ)

''اور اس کے ذریعہ کھیتی اگاتے ہیں جس سے اُن کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی (فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ اَنْفُسُهُمْ)

اربابِ لغت کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ''جُرُز'' (بروزن شُتُر) دراصل جَرَز (بروزن مَرَض) کے مادہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ''منقطع ہونا'' (پانی کا منقطع ہونا، گھاس اور نباتات کا منقطع ہونا، خوشی و خرمی اور ترو تازگی کا منقطع ہونا) اسی لئے ''ناقۃ جروز'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سب کچھ کھائے اور منقطع کر دے اور ''رجل جزور'' اس شخص کو کہتے ہیں جو دستر خوان پر موجود سب کچھ چٹ کر جائے۔[۱]

آیت کے آخر میں خداوندِ عالم عظیم نعمتوں اور توحید کی نشانیوں کا دقیق مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''کیا وہ نہیں دیکھتے؟'' (اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ)

مندرجہ بالا آیت میں ''انعام'' (چوپاؤں) کو انسان پر کیوں مقدم کیا گیا ہے؟ اس بارے میں بعض مفسرین نے کہا ہے کیونکہ نباتات زمین سے اُگتے ہیں چوپاؤں کیلئے قابلِ استفادہ ہوتی ہیں۔ نیز چوپائے فقط نباتات سے ہی غذا حاصل کرتے ہیں جب کہ انسان دوسری غذائیں بھی کھاتا ہے۔[۲]

## نتیجہ کلام

آیاتِ بالا میں مذکور دقیق اور ظریف نکات کو پیشِ نظر رکھ کر اُن سے بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ ہواؤں، بادلوں اور بارش کے مسائل پر نہایت ہی جچا تلا اور حساب و کتاب شدہ نظام حاکم ہے۔ اس سلسلے میں انسان جتنا زیادہ غور کرے گا اسی قدر اس کی باریکیوں، ظرافتوں، فوائد اور برکات سے بیشتر مطلع ہوتا جائے گا۔ ان آیات کے ایک حصے میں پانی کو مایۂ حیات بتایا گیا ہے کچھ آیات میں اُسے طہارت اور پاکیزگی کا ذریعہ، بعض میں بابرکت چیز (سورہ ق/ ۹) کہیں پر ایک خوشگوار مشروب قرار دیا گیا ہے (مَآءً فُرَاتًا۔ مرسلات/ ۲۷)

مجموعی طور پر ہم اس کے جس گوشے اور پہلو پر نگاہ ڈالیں، وہیں ہمیں خداوندِ عالم اور اس کی حکمت کے آثار نظر آئیں گے اور جس حصے کو بھی دیکھیں وہیں اس کے نشانات دکھائی دیں گے۔

---

[۱] کتاب ''التحقیق فی کلمات الکریم'' اور ''مصباح اللغۃ''

[۲] تفسیر فخر رازی جلد ۲۵ ص ۱۸۷

# چند ضروری وضاحتیں

## ا۔ ہواؤں کی پیدائش اور ان کے فوائد

ہوا کی پیدائش کا سرچشمہ اور اصل سبب تو وہی زمین کے دو مختلف منطقوں کے درجہ حرارت کا اختلاف ہی ہے ،جس کا ہم موسم سرما میں آسانی کے ساتھ تجربہ کر سکتے ہیں جب ہمارے کمرے کی فضا گرم ہو اور بیرونی فضا سرد ہو، جب ہم دروازے کو تھوڑا سا کھول دیں اور دو موم بتیاں جلا دیں۔ایک کو در کے اوپر اور دوسری کو نیچے رکھ دیں تو پتہ چلے گا کہ ٹھنڈی ہوا ثقیل ہونے کی وجہ سے نیچے سے داخل ہوتی ہے اور گرم ہوا ہلکا ہونے کی وجہ سے اُوپر کی طرف سے باہر نکل جاتی ہے اور موم بتی کے شعلے کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں (گرم ہوا پھیلی ہوئی اور ہلکی ہوتی ہے جب کہ سرد ہوا سکڑی ہوئی اور بھاری ہوتی ہے۔اگر ہواؤں میں یہ خاصیت نہ ہوتی اور ہوائیں رُک جاتیں تو اندازہ لگائیے کہ بنی نوع انسان پر کیا گزرتی ؟)

یہ بات بھی ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کرہ زمین پر تین منطقے ہیں ،ایک نہایت ہی سرد (قطبی علاقہ) دوسرا نہایت گرم (استوائی علاقہ )اور تیسرے معتدل (ان دونوں منطقوں کا درمیانی علاقہ ) روئے زمین پر درجہ حرارت کا یہ اختلاف ہوا کے ہمیشہ کیلئے ایک طرف سے دوسری طرف کو چلنے کا سبب بنتا ہے جن میں سے اہم ترین ہواؤں کہ ''آلیزہ'' کہتے ہیں (وہ ہوائیں جو قطبی علاقہ سے استوائی منطقہ کی طرف چلتی ہے ۔چونکہ یہ طبعی طور پر سرد ہوتی ہیں لہٰذا کرہ زمین کے قریب قریب چلتی ہے اور ان کو''کاؤنٹر آلیزہ'' کہتے ہیں (وہ ہوائیں جو استوائی منطقہ سے قطبی علاقہ کی طرف چلتی ہیں۔ چونکہ گرم ہوتی ہیں لہٰذا فضا کے بالائی حصے میں چلتی ہیں۔[1]

علاوہ ازیں جب سمندروں پر سورج کی دھوپ پڑتی ہے تو ان کا پانی ساحل کی گرمی کے مطابق گرم نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ رات کے وقت سمندر کا پانی ساحل کی نسبت جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے ۔ساحل اور سمندر کے درمیان درہ حرارت کا یہ اختلاف بھی ہمیشہ کیلئے ہواؤں کے ساحل کی طرف سے سمندر کی طرف سے ساحل کی طرف چلنے کا سبب بنتا ہے۔

ان سب وجوہات سے قطع نظر زمین کو گول ہونا بھی اس بات کا سبب بن جاتا ہے کہ زمین کے بعض منطقے (بوقت ظہر) سورج کے عین سامنے آجاتے ہیں اور بعض دوسرے منطقوں میں سورج کی شعاعیں ترچھی پڑتی ہیں۔(سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے وقت) درجہ حرارت کا یہ اختلاف بھی مختلف علاقوں میں ہواؤں کی پیدائش کا ایک عامل ہے۔(اسی طرح کئی اور پیچیدہ عوامل ہیں)۔

یہ سب عوامل مل کر اور ایک دوسرے کے پنجے میں پنجہ ڈال کر پورے کرہ زمین پر ہواؤں کو حرکت میں لاتے ہیں اور مندرجہ ذیل بہت سے فوائد کو ہمراہ لاتے ہیں جن کی طرف مذکورہ بالا آیات میں اشارہ ہو چکا ہے:

---

[1] کتاب ''اعجاز قرآن از نظرِ علوم امروز'' ص ۶۵

۱۔ ہوائیں سمندروں کی سطح پر چلنے کی وجہ سے بادلوں کو وجود میں لانے میں بڑی حد تک مؤثر ہوئی ہیں۔

۲۔ ہوائیں اپنے ساتھ بادلوں کو لے کر خشک اور بے آب و گیاہ علاقوں میں جا پہنچتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو کرہ زمین کا بیشتر حصہ خشکی کی وجہ سے جل جاتا۔

۳۔ ہوائیں فضا کو صاف اور لطیف کر دیتی ہیں اور دور دراز کے علاقوں سے ضروری آکسیجن اپنے ہمراہ لاتی ہیں۔

۴۔ ہوائیں تعفن اور بدبو کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں جس سے فضا پاک و پاکیزہ ہو جاتی ہے۔

۵۔ ہوائیں پتوں اور پودوں اور درختوں پر گرمی کے دباؤ کو کم کرتی ہیں، سبزہ جات کو جلنے سے بچاتی ہیں اور روئے زمین کے مختلف علاقوں میں فضا کو اعتدال پر رکھنے کا مؤثر ذریعہ ہوتی ہیں۔

۶۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔۔۔۔۔۔ہوائیں بادلوں کو نچوڑتی اور انہیں بارش برسانے کیلئے آمادہ کرتی ہیں۔

۷۔ ہوائیں بادلوں کو فضا کے بالائی حصوں تک ہنکا کر لے جاتی ہیں، جہاں وہ سردی کی وجہ سے بارش کے قطروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۸۔ ہوائی بادبانی کشتیوں کو سطح سمندر پر متحرک رکھتی ہیں جو حقیقت میں توانائی کے اہم منابع میں شمار ہوتی ہیں۔

۹۔ ہوائیں چکیوں کو چلانے کیلئے ہواؤں سے ہی استفادکیا جاتا ہے۔

۱۰۔ گندم کے صاف کرنے کے موقع پر ہوائیں کسانوں کیلئے مفید ہوتی ہیں کیونکہ وہ ان سے بھوسے کو علیحدہ کرنے کا کام لیتے ہیں۔

۱۱۔ ہوائیں سمندری پانی کو آپس میں ٹکراتی اور بڑی تعداد میں موجیں پیدا کرتی ہیں، یہ موجیں ہوا کی آکسیجن کو پانی میں ملاتی ہیں جو سمندر میں رہنے والی زندہ مخلوق کی زندگی کا سبب بنتی ہیں۔ اگر ہوائیں اور موجیں نہ ہوتیں تو سمندر دلدلوں میں تقسیم ہو چکے ہوتے۔

۱۲۔ آخر میں یہ کہ ہوائیں نباتات کو بارور کرتی اور نر کے سفوف کو مادہ نباتات کے سفوف میں ملاتی ہیں۔ اگر ہوائیں ایک سال ''ہڑتال'' پر چلی جائیں تو ہم پھلوں کی ایک بہت بڑی مقدار سے محروم ہو جائیں۔

یہ ہیں ہواؤں کے چلنے کی کچھ برکتیں، سائنس نے اب تک جن کو دریافت کیا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ برکتیں صرف یہیں تک ہی محدود نہیں ہیں۔ انتظار کرنا چاہیے کہ علم و دانش ابھی اور کئی رازوں سے پردے اٹھائیں گے۔ لیکن مذکورہ امور میں ہر ایک تنہا طور پر بھی ہمارے لئے کافی ہے کہ وہ خدا کے علم اور قدرت کی دلیل بن سکے، چہ جائے کہ وہ سب کس قدر رحمان اور رحیم ہے وہ ذات جو اپنے بندوں پر اس قدر مہربانی فرمائے ہوئے ہے اور کس قدر ''بابرکت'' ہے وہ ''حرکت'' کہ جب ہوا کے ذرے متحرک ہو جاتے ہیں تو وہ اس قدر مثبت اور جان بخش آثار اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں۔

## ۲۔ بادلوں کی پیدائش کے اسرار اور بارش کا نزول

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ بادل پانی کے بخارات کے وہی ذرات ہیں، یا زیادہ دقیق الفاظ میں، پانی کے وہ ذرات ہیں جن کے

مالیکیول ان سے جدا ہو چکے ہیں وہ بخارات کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ بادل اور بارش کی پیدائش کے بارے میں غور وفکر ہمیں ان کے بہت سے دلچسپ اسرار سے مطلع کرتا ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اکثر مائع چیزیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ گھولنے کے درجہ تک نہ پہنچ جائیں، بخارات نہیں بنتیں۔ لیکن استثناء پانی ایک ایسا مائع ہے جو ہر طرح کے درجہ حرارت میں بخارات بن سکتا ہے۔ اگر پانی میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو سمندر کے پانی کا ایک قطرہ بھی بخارات نہ بن سکتا اور کوئی بادل پیدا نہ ہوسکتا۔ بارش نہ ہوتی تو تمام خشکی بے آبی کی وجہ سے جل جاتی۔

۲۔ یہ بات بھی زبردست اہمیت کی حامل ہے کہ بخارات بنتے وقت صرف خالص پانی ہی بخارات بنتا ہے اور نمک اور دوسرے ذرات جو اس میں ہوتے ہیں، وہ اپنی جگہ پر باقی رہتے ہیں، یعنی ہمیشہ طبعی تصفیہ ہوتا رہتا ہے تا کہ انسان کو زیادہ سے زیادہ صاف اور خالص پانی ملتا رہے۔

۳۔ اگر فضا کا بالائی حصہ اس کے نچلے حصے سے زیادہ سرد نہ ہوتا تو فضا میں پھرنے والے سرگرداں بادل کبھی نہ برستے۔ لیکن درجوں کا یہ اختلاف بارش کے برسنے کا سبب ہوتا ہے۔ اور اگر بخارات کے ذروں کی کیفیت ٹھنڈی اور گرم ہوا میں ایک جیسی ہوتی تو بھی بارش نہ ہوتی۔ لیکن گرم فضا میں یہ قوت کم ہوتی ہے، لہٰذا بخارات کو پانی میں تبدیل کر کے نیچے بھیجتی ہے۔

۴۔ نباتات کی پرورش کیلئے ضروری پانی مہیا کرنے کے علاوہ بارش سطح زمین کو بھی دھو دیتی ہے اور ان تمام آلودگیوں کو اپنے ساتھ لے کر سمندر میں پہنچا دیتی ہے۔

۵۔ بارش فضا کو بھی دھوتی رہتی ہے اور فضا میں معلق گرد وغبار اور دوسرے ذرات کو اپنے اندر حل کر کے زمین پر لے آتی ہے۔ اگر بارش نہ برستی تو ایک عرصے کے بعد فضا اس قدر آلودہ اور غلیظ ہو جاتی کہ کسی ذی روح کیلئے سانس لینا بھی ناممکن ہو جاتا۔

۶۔ بارش پہاڑوں کے پتھروں کو آہستہ آہستہ ''حل کرتی'' رہتی ہے، ان سے استفادہ کے قابل مٹی کو وجود میں لاتی رہتی ہے اور اس مٹی کو کھلی زمینوں میں بہا کر لے آتی ہے۔

۷۔ بارش زرخیز مٹی کو دور دراز کے علاقوں سے اپنے ساتھ لے آتی ہے اور زرعی زمینوں کو طاقتور بنانے کیلئے اسے اس طرح پھیلا دیتی ہے کہ بعض علاقوں (مثلاً نیل کے ساحلی علاقوں) میں یہ نباتات کیلئے طبعی کھاد کا کام دیتی ہے۔

۸۔ بارش صرف خشکیوں ہی میں زندگی عطا نہیں کرتی بلکہ سمندروں کیلئے بھی بہت موثر ہوتی ہے۔ بعض دانشوروں کے بقول اس کا اثر خشکی سے کم نہیں ہے کیونکہ سمندروں میں بارش کے ہونے سے پانی کی موجوں کے درمیان موجود گھاس اور دوسری نباتات کی پرورش ہوتی ہے جو مچھلیوں اور بعض دوسری سمندری مخلوق کی غذا ہوتی ہے۔ چنانچہ جس سال بارش کم برسے اس سال مچھلی کے شکار کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے

۹۔ سطح زمین سے بادلوں کی بلندی روئے زمین کے بلندترین مقامات سے بھی زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے زمین کا کوئی حصہ بارش سے محروم نہیں رہتا۔

۱۰۔ پہاڑوں کے بلندترین مقامات پر درخت بھی اُگتے ہیں اور دوا اور غذا کے کام آنے والی جڑی بوٹیاں بھی۔ اسی لئے بارش ان

کے پانی کا لازمی حصہ ان تک پہنچاتی ہے۔ اگر بارش نہ ہوتی تو وہ سب سوکھ کر ختم ہو جائے۔

۱۱۔ آج بڑے بڑے ڈیم بنائے جا چکے ہیں جن سے دنیا میں کام آنے والی بجلی کا بڑا حصہ تیار کیا جاتا ہے، اور اس سے عظیم کارخانے ملیں اور فیکٹریاں چلائی جاتی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی کوہساروں پر بارش برسنے کی برکتیں ہیں۔

۱۲۔ بادلوں کی تراوش کا کچھ حصہ پہاڑوں پر برف کی صورت میں بیٹھ جاتا ہے جس کا زیادہ تر حصہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پانی کے عظیم منبع کی صورت میں جمع ہوتا رہتا ہے اور دوسرے مناطق میں بھی زیر زمین آبی ذخائر کیلئے معاون ثابت ہوتا ہے، کیونکہ برف بتدریج پگھل پگھل کر زیر زمین چلی جاتی ہے۔ لیکن اگر بارش کی بجائے ہمیشہ برف ہی پڑتی رہتی تو اوپر بتائے گئے فوائد میں سے بہت سے فوائد حاصل نہ ہو سکتے۔

۱۳۔ بادل کیا ہیں؟ آسمانوں میں معلق سمندر ہیں۔ اور کس قدر عظیم ہے وہ خدا جو کششِ ثقل کے قانون کے خلاف ان کو آسمان کی طرف بھیجتا۔ اور ایک نقطے سے دوسرے نقطے کی طرف بھیجتا ہے۔

۱۴۔ علاوہ ازیں بادل موسم سرما میں سردیوں کے کم کرنے اور موسم گرما میں گرمیوں کے کم کرنے میں نہایت ہی موثر ثابت ہوتے ہیں۔

۱۵۔ بادل مختلف برقی بار کے حامل ہوتے ہیں جو رعد و برق کی پیدائش کا سبب ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم ان دنوں کی تاثیر کے بارے میں ''رعد و برق'' کی بحث میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

مجموعی طور پر یہ دونوں چیزیں جن سے ہم بڑی حد تک مانوس ہو چکے ہیں اور انہیں عام اور معمولی سی چیز سمجھتے ہیں، نہایت ہی محیر العقول اور اسرار آمیز ہیں، ان کے اسرار میں خداوندِ عالم کی توحید ہے، عظیم آیات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور ان عظیم نشانیوں سے اس بے نشان ذات کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

## ۳۔ اسلامی روایات میں ہوا اور بارش کی حیثیت

توحید مفضل نامی مشہور حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے مفضل! میں تمہیں ہوا کے چلنے کے فوائد سے آگاہ کرتا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے جب ہوا رُک جاتی ہے تو انسان وجود میں کس قدر غم واندوہ پیدا ہو جاتا ہے، سانس سینے میں رُک جاتی ہے، تندرست آدمی بیمار اور بیمار شخص مشکل میں پڑ جاتا ہے، پھل اور میوے خراب اور سبزیاں بدبودار ہو جاتی ہیں، غلوں میں وبا اور آفات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ہواؤں کا چلنا بھی خداوندِ عالم کی تدبیر اور مخلوق کے احوال کی اصلاح کیلئے ہے۔

اگر کوئی بادشاہ اپنی رعایا میں بڑی مقدار میں سونا اور چاندی تقسیم کرے تو کیا وہ ان کے دلوں میں محبوب اور نگاہوں میں عظیم ہوگا اور اس کی شہرت ہر جگہ کے لوگوں کیلئے دور دور تک نہیں جا پہنچے گی؟ لیکن کہاں وہ اور کہاں ایک بابرکت اور وافر مقدار میں بارش، کیونکہ بارش

کے ذریعہ شہر آباد ہوتے ہیں اور غلہ جات اس قدر زیادہ ہوتے ہیں کہ روئے زمین پر موجود سونے اور چاندی کی مقدار سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔

اچھی طرح غور کرو کہ بارش کیونکہ زمین پر برستی ہے۔ خداوندِ عالم اسے اوپر سے نیچے بھیجتا ہے تا کہ سخت اور ٹھوس زمینیں نرا ور سیراب ہوں اگر بارش ایک طرف سے آتی ہے تو بلند مقامات تک نہ پہنچ پاتی اور زراعت کم ہوتی۔ اس کے علاوہ بارشیں لوگوں کے آبپاشی کے بہت سے جھگڑوں اور طاقت وروں کے غریبوں پر بہت سے ظلم کو کم کر دیتی ہیں۔

''خداوندِ عالم اسے چھوٹے چھوٹے قطروں کی صورت میں بھیجتا ہے تا کہ وہ آہستہ سے زمین میں جائیں اور سیراب کریں۔ اگر اُسے تیز رفتار دھارے کی صورت میں نازل کرتا تو زمین کے اندر جانے کی بجائے کھیتوں اور کھلیانوں کا ستیا ناس کر دیتی۔ علاوہ ازیں بارش کے برسنے سے ہوائیں مرطوب، بدن کی جلد نرم، ہوا کی آلودگی برطرف، وبا کی بیماری نابود، درختوں زراعت کی صفائی دُھلائی اور زراعت کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔''

اسی روایت کے اور حصے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اے مفضل! سوچو تو سہی کہ اس علم میں کس طرح صاف ہوا اور بارش ایک دوسرے کے پیچھے آتی رہتی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک ہمیشہ جاری رہتی تو فاسد ہو جانے کا موجب بن جاتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب بارشیں پے در پے اور حد سے زیادہ ہونے لگیں تو سبزیاں اور کھیتیاں خراب ہو جاتی ہیں، جانوروں کے بدن سست پڑ جاتے ہیں، ہوا ٹھنڈی اور انواع واقسام کی بیماریوں کا موجب بن جاتی ہے اور راستے خراب ہو جاتے ہیں اس کے برعکس اگر مطلع ہمیشہ کیلئے صاف ہوتا اور اس پر کبھی بادل کا نام ونشان نہ ہوتا تو زمین خشک ہو کر رہ جاتی، نباتات سوکھ کر جل جاتی، چشموں اور نہروں کا پانی نیچے چلا جاتا اور لوگوں کو نقصان پہنچاتا، ہوا کی خشکی کئی اور بیماریوں کو موجب بن جاتی۔ لیکن جب یہ دونوں کیفیات باری باری دنیا میں رونما ہوتی ہیں تو فضا میں اعتدال آ جاتا ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے نقصان کا ازالہ کرتی رہتی ہے اور ہر چیز روبراہ رہتی ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خداوندِ عالم بارشیں آسمان سے اتارتا ہے تا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور ٹیلوں اور گڑھوں، غرض کہ تمام مرتفع اور ہموار علاقوں تک پہنچ جائیں (اور سب کو سیراب کریں) انہیں قطرہ قطرہ اور نرم صورت میں پے در پے برساتا ہے، کبھی موٹے موٹے دانوں کی صورت میں بھیجتا ہے تو کبھی نہایت ہی خوشگوار پھوار کی شکل میں۔ تا کہ اچھی طرح زمین کے اندر چلی جائے اور اسے سیراب کرے۔ اسے سیلاب کی صورت میں نہیں برساتا کہ تمہاری زمینوں، درختوں، کھیتوں اور پھلوں کو خراب نہ کر دے۔[2]

---

[1] بحار الانوار جلد ۳ ص ۱۱۹ تا ص ۱۲۱

[2] تفسیر نور الثقلین جلد ۱ ص ۱۴۱، بحار الانوار جلد ۵۶ ص ۳۴۴ تا ص ۳۷۴ میں بھی ایسی روایات درج ہیں جن میں بادلوں اور بارشوں کی تشکیل کے بارے میں بہت سے رازوں کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۔سائنسدانوں کے جدید مطالعہ نے کئی اور نئے اسرار سے پردہ اٹھایا ہے اور بارش کے برسنے میں ہواؤں کی زبردست تاثیر کے بارے میں نئی دریافتیں واضح کی ہیں ،مندرجہ ذیل بیان جس کا ایک نمونہ ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ”بادل کی تشکیل اور بارش کے برسنے کیلئے دو شرائط ضروری ہیں ۔

(الف) فضا میں آبی بخارات کا وجود۔

(ب) بخارات سے فضا کا بھر جانا اور ان کی تقطیر کا عمل ۔“

پہلی شرط کے بارے میں یہ ہے کہ اگر چہ فضا کسی بھی وقت آبی بخارات سے خالی نہیں ہوتی اور ہوا میں نمی کا تناسب زیادہ سے زیادہ پچاس گرام فی مکعب میٹر ہوتا ہے،لیکن نمی کا یہ تناسب بادل کی تشکیل اور بارش کے برسنے کیلئے کافی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اسے امداد ملتی رہنی چاہیے، یعنی بادل کی تشکیل اور بارش کے برسنے کے بعد آبی بخارات کی حامل تازہ ہوا اسے مسلسل ملتی رہنا چاہئے ،ہوا مسلسل چلتی رہے اور اس کا مبداء یا راستہ سمندر یا انبوہِ جنگلات ہونے چاہئیں تا کہ وہ رطوبت اور نمی اپنے ساتھ کافی مقدار میں اٹھائے رکھے۔

دوسری شرط یعنی بخارات سے فضا کا بھر جانا اور ان کی تقطیر کے عمل کے بارے میں (فضا عرق آلود ہوجائے اور بخارات ،مائع صورت اختیار کرلیں ) یہ ہے کہ اس امر کیلئے ضروری ہے کہ فضا سرد ہو،جیسا کہ موسمِ سرما میں کمرے کی کھڑکیوں کے شیشے ہانڈی یا سماوار وغیرہ کے گم ہونے سے بخارات اُٹھنے سے عرق آلود ہو کر قطرے ٹپکاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

فضا کے سرد ہو کر بادل کی ایجاد اور اس کی تقطیر کا واحد موثر عامل ہوا کا اوپر کو جانا ہے یہ کیفیت تین قسم کی ہوتی ہے یا تین مقامات پر پیش آتی ہے۔جس سے ہر مقام پر خاص قسم کی بارش نازل ہوتی ہے۔

(الف) ہوا کا زمین کی چٹانوں سے ٹکرا کر پہاڑوں کے دامن سے بلندی کی طرف چلے جانا کہ اس طرح وہ کوہستانی بارشوں کو وجود میں لاتی ہے۔

(ب) دھوپ کی حدت اور گرم علاقوں سے اٹھ کر ہوا کا گرم اور ہلکا ہوجانا اور نہایت بلندی کی طرف چلے جانا کہ اس طرح وہ طوفانی بارشوں کو وجود میں لاتی ہے۔

(ج) ہوا کے دونوں بازوؤں یعنی سرد اور گرم بازوؤں کا آپس میں ٹکراؤ اور ایک دوسرے کا اوپر نیچے ہوجانا کہ اس طرح سے عام بارشیں وجود میں آتی ہیں ۔

چنانچہ بادلوں اور بارشوں کے وجود کے اسباب مذکورہ تین عوامل ہیں جن میں اہم ترین عامل آخری ہے ۔پس ہوا کا ابر و باراں کے تمام مراحل میں دخل ہے،یعنی وہ پانی کے بخارات کو اٹھا کر انہیں خشک زمینوں تک لے جاتی ہے ،پھر اوپر لے جا کر ٹھنڈا کرتی اور بادلوں کی صورت دیتی ہے ،پھر انہیں بارور کرتی ہے ،اسی لئے بادل اور بارش کا وجود ہوا کے بغیر ناممکن ہوتا ہے ، بلکہ اصول طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بادل ہوا کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے،ایسی ہوا جو پانی کی حامل ہوتی ہے۔

اس تحقیق کے ایک اور حصے میں بتایا گیا ہے کہ موسلا دھار طوفانی بارشیں ایک دوسرے پر جمے ہوئے کئی منزلہ بادلوں سے برستی ہیں

جودس کلومیٹر کی بلندی پر ہوتے ہیں، یہ پر جوش خروش بادل پہاڑوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جن کا بالائی طبقہ برف کی سوئیوں اور ٹکڑیوں سے ڈھکا رہتا ہے اور بعض اوقات اولوں سے بھی لبریز ہوتا ہے۔

پہلی جنگ عظیم سے پہلے تک کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آسمانی بادلوں میں یخ، برف اور اولے بھی ہوتے ہیں، لیکن اس جنگ کے موقع پر جب ہوائی جہاز ایسے بادلوں کے اوپر پہنچے تو پائلٹوں نے وہاں پر بلند بادلوں کی صورت میں برف کے بنے ہوئے پردے مشاہدہ کئے۔

مرطوب اور گرم شدہ ہواؤں کا انقلابی اور طبقے طبقے ہوکر اوپر کو چلے جانا، یخ زدہ بلندو بالا بادلوں کو پہاڑوں کی صورت عطا کر دیتا ہے، جن میں شدید اور موسلا دھار بارشیں بھی ہوتی ہیں اور پے در پے ظاہر ہونے والی رعد و برق بھی۔[۱]

یہ تصریحات سورۂ نور کی ۴۳ ویں آیت کی تازہ تفسیر بن سکتی ہے جن کے ذریعہ قرآنِ پاک کے ایک دلچسپ علمی معجزہ سے پردہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ'' (یعنی خداوندِ عالم آسمان سے جو پہاڑ اس میں ہیں، ان میں سے اولے برساتا ہے اور ان کے ذریعہ جن کو چاہتا ہے نقصان پہنچاتا ہے اور جن سے چاہتا ہے یہ نقصان روکے رکھتا ہے، قریب کہ اس کی بجلی آنکھوں کو لے جائے۔''

آسمان میں کون سے پہاڑ ہیں جن میں اولے ہوتے ہیں ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بہت سے لوگوں کیلئے مشکل اور پیچیدہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس بارے میں مختلف تفسیریں کی ہیں۔

لیکن مذکورہ بالا دریافت کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ بالا آیت کے لئے کسی قسم کی توجیہ، تقدیر، مجاز وغیر کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور ان تصریحات کی روشنی میں آیت کی معنی بالکل واضح ہیں۔[۲]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[۱] کتاب ''بادو باران'' ص ۵۷ تا ۶۵ (خلاصہ کے ساتھ

[۲] مزید تفصیل کیلئے تفسیر نمونہ، جلد ۱۴، اسی آیت کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

# ۱۲۔رعد و برق کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

## اشارہ

بہت کم ایسے لوگ ہیں جو رعد و برق کے اسرار کے بارے میں مطالعہ کرنے سے پہلے ان کی کسی اہمیت کے قائل ہوں ۔عام طور پر ہر شخص بڑی سادگی کے ساتھ ان کے پاس سے گزر جاتا ہے۔شاید بعض لوگ اسے فطرت کا مذاق سمجھے ہیں جب کہ بعض لوگ انہیں خرافاتی افسانے کہتے ہیں ۔لیکن حقیقت یہ کہ یہ دونوں چیزیں ایک خاص قسم کے نظر و نسق کے تحت وجود میں آتی ہیں اور انسان کیلئے کئی قسم کے آثار اور بہت بڑی حد تک برکات کی حامل ہوتی ہیں جن کی تشریح مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر میں آتی ہیں۔اس مختصر سے اشارے کے ساتھ اس بارے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل چند آیات کو گوشِ دل کے ساتھ سنتے ہیں:

۱۔۔۔وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

(روم/ ۲۴)

۲۔۔۔هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ

(رعد/ ۱۲)

۳۔۔۔وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ

(رعد/ ۱۳)

## ترجمہ

۱۔۔۔اور اس کی آیات میں سے یہ ہے کہ وہ برق (اور رعد) تمہیں دکھاتا ہے جو خوف کا سبب بھی ہے اور امید کا بھی ۔(خوف بجلی کے گرنے کا اور امید بارش کے برسنے کی ) اور آسمان سے پانی نازل کرتا ہے جس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔

۲۔۔۔وہ وہی تو ہے جو تمہیں برق دکھاتا ہے، جو خوف اور اُمید کا سبب ہے اور بھاری اور بوجھل بادل پیدا کرتا ہے۔

۳۔۔۔اور رعد اس کی تسبیح اور حمد بیان کرتا ہے اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے اور وہ صواعق (گرنے والی بجلیوں) کو بھیجتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے گرفتار کر لیتا ہے۔

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''برق'' کے بارے میں راغب اپنی کتاب ''مفردات'' میں کہتے ہیں کہ اس کے معنی وہ چمک ہے جو بادلوں سے اٹھتی ہے، پھر اس کا استعمال ہر چمک دار چیز کے بارے میں ہونے لگ گیا، مثلاً ''سیف بارق'' براق اور چمک دار تلوار کو کہتے ہیں۔

''مقائیس اللغۃ'' سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ''برق'' کے اس کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہیں یعنی کسی ایک چیز میں سفیدی اور سیاہی کا اکٹھا ہو جانا۔ لیکن بظاہر دوسرے معنی پہلے معنی کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ جب سفیدی سیاہی کے ساتھ مل جاتی ہے تو اس میں زیادہ چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات نے برق کے معنی میں شدت اور دباؤ کو بھی داخل سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''برق'' وہ مخصوص چمک ہے جو شدت اور دباؤ کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔[1]

''رعد'' کے بارے میں ''مفردات'' میں ''راغب'' کہتے ہیں کہ اس کے معنی بادلوں کی گرج ہیں۔ کنایہ کے طور پر کسی بھاری چیز کے گرنے کے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے اُسے بھی ''رعد'' کہتے ہیں۔ لیکن ''مقائیس اللغۃ'' نے اس کے اصل معنی حرکت اور بے چینی بتائے ہیں۔ لیکن لغت کی کتابوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصل معنی وہی بادلوں کی گرج ہی ہیں، دوسرے معانی حیثیت کنایہ کی ہے۔

''صواعق''، ''صاعقۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی بجلی کی وہ کڑک ہیں جو فضا میں پیدا ہوتی ہے اور جس میں کوندا بھی ہوتا ہے شدید آوازوں کے سننے کے بعد جو بیہوشی طاری ہو جاتی ہے اس وقت بھی اسی مادے کو استعمال کیا جاتا ہے اور یہ کبھی ہلاک ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض اربابِ لغت کہتے ہیں کہ ''صاعقۃ'' کے استعمال کے تین مقامات ہیں، (۱) موت (۲) عذاب (۳) آگ۔[2] لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ یہ سب اس اصلی معنی کے لوازمات سے ہیں۔

---

[1] کتاب ''التحقیق فی کلمات القرآن الکریم'' مادہ ''برق''

[2] مفردات راغب، لسان العرب اور التحقیق فی کلماتِ القرآن الکریم۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## رعد و برق کی پیدائش کے اسرار

سب سے پہلی آیت میں بڑی صراحت کے ساتھ آسمانی بجلی کو خدا کی آیت میں شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے ''ایک ایسی آیت ہے کہ جو کبھی تو خوف کے ہمراہ ہوتی ہے اور کبھی امید کے ساتھ ہوتی ہے۔'' (وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا)

ایسا خوف جو اس کی مہیب آواز کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے یہ احتمال ہوا ہے کہ اس میں مہلک گرنے والی بجلی ہے۔ اور طمع اور امید اس بات کی ہوتی ہے شاید بارش نازل ہو، کیونکہ بہت سے مواقع پر گرج اور چمک کے بعد بابرکت موسلا دھار بارش برستی ہے

شاید یہی وجہ ہے کہ اسی آیت میں فرماتا ہے کہ بُو آتی ہے، جو چند ایک معمولی اور موسلا دھار بارشوں کے بعد یوں زندہ ہو جاتی ہے اور سبزہ و گل اس میں اُگ آتے ہیں، گویا وہ پہلی زمین ہی نہیں۔ اس لئے تو آیت کے آخر میں تاکید کے طور پر فرماتا ہے۔ ''ان امور میں آیات اور نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو سوچ و بچار سے کام لیتے ہیں۔'' (وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا)

وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں کوئی عام اور معمولی نہیں ہیں جو اتفاق سے اور اچانک وجود میں آگئی ہوں۔ وہ اس میں خوب سوچتے ہیں اور ان کے اسرار و رموز سے آشنا ہوتے ہیں۔ یہی چیز اسی سلسلے کی دوسری آیت میں دوسرے الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور اس میں خدا کے آثار کے ذریعہ اس کی ذات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ فرماتا ہے ''وہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے، جو خوف کا موجب بھی ہے اور امید کا سبب بھی۔'' (هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا)

خوف تو اس کی کڑک سے ہوتا ہے اور اُمید بارش کے نازل ہونے کی، یا خوف مسافروں کو ہوتا ہے اور امید شہروں اور آبادیوں میں رہنے والوں کو۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اس کے فوراً بعد فرماتا ہے ''خداوندِ عالم سنگین بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔'' (وَیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ)

اس جملے کی وضاحت کیلئے کہا گیا ہے کہ:

''شدید طوفانوں کے ساتھ ساتھ موسلا دھار بارش فضا کے بالائی حصہ سے لے کر زمین کی قریب کی فضا کو ڈھانپ لیتی ہے، فضا تاریک ہو جاتی ہے۔ ہواؤں کا تلاطم مسلسل برق ایجاد کرتا اور اسے بے بار کرتا رہتا ہے۔ بجلی کی پے در پے گرج اور چمک زمین کو لرزہ براندام کر دیتی ہے۔ آخر کار جو بادل گہرے اور فضا کے نچلے طبقے میں ہوتے ہیں ایک دوسرے پر سوار ہو جاتے ہیں اور اوپر لے جانے والی تیز و تند ہواؤں کی وجہ سے بارش کے کثیر مقدار میں موٹے موٹے قطروں کے حامل بن کر نہایت ہی ثقیل اور بوجھل بن جاتے ہیں۔ [1]

---

[1] باد و باران ص ۱۳۸

اسی سلسلے کی تیسری اور آخری آیت میں ''رعد'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ۔''رعداس کی تسبیح اورحمد کہتا ہے ۔''(وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ)

یہ تعبیراس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ آسمانی مخلوق کوئی معمولی چیزنہیں ہے بلکہ خداوندِ عالم کے علم اورقدرت کو بیان کرنے والی چیز ہے، کیونکہ ''تسبیح'' کے معنی ہیں ہرعیب ونقص سے منزہ ومبرا سمجھنا، اور''حمد'' کے معنی ہیں ۔کمالات کے مقابلے میں اس کی تعریف ۔اس طرح سے بجلی کی گرج اورکڑک خدا کی جمالی اورجلالی صفات کو بیان کرتی ہے ۔

ممکن ہے اس کی یہ تسبیح ''زبان حال'' کے ساتھ ہو، جیسا کہ ایک اہم ایجاد ہے جواس کے موجد علم اور سمجھ کو بیان کرتی ہے، ایک دل انگیز ،شعر،شاعر کے ادبی ذوق کو بیان کرتا اوراس کی مدح وثنا کرتا ہے ، یا پھر ''زبان قال'' کے ساتھ ہو، جیسا کہ بعض مفسرین بھی اس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنے لحاظ سے عقل وشعور کا حامل ہوتا ہے اوران کی حمدوتسبیح بھی عقل وشعوراوراسی ادراک کی رو سے ہوتی ہے ۔حضرت فخررازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''بعید نہیں ہے کہ خداوندِعالم ابر کے اجزاء میں حیات، علم، قدرت اورنطق ایجاد کردے اوربجلی کی جو آواز کانوں تک پہنچتی ہے یہ اس کے اختیاری افعال میں سے ہو جس طرح پہاڑوں نے حضرت داؤدؑ کے زمانے میں اورکنکریوں نے پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خدا کی تسبیح کہی ہے۔''[1]

احتمال جو بھی ہو اس سے ہماری بحث متاثرنہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آسمانی مخلوق میں کچھ اسرار پوشیدہ ہیں جو خالق کی عظمت کے غماز اوراس کی آیات میں سے ایک آیت ہیں ۔

اصولی طور پر پانی اور بخارات نیز ان سے پیدا ہونے والے بادل ایسی چیزیں ہیں جو آگ کے مخالف ہیں ،لیکن پروردگار کی قدرت کاملہ سے اس کے اندر سے ایسی عظیم آگ پیدا ہوتی ہے جوروئے زمین کی ہرقسم کی آگ سے زیادہ جلانے والی ہوتی ہے ۔اسی طرح بخارات میں جونہایت ہی لطیف اجسام ہوتے ہیں ،لیکن ان سے ایسی آواز اٹھتی ہے جو کسی سنگین اور بھاری بھرکم چیز کے دوسرے چیز پر گرنے سے پیدا نہیں ہوتی ۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''رعد'' ہو یا ''برق'' ہرایک اس کائنات کی قابل توجہ مخلوق ہے، جن کا اچھی طرح سے مطالعہ کرنا چاہیے، ان کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اورپھر اس سے خالق کی عظمت سے آشنائی حاصل کرنا چاہئے ۔اس بارے میں وضاحتوں کی بحث میں ہم مزید تفصیل سے بات کریں گے ۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد۱۹ص۵۲

# چند وضاحتیں

## ۱۔ جدید علوم کی روشنی میں برق و رعد کی پیدائش

دورِ حاضر کے سائنس دان اس بات کے معتقد ہیں کہ آسمان پر بجلی کا کوندا اس وجہ سے وجود میں آتا ہے کہ برقی بار کے حامل دو ٹکڑے یعنی مثبت اور منفی آپس میں ٹکراتے ہیں، یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے بجلی کی دو مثبت اور منفی تاریں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان سے چنگاری یا شعلہ اٹھتا ہے۔

چونکہ برقی بار کے حامل بادلوں کے ٹکڑوں میں بہت بڑی مقدار میں بجلی ہوتی ہے، لہٰذا اس کا کوندا بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر کوندے کی آواز ہوتی ہے اور طبعی طور پر کوندا جتنا بڑا ہوگا اس کی آواز بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اسی لئے اس آسمانی کوندے کو مہیب آواز بھی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ عمارتیں ہل جاتی ہیں اور بڑے بڑے بموں کی صدا کی مانند اس کی بھی خوفناک آواز ہوتی ہے۔

لیکن یہ بجلی ہمیشہ دو بادلوں کے درمیان ہی ظاہر نہیں ہوتی جو انسانی پہنچ سے دور اور خطرے سے خالی ہوں، بلکہ بعض اوقات وہ بادل جن میں مثبت الیکٹرک سٹی ہوتی ہے، زمین کے نزدیک آجاتے ہیں۔ اور چونکہ زمین میں منفی الیکٹرک سٹی ہوتی ہے تو اس وقت ''زمین'' اور ''بادلوں'' کے درمیان میں ہی کوندا ایجاد ہوجاتا ہے اور اس کا نام ''صاعقہ'' (گر کر جلا دینے والی بجلی) ہوتا ہے جو بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ ایک تو اس سے اس علاقہ میں زبردست لرزہ پیدا ہوتا ہے، دوسرے اس میں اس قدر شدید اور حد سے بڑھ کر حرارت ہوتی ہے جہاں پر گرتی ہے اسے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔[۱]

چونکہ الیکٹرک سٹی ہمیشہ اجسام کی نوک سے خارج ہوتی ہے لہٰذا جنگلوں اور بیابانوں میں جہاں پر صاعقہ پیدا ہوتی ہے وہاں اس کا شعلہ چیزوں کے بلند حصوں مثلاً درختوں، بلندترین شاخوں حتیٰ کہ راہ چلتے انسانوں کے سروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لئے جب فضا کا ماحول طوفانی بن چکا ہو۔ اور فضا رعد و برق سے بھر چکی ہو تو کھلی زمین اور بیابانوں میں ٹھہرنا بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر گڑھوں، درختوں کے نزدیک، پہاڑوں کے نچلے حصے اور ٹیلوں کے نیچے پناہ لینے سے کسی حد تک خطرہ کم ہوجاتا ہے۔ (البتہ درختوں یا آہنی کھڑکیوں وغیرہ سے ٹیک لگانا بھی خطرناک ہوتا ہے) مندرجہ بالا وضاحت سے برق کے خطرات اور خوف کے اسباب جن کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے بخوبی واضح ہوجاتے ہیں۔

---

[۱] اگرچہ صاعقہ کی مدت 10/1 سیکنڈ بلکہ بسا اوقات 100/1 سیکنڈ ہوتی ہے لیکن چونکہ اس سے پیدا ہونے والی حرارت ۱۵۰۰۰ درجے سینٹی گریڈ تک جا پہنچتی ہے، لہٰذا اس سے زبردست اور حد سے زیادہ خطرات پیدا ہوسکتے ہیں، جب کہ سورج کی حرات صرف آٹھ ہزار سینٹی گریڈ درجے تک ہوتی ہے۔ (کتاب ''اعجاز قرآن'' ص ۷۸

## ۲۔رعدوبرق کےفوائد

رعدوبرق کے جوخطرات اُوپر بیان ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ ان دونوں کےفوائدبھی بہت زیادہ ہیں جن میں سے چندایک کو یہاں پر بیان کیاجا تاہے۔

## الف: آبپاشی

بجلیاں عام طور پرحد سے زیادہ حرارت پیدا کرتی ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات تو وہ پندرہ ہزاردرجہ سینٹی گریڈ کی حدتک جاپہنچتی ہیں۔یہ حرارت اطراف کی فضائی حدودکوجلادینے کیلئے کافی ہوتی ہےجس کانتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا کا دبادفوراً کم ہوجا تاہےاورہم جانتے ہیں کہ ہوا کے کم دباؤہی میں بادل برستے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عموماًبجلی کےکوندے کےفوراًہی بعدموسلادھار بارش شروع ہوجاتی ہے۔موٹے موٹے قطروں کی صورت میں بادل برسنا شروع ہوجاتے ہیں اورآبپاشی کےاسباب فراہم ہوجاتے ہیں۔

## ب: زہرپاشی

جب بجلی اپنی اس حرارت کےساتھ آشکارہوتی ہےتوبارش کےقطروں میں اضافی آکسیجن کا کچھ حصہ مل جاتا ہےاور بھاری پانی OXIEGENATED وجودمیں آجاتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ بھاری پانی کی خصوصیات میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اجراثیم کوختم کردیتا ہے۔اسی لئے اسےطبی مصارف میں زخموں کے دھونے کیلئے کام میں لایا جاتا ہے۔اورجب OXIEGENATED پانی کےقطرے زمین پر پڑتے ہیں تووہ نباتات کیلئے وجود میں آنے والی آفتوں اور بیماریوں کےتخم کوہی ختم کردیتے ہیں۔اس طرح یہ زہریلی دواؤں کا کام دیتے ہیں۔اسی لئےتو کہتے ہیں کہ جس سال رعدوبرق کم ہواس سال نباتات کی آفتیں زیادہ ہوتی ہیں۔

## ج: غذااورکھادکا کام

برق اوراس کی شدیدحرارت، نیزخصوصی ترکیب کی بناپربارش کے قطرے کاربن ڈائی آکسائیڈکی حالت پیداکردیتے ہیں۔ پھرجب وہ زمین پرپھیلتے اوراس سے مل جاتے ہیں تونباتات کے لئے ایک قسم کی موثرکھادکی صورت اختیارکرلیتے ہیں،جس سے نباتات اپنی غذاکا کام لیتی ہیں۔بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ کرہ زمین میں ایک سال میں برق سے پیداہونے والی کھادکی مجموعی مقدارکئی لاکھ ٹن بنتی ہے۔اوریہ تعداداورمقداربہت زیادہ ہے۔

بنابریں معلوم ہوا کہ یہ چیزجوظاہراًعام اورمعمولی سی ہےاوربظاہر بےخاصیت ہے،کس قدرمفیداوربابرکت ہے،آبپاشی کیلئے بھی اورغذارسانی کیلئے بھی۔یہ اس عالمِ ہستی کے وسیع اورحیرت ناک اسرارمیں سے ایک مختصرسانمونہ ہے جوخداشناسی کی راہوں کی رہنمائی کرنے کےقابل ہوسکتا ہے۔

یہ سب برکتیں ہیں برق کی ،لیکن ادھراس کی ایک قسم یعنی صاعقہ سے آگ لگنے کا عمل بھی وجود میں آتا ہے جو ممکن ہے کہ کبھی انسان یا انسانوں یا زراعت اور درختوں کو جلا دے، ہر چند کہ یہ اتفاق بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔عام طور پر اس سے بچا بھی جا سکتا ہے لیکن خوف اور ڈر کا موجب تو بن سکتا ہے۔اس طرح جو ہم نے مندرجہ بالا آیت میں پڑھا ہے کہ برق موجب خوف بھی ہے اور باعثِ امید بھی، ان تمام امور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

نیز ممکن ہے کہ ''وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ'' کا جملہ جو آیت بالا کے آخر میں میں آیا ہے، برق کی اسی خاصیت کے ساتھ مربوط اور متعلق ہو کہ برق بادلوں کو بارش کے قطرات سے سنگین بھی بنا دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# ۱۳۔سمندروں اور کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

## اشارہ

ہم جانتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی پر مشتمل ہے اور چھوٹے بڑے سمندر سب ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ نیز یہ بھی جانتے ہیں کہ انسان سمندروں کے ذریعہ قدیم الایام سے نقل وحمل اور بار برداری کا کام لیتا آ رہا ہے۔اس کے علاوہ اشائے خوردنی اہم حصہ بھی سمندروں اور دریاؤں سے حاصل ہوتا ہے،اسی طرح صنعتوں میں کام آنے والا بہت سا مواد بھی ۔ان سب باتوں سے قطع نظر بادلوں کی ایجاد اور خشکیوں کی سیرابی کے بارے میں سمندروں کے تعلق سے تو کوئی بھی بے خبر نہیں ہے۔اسی طرح سمندروں جانوروں اوران کی مختلف محیر العقول اقسام تقریباً سب ہی کو معلوم ہیں۔

یہی وجوہات ہیں کہ قرآنِ مجید نے سمندروں ،دریاؤں اور کشتیوں کو حق کی آیات میں شمار کیا ہے اور انسانوں کو ان کے اسرار کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔

اس مختصر سے اشارے کے ساتھ اسلسلے میں نازل ہونے والی کچھ آیات کو دل کے کانوں سے سنتے ہیں:

۱۔۔۔وَهُوَالَّذِىْ سَخَّرَالْبَحْرَلِتَاْ كُلُوْامِنْهُ لَحْمًاطَرِيًّاوَّتَسْتَخْرِ جُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَاوَتَرَ ى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْامِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(نحل/ ۱۴)

۲۔۔۔وَمَايَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ هٰذَاعَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ كُلِّ يَاْكُلُوْنَ لَحْمًاطَرِيًّاوَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(فاطر/ ۱۲)

۳۔۔۔اَللّٰهُ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَالِتَجْرِىَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(جاثیہ/ ۱۲)

۴۔۔۔وَمِنۡ اٰیٰتِهِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡكِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهۡرِهٖ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ

(شوریٰ/۳۲/۳۳)

۵۔۔۔اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡكَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمۡ مِّنۡ اٰیٰتِهٖ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ

(لقمان/۳۱)

۶۔۔۔اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔۔۔۔۔۔۔۔۔وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ۔۔۔۔۔لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ

(بقره/۱۶۴)

۷۔۔۔رَبُّكُمُ الَّذِیۡ یُزۡجِیۡ لَكُمُ الۡفُلۡكَ فِی الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِیۡمًا

(اسرا/۶۶)

## ترجمه

۱۔۔۔وہ وہی ہے جس نے سمندر کو (تمہارے لئے) مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور پہننے کیلئے زینت کے وسائل اس سے باہر نکالو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر کے سینے کو چیرتی ہیں تا کہ تم (تجارت کرو اور) خدا کے فضل سے بہرہ برداری کرو، ہوسکتا ہے کہ اس طرح سے اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔

۲۔۔۔یہ دو سمندر ایک جیسے نہیں ہیں۔ یہ وہ سمندر ہے جس کا پانی شیریں اور جس کو پینا خوشگوار ہے اور یہ جو نمکین اور کڑوا ہے (لیکن) تم دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور زینت کے وسائل اس سے باہر نکالتے اور پہنتے ہو۔ اور اس میں تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی (ہوئی آگے بڑھتی رہتی) ہیں تا کہ تم فضلِ خدا سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ اور شاید اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔

۳۔۔۔خداوندِعالم وہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ اس کے فرمان کے مطابق اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کے فضل سے اپنا حصہ حاصل کر سکو اور شاید اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔

۴۔۔اس کی نشانیوں میں سے وہ کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی مانند سمندوں میں رواں دواں ہیں۔اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے اور وہ پشتِ سمندر پر رُک جائیں،اس میں ہر صبر کرنے اور شکر کرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں۔

۵۔۔۔کیا تو نے کشتیوں کو نہیں دیکھا کہ وہ خدا کے حکم سے سمندروں میں اس کی نعمت کی برکت سے چل رہی ہیں۔وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنی آیات کا کچھ حصہ دکھائے اور اس میں ان لوگوں کیلئے آیات اور نشانیاں ہیں جو صابر اور شکر گزار ہیں۔

۶۔۔۔آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات و دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کیلئے حرکت کر رہی ہیں (اس کی ذات پاک اور توحید) ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں اور سوچ و بچار سے کام لیتے ہیں۔

۷۔۔۔تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہارے لئے کشتیوں کو سمندروں میں چلاتا ہے تاکہ تم اس کی نعمت سے بہرہ حاصل کرو،وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ مہربان ہے۔

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''بَحر'' کے بارے میں ''راغب'' اپنی کتاب ''مفردات'' میں کہتے ہیں کہ اس کے اصل معنی ہر وہ کھلی جگہ ہے جہاں پر پانی فراوانی کے ساتھ جمع ہو، پھر بطور کنایہ کے ہر وسیع شے کو ''بحر'' کہتے ہیں۔ ''متبحر'' اور ''مستبحر'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کا علم وسیع ہو۔جب شدید بیماریوں میں ناگہانی طور پر تبدیل آجائے تو طبیب لوگ اسے ''بحران'' کہتے ہیں۔(پھر بحران کا لفظ دوسرے شدید حادثات پر بھی بولا جانے لگا ہے) بعض لوگوں نے نمکین ہونے کو بھی ''بحر'' کے مفہوم میں داخل سمجھا ہے جب کہ بحر کا اطلاق میٹھے پانی کے دریاؤں پر ہوتا ہے۔[1]

''فُلک'' (بروزن قُفل) کا معنی کشتی ہے اور یہ لفظ مفرد،جمع ، مذکر اور مونث پر یکساں بولا جاتا ہے۔''فلک'' (بروزن فدک) کا لفظ جس کے معنی ستاروں کی حرکت کا مقام اور مدار ہیں، وہ بھی اسی مادہ سے لیا گیا ہے۔

''جواری'' ، ''جاریہ'' کی جمع ہے جو دراصل ''جری'' یعنی جلدی سے گزر جانا کے مادہ سے لیا گیا ہے۔''جاریہ'' ان کشتیوں کو کہتے

[1] صحاح اللغۃ،مقائیس اللغۃ،مفردات راغب،مجمع البحرین اور لسان العرب۔

ہیں جو سمندروں اور دریاؤں میں چلتی پھرتی ہیں لغتِ عرب میں نوجوان لڑکیوں کو بھی ''جاریہ'' کہتے ہیں کیونکہ ان کے مکمل وجود میں جوانی کی نشاط جاری اور ساری ہوتی ہے۔ کتاب ''مصباح المنیر''میں آیا ہے کہ کنیز پر ''جاریہ'' کے لفظ کا اطلاق اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے مولا کے فرمان کے مسخر ہے اور اس کے حکم کی بجا آوری کیلئے ہمیشہ جاری وساری رہتی ہے۔ سورج، دھوپ، اور چلتے پھرتے ستاروں پر بھی ''جاریہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔

''مواخر''،''ماخرۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی کشتی ہیں۔ ''مخر''(بروزن فخر) سے لیا گیا ہے، جس کے معنی زمین میں پانی کی بیشتروی اور اُسے چیر کر آگے بڑھانا ہیں۔ اسی طرح کشتی کے سینہ کے ذریعہ پانی کو دائیں اور بائیں طرف چیرنے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور ہواؤں کے چلنے کی آواز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب پہلے معنی کے لوازمات سے ہیں۔[1]

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## سمندر اور اس کے عجائبات

سب سے پہلی آیت خداوندِ عالم کا تعارف کراتے ہوئے کہتی ہے ''وہ وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لئے مسخر کر دیئے ہیں''(**وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ**)

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اپنے تمام وجود کے ساتھ انسان کی خدمت میں ہے اور ہے بھی ایسا ہی زندگی کی سب سے پہلی کونپل سمندر ہی سے پھوٹی اور آج بھی وہی سمندر انسان کی مختلف، اہم ضروریات اور اس کی زندگی کو برقرار رکھنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اسی آیت کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے تین موضوعات پر زیادہ تاکید کی گئی ہے پہلا یہ کہ انسان سمندر سے تازہ گوشت حاصل کرتا ہے۔(**لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا**)

بڑی مقدار میں گوشت جس کی پرورش کی تم نے کوئی زحمت نہیں اٹھائی اور روئے زمین کے بہت سے مقامات پر انسان کے پاس مکمل طور پر تازہ صورت میں پہنچ جاتا ہے۔ اس گوشت کی تازگی کے علاوہ اس کی زبردست لطافت کا ذکر مچھلی کے گوشت کی طرف اشارہ ہے جو اس نکتہ کی یاددہانی کر رہا ہے کہ اس دور میں تازہ گوشت کے حصول میں مشکلات اور دشواریوں کی وجہ سے پرانے گوشت کو استعمال کرتے تھے۔ اسی لئے یہ نعمت ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ موجودہ دور میں بھی کئی دوسرے لحاظ سے پُرانا اور یخ زدہ گوشت بڑی مقدار میں موجود ہے۔ اسی لئے اس تعبیر کی اہمیت بھی نہایت مناسب ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعبیر نمکین اور کڑوے پانی میں لطیف اور خوش ذائقہ گوشت کی آفرینش خداوندِ عالم کی قدرت نمائی

---

[1] مفرداتِ راغب، مصباح المیز ان، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم اور لساب العرب

کی طرف اشارہ ہے۔[1]

''لحم''( گوشت ) کی تعبیر ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ مچھلی کا اکثر و بیشتر حصہ گوشت پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں ہڈی بہت کم ہوتی ہے، جب کہ دوسرے جانوروں میں ایسا نہیں ہوتا۔ پھر اس بات کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے کہ عصرِ حاضر میں غذائی مواد کی کمی کی وجہ سے انسان کی خوراک کیلئے مچھلی سے استفادہ کی طرف زیادہ توجہ جارہی ہے تو اس خدائی نعمت کی اہمیت اور واضح ہو جاتی ہے۔ سمندر کا دوسرا فائدہ یہ بتایا ہے کہ اسے زیب و زینت اور آرائش کے وسائل اور مخصوص جواہر نکالے جاتے ہیں۔(وَتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا)

گویا فرماتا ہے: غذائی مواد جیسی ضروری چیزوں سے لے کر غیر ضروری اور زینب کی چیزوں تک سمندر سے حاصل کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔

سمندر کے تیسرے فائدے کے بارے میں پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔'' آپ کشتیوں کو دیکھیں گے کہ سمندر کے سینے میں پانی کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔''(وَتَرَى الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِيۡهِ)

خداوندِ عالم نے یہ نعمت تمہیں عطا کی ہے تاکہ تم اس فضل وکرم سے بہرہ برداری کرو۔ شاید اس کی نعمت کا شکر ادا کرسکو۔ (وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ)

کشتیوں سے چھوٹے اور بڑے سمندروں میں تجارت کا مال اٹھانے اور انسانوں کے سفر کیلئے سلسلہ وار چند امور ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہوں گے تو کہیں جا کر ان سے یہ استفادہ کیا جاسکے گا۔ بھاری اور ہلکے مواد پر کچھ کیفیتیں اور قوانین حکم فرما ہیں جن کی وجہ سے کشتیاں پانی پر برقرار رہ سکیں، پانی کی لرزش، منظم ہوائیں جو سمندروں کی سطح پر چلتی ہیں اور سمندروں کی کافی حد تک گہرائی، غرض اسطرح کے اسباب اکٹھے ہوں تاکہ غول پیکر کشتیاں (اور جہاز) پانی سطح پر چل سکیں موجودہ دور کے جہاز جو بھاپ کی طاقت سے سمندروں میں چلتے ہیں ،انسانی مصنوعات کے اہم شاہکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان میں سے بعض تو پورے ایک شہر کی وسعت کے حامل ہوتے ہیں اور جو کام لاکھوں موٹر گاڑیاں انجام دیتی ہیں وہ تنہا اُسے بجالاتے ہیں (پانچ لاکھ ٹن کا وزن اٹھانے والے جہاز دس ٹن کی حامل پچاس ہزار موٹر گاڑیوں کا اسباب اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں!!!)

یہ بات ایک طرف اُدھر دوسری طرف غذائی ،آرائشی اور دوسرے قسم کے مواد کی بات اور ہے جو اس کے علاوہ ہے۔ یہ سب خالقِ کائنات کے علم اور قدرت کی روشن دلیل ہیں کہ اس نے یہ سب نعمتیں مفت میں انسان کو عطا فرمائی ہیں۔

دوسری آیت مین وہی تینوں نعمتیں بیان کی گئی ہیں جو اس سے پہلی آیت میں ذکر کی جا چکی ہیں (تازہ گوشت ،زینت کے وسائل اور سطح سمندر و پر کشتیوں کی آمدورفت) اور اس بات پر ایک بار پھر زور دیا گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس آیت کے آغاز میں نمکین اور میٹھے سمندروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے'' یہ دو سمندر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان میں سے ایک کا پانی شیریں اور اس کا پینا خوشگوار ہے۔ اور وہ

---

[1] روح المعانی جلد ۱۴ ص ۱۰۲

دوسرا نمکین اور کڑوا ہے جو حلق سے نیچے نہیں اتر پاتا۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔'' (وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ)

اگر چہ روئے زمین کے اکثر سمندر، کڑوے اور شورزدہ ہیں لیکن میٹھے پانی کے سمندر، بحیرے اور جھیلیں بھی کم نہیں جن کا نمونہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں دیکھا جا سکتا ہے اور ان سے استفادہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے دریا بھی ہیں جن کا پانی سمندر کے شورزدہ پانی میں گرتا ہے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے جو کافی مدت تک اس سے نہیں مل پاتا اور عملی طور پر میٹھے پانی کا ایک سمندر بن جاتا ہے۔ جب مدوجزر کا موقع ہوتا ہے تو یہ پانی ساحل کی زمین کے وسیع رقبے کی آبپاشی کا کام دیتا اور بڑے بڑے باغات اور زرعی زمینوں کی پرورش کرتا ہے۔

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں'' دو دریاؤں کے میٹھے اور کڑوے پانی کے ذریعہ مومنین اور کفار کی طرف اشارہ اور تمثیل بیان کی گئی ہے لیکن آیات کے لب ولہجہ پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد صفحۂ گیتی پر موجود خالق کا شاہکار بیان کرنا ہے۔

تیسری آیت میں انسان کیلئے سمندروں کے مُسخر کرنے کی بات ہے، ارشاد ہوتا ہے۔ (اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ)

لیکن سمندر وکی مختلف برکات میں سے صرف ایک بات کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے کشتی رانی کا مسئلہ جس کی طرف پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے۔ چوتھی آیت میں ان بڑی بڑی کشتیوں کو خدا کی عظیم آیات میں شمار کیا گیا ہے جو پہاڑوں کی مانند سطح سمندر پر ظاہر ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔'' (وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ)

کس نے ان سمندروں کو اس قدر وسعت، گہرائی اور خصوصیات کے ساتھ خلق فرمایا ہے؟ کس نے لکڑی اور لوہے کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ صفحہ آب پر ثابت اور برقرار رہیں؟ اور کس نے ہواؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ منظم صورت میں صفحۂ سمندر پر چلیں اور انسان کو ایک نقطے تک جا پہنچنے اور لاکھوں کروڑوں کی ثروت و دولت کو سمندروں کے ذریعہ جابجا کرنے کی اجازت دی ہے؟ کیا یہ پختہ اور محکم نظام، اسی طرح وہ نظام جو بخارات اور بجلی کی توانائی پر حکم فرما ہے، پروردگارِ عالم کے علم وحکمت کی روشن دلیل نہیں ہے؟

اس مقام پر قرآنِ مجید نے بڑی بڑی کشتیوں کو'' اعلام'' سے تشبیہ دی ہے۔'' اعلام''، '' علم'' (بروزن قلم) کی جمع ہے جو دراصل (مفردات میں راغب کے بقول) اس اثر کے معنی میں ہے کہ جس کے ذریعہ کس چیز کا علم حاصل ہو جائے، جیسے وہ نشانات جو راستوں میں لگائے جاتے ہیں، یا لشکر کے جھنڈے وغیرہ۔ پہاڑ کو اسی لئے علم کہتے ہیں کہ وہ ایسا روشن نشان ہوتا ہے۔ جو دُور سے دیکھا جاتا ہے اور عظیم کشتیوں کو پہاڑ سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ پہاڑ کی مانند وہ بھی دُور سے ظاہر ہوتی ہے۔ مزید اربات یہ ہے کہ قرآن اسی آیت کے اندر کہتا ہے۔'' اگر خدا چاہے تو ہوا کو روک دے تاکہ کشتیاں سمندر کی سطح پر رُک جائیں۔'' (إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ)

یا اگر چاہے تو ہواؤں کو اس قدر نامنظم اور درہم برہم کر دے کہ صرف یہی نہیں کہ کوئی کشتی منزل مقصود تک نہ پہنچ پائے، بلکہ وہ سمندر میں الٹ کر غرق ہو جائے۔ اسی لئے آیت کے آخر میں ایک بار پھر تاکید کے طور ارشاد فرماتا ہے۔'' اس امر میں صبر وشکر کرنے والوں کیلئے

نشانیاں ہیں۔"(اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ)
وہی لوگ جو صبر و حوصلے کے ساتھ ان آفاقی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور جب حقیقت کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں تو پھر شکر گزاری کے مرحلہ تک جا پہنچتے ہیں اور حق کے باعظمت آستانے پر اپنی جبین جھکا دیتے ہیں۔
پانچویں آیت میں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ سمندروں میں کشتیوں کی حرکت کو خداوندِ عالم کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے، البتہ قدرے فرق کے ساتھ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔"اس نعمت کے عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا تمہیں اپنی بعض آیات دکھائے۔"(لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ)
نیز اسی وجہ سے چھٹی آیت میں جہاں پر حق تعالیٰ کی نشانیوں میں سے سات آیات کا ذکر کیا ہے اور تیسری آیت اور نشانی ان کشتیوں کو بتایا ہے جو سمندروں میں انسان کے مفادات میں چلتی پھرتی رہتی ہیں۔(وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ)
اسی آیت کے آخر میں تاکید کے ساتھ فرماتا ہے کہ ان امور میں خداوندِ کریم کی پاک ذات اور اس کی توحید کی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"(لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ)
ساتویں آیت میں خداوندِ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت کو بیان فرماتے ہوئے کہتا ہے۔"تم بتوں کے پیچھے مت بھاگو، کیونکہ وہ تمہارے خدا نہیں ہیں۔ بلکہ"تمہارا پروردگار وہ ہے جو سمندر میں تمہارے مفادات کی خاطر آرام سے اور ہمیشہ کیلئے کشتیوں کو چلاتا ہے۔"(رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ)
یہاں پر ایک نئی تعبیر کا سامنا کر رہے ہیں۔"یُزجی""ازجاء" کے مادہ سے ہے۔ جس طرح کہ "مصباح اللغۃ" میں آیا ہے، اس کے معنیٰ "کسی چیز کو آہستہ آہستہ آرام آرام سے اور نرمی کے ساتھ چلانا" ہیں۔"مقائیس اللغۃ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنیٰ "ہمیشہ چلانا" ہیں۔ سطح سمندر پر کشتیوں کے چلنے میں یہی دونوں نکتے قابلِ توجہ ہیں، خاص کر بادبانی کشتیوں کے بارے میں عام طور پر ہوائیں ہمیشہ کیلئے کشتیوں کو نرمی اور استمرار کے ساتھ متحرک رکھتی ہیں۔ اگر ہواؤں میں شدید اتار چڑھاؤ ہوتا یا ان میں دوام و استمرار نہ ہوتا تو کشتیوں میں زبردست ہچکولے پیدا ہوتے اور وہ مستقل طور پر شدید لرزوں کی زد میں رہتیں، یا پھر سمندر کے درمیان میں ہی متوقف اور پریشان رہتیں۔ قرآن کی یہ تعبیر اس خدائی آیت کے نئے رازوں کا انکشاف کر رہی ہے۔
پس اس طرح مندرجہ بالا تمام آیات سے سمندروں کی تخلیق کے مختلف فوائد معلوم ہو جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک فائدہ آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت ہے، خصوصاً سمندروں کی سطح پر کشتیوں کی حرکت۔ ہمیشہ کسی نعمت کی اہمیت کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ ہاتھ سے چلی جائے۔ چنانچہ اگر سمندر نہ ہوتے تو صرف سمندروں کے راستے سے نقل و حمل ہونے والا مال ہی اپنی جگہ پر نہ پڑا رہتا بلکہ غذائی، صنعتی اور زینتی مواد کی بہت بڑی مقدار بھی حاصل نہ ہو پاتی۔ پھر ان سب سے بڑھ کر نہ تو کوئی بادل اٹھتا اور نہ کوئی بارش ہوتی، اور خشک اور بھسم کر دینے والی ہوائیں چلتی رہتیں جو زندہ موجودات کا ستیاناس کرتی رہتیں۔

# چند ضروری وضاحتیں

## ا۔مختلف نعمتوں کا گھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سمندر

جب سمندروں کا وجود عمل میں آیا اس وقت کوئی شخص موجود نہیں تھا کہ اسے معلوم ہوتا کہ وہ کس طرح وجود میں آئے ہیں۔لیکن سائنسدانوں اور دانشوروں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارا یہ خاکی کرہ گرم اور جھلسا دینے والے سورج سے جُدا ہونے کے بعد بھی گرم رہا اور پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوا۔اس کی پوست ایک پکے ہوئے اور خشک سیب کی پوست کی مانند ہوگئی جس میں سلوٹیں بھی ہیں،دراڑیں بھی ہیں۔نشیب وفراز ہیں اوراس میں پہاڑ اور سمندر ظاہر ہو گئے۔

ممکن ہے یہ سوال پیدا ہو کہ سمندروں کا پانی کہاں سے وجود میں آیا؟ یہاں دوطرح کے نظریئے ہیں۔بعض لوگ اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ پانی کرہ زمین کی گہرائیوں میں موجود آکسیجن اور ہائیڈروجن کے مل جانے کی وجہ سے تشکیل پایا اور پھوٹ پھوٹ کر نکلنے والے چشموں کی مانند زمین سے باہر آیا جیسا کہ آج بھی باہر آرہا ہے۔پھر بتدریج قشرِ زمین کی پستیوں کو اُس نے پُر کر دیا۔

لیکن زیادہ مشہور نظریہ یہ ہے کہ کرہ زمین کے آسمان کو گھرے بادلوں نے ڈھانپا ہوا تھا۔جب وہ سرد ہوئے تو سیلابی بارشوں کی صورت میں زمین پر برس پڑے،ہزاروں سال تک برستے رہے اوراس کرہ ارضی کو طوفانوں نے اس حد تک اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ جس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔اس سے سمندر وجود میں آ گئے۔البتہ ایک لمبے عرصے تک ان کے بےنظیر تلاطم بھی سمندروں کی گہرائیوں،چٹانوں اور ساحلوں کو گھساتے رہے اس کے بعد بتدریج ان میں سکون آتا گیا اور آج موجودہ صورت میں موجود ہیں۔

بہر حال سمندروں کی تاریخ بہت پرانی اور اسرار سے بھری ہوئی ہے۔لیکن اسے بھی زیادہ اہم ان کی برکتیں اور مفادات ہیں جو انسان کو ان سمندروں سے حاصل ہوتے ہیں۔ہم اس جگہ فہرست وار ان میں سے چند ایک کو بیان کرتے ہیں۔ان کی تشریح اس مختصر بحث سے خارج ہے۔

### ا۔کشتی رانی

انسانی نقل وحمل اور تجارتی مال کے جابجا لے جانے میں سمندروں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انسانوں کیلئے حمل ونقل کا اہم ترین ذریعہ یہی سمندر ہیں،خصوصاً جب کہ سمندری راستے طبعی طور پر روئے زمین کے تمام نقاط تک جا پہنچتے ہیں۔ضروری ہے کہ ہم اس حقیقت کی طرف توجہ کریں کہ آج کے دور میں ایسے غول پیکر جہاز بھی تیار ہو چکے ہیں جو پانچ لاکھ ٹن تیل اپنے اندر لاد کر دنیا کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک پہنچاتے ہیں ، جب کہ اس قدر وزن اٹھانے کیلئے بیس ٹن کا بوجھ اٹھانے والی ۲۵ ہزار موٹر گاڑیاں درکار ہوتی ہے۔

## ۲۔کھانے پینے کا مواد

سمندروں کے اہم ترین فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اس سے اپنے کھانے پینے کا مواد حاصل کرتا ہے۔اس موضوع کی اہمیت کیلئے بس اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ہر سال ۲۶ ملین (دوکروڑ ساٹھ لاکھ) ٹن مچھلی سمندروں سے پکڑی جاتی ہے۔یہ اعداد وشمار آج سے تقریباً تیس سال پہلے کے ہیں اور یقینا آج یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوچکی ہے۔نہ صرف انسان بلکہ بہت سے پرندے بھی اپنی غذا سمندروں اور دریاؤں سے حاصل کرتے ہیں جو خشکی میں پیدا ہونے والی غذا کی بچت کا سبب ہے۔

بعض سائنسدانوں کے حساب کے مطابق صرف وہ پرندے جو ساحلی علاقوں یا چٹانوں والے جزائر میں رہتے ہیں کہ آج کے دور میں پولٹری فارموں (مرغی خانوں) کی غذا کا عمدہ حصہ سمندری مچھلی ہڈیوں سے یا خود مچھلیوں سے تیار کیا جاتا ہے اور پھر بالواسطہ طور پر یہ انسان کی غذا بنتی ہیں۔

## ۳۔گھاس اور دوا کی جڑی بوٹیاں

سمندر کے ہر ایک ہیکٹر سے پانچ سوٹن سبز گھاس حاصل ہوتی ہے جب کہ یہ زمین کے بہترین حصہ سے چارٹن سے زیادہ حاصل نہیں ہو پاتی۔بعض ملکوں میں یہ گھاس جانوروں کو بھی کھلاتے ہیں اور اس کی خاکستر سے زمین کی کھاد کا کام لیتے ہیں۔سمندری گھاس سے مختلف مواد حاصل ہوتے ہیں، مثلاً جامد الکوحل، سیلز، نشاستہ اور GELATIN (JELLY) جو کیمیکل صنعتوں اور غذاؤں (اور بعض دواؤں) کے کام آتے ہیں۔

## ۴۔معدنیات اور تیل کے ذخائر

سمندر، معدنیات سے سرشار علاقہ ہے۔ان معدنیات کا کچھ حصہ سمندر کی گہرائیوں میں ہے جب کہ ان کا اہم حصہ سمندر کے پانی پر تیر رہا ہے، معدنیات میں سے جن دھاتوں کو سمندر کے پانی سے نکالا جاسکتا ہے ان میں سے ایک MAGNESIUM میگنیزیم ہے، جو صنعتوں کے کام آتی ہے۔اسی طرح پوٹاشیم POTASSIUM، برم BOTANIST اور سوڈیم سلفیٹ SODIUM SULPHATE وغیرہ ہیں۔

سائنسدان کہتے ہیں کہ چالیس عناصر سے زیادہ (علاوہ اس کے جو بتائے گئے ہیں) سمندر کے اندر موجود ہیں، جو مصنوعات میں استعمال ہوتے ہیں، حتیٰ کہ سونا بھی ملتا ہے، اگر چہ ابھی ان میں سے بہت سی دھاتوں کے نکالنے پر سنگین اخراجات اٹھتے ہیں جو نا قابلِ برداشت ہیں۔ہوسکتا ہے کہ یک دن ایسا آئے کہ انسان ایسی دھاتوں کو مختصر سے اخراجات کے ساتھ نکال سکے۔بعض بڑی بڑی کمپنیاں سمندر کے معدنی مواد سے پانچ سو سے زیادہ مختلف چیزیں تیار کرتی ہیں جب کہ سمندر کے پانی میں کروڑوں اربوں ٹن معدنی مواد موجود ہیں۔

اصولی طور پر تیل جو نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے، اس کا شمار بھی سمندر کے تحفوں میں ہوتا ہے، کیونکہ زیادہ قدیم میں اربوں سمندری

جانور سمندر کے عظیم علاقے میں اکٹھا ہوئے اوران کے اوپر براعظموں کا جودعمل میں آگیا۔ریت اورمٹی کے ٹیلے بنے جو پہاڑوں کی شکل اختیار کر گئے۔وہ اس میں دب کررہ گئے اور جو تیل حاصل ہورہا ہے وہ زمین کی گہرائیوں میں باقی رہ گیا۔

ایک اوراہم معدنی مواد جوسمندر سے حاصل ہوتا ہے،نمک ہے۔نمک کا انسانی زندگی کے ساتھ گہرتعلق ہے اورگذشتہ زمانے میں قلت کی وجہ سے اس کی اس قدراہمیت تھی کہ لکھا ہے کہ رومی فوجی اپنی تنخواہ میں نمک وصول کیا کرتے تھے۔اورروس میں تونمک کی قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے ''نمکین بغاوتیں'' سراٹھاتی رہیں۔

نمک کے اخراج کا اہم ترین منبع بھی سمندر ہے حتیٰ کہ جہاں پر نمک کی کانیں ہیں اوران کا قطرہ آٹھ آٹھ سومیٹر ہے وہ بھی سمندروں کے آثار میں سے ہیں،جب ایک زمانے میں وہ ساری زمین کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے۔ساری دنیا میں نمک کے سالانہ مصرف بائیس ملین (دوکروڑبیس لاکھ) ٹن کا اندازہ لگایا گیا ہے۔یعنی اگرانسان اسی انداز سے خشکی کے نمک کا مصرف کرتے رہے تو جلد یا بدیر اس کی کانیں ختم ہوسکتی ہیں جب کہ سمندرنمک کا ایسا منبع ہے جوکبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گا،کیونکہ سمندر میں موجودنمک کا ذخیرہ اس حدتک زیادہ ہے جو ایک ملین سات سوہزار(سترلاکھ) سال تک انسانی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کافی ہے۔

## ۵۔توانائی کی پیدائش کا بہترین ذریعہ

انسان نے قدیم الایام سے اس نکتہ کی طرف توجہ مرکوز کی ہوئی ہے کہ سمندر کے ''مد'' کے موقع پر جب اس کا پانی چڑھاؤ پر ہوتا ہے اُسے کنٹرول میں لایا جائے اور''جزر'' کے موقع پر جب وہ گھٹاؤ کی طرف مائل ہوتا ہے،اس سے توانائی پیدا کی جائے اور پھراس سے پن چکیاں وغیرہ کے چلانے کا کام لیا جائے۔

دورِحاضر کے سائنسدانوں کے اندازوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس توانائی سے بڑی مقدار میں بجلی پیدا کی جاسکتی ہے اوراس سے توانائی کی پیدائش کے عظیم منبع کا کام لیا جاسکتا ہے۔سمندر کے پانی کا مدوجزر جو چاند کی کشش کی وجہ سے رات دن میں دومرتبہ معرضِ وجود میں آتا ہے،پانی کی سطح کو بڑی حدتک اوپراور نیچے لے جاتا ہے اوراس سے توانائی کے حصول کے علاوہ سمندر کے ساحلی علاقوں کی آبپاشی کا بھی بہت بڑی حدتک کام لیا جاتا ہے۔کیونکہ جس جگہ پر دریاؤں کا پانی سمندر میں گرتا ہے،وہاں پر میٹھے پانی کا سمندر ہوتا ہے اور''مد'' کی وجہ سے وہی شیریں پانی ساحل کی طرف دھکیلا جاتا ہے،جس سے بڑی مقدار میں زمین کی آبپاشی ہوتی ہے۔اسی لئے انسان قدیم الایام سے ہی ایسے علاقوں میں نہریں کھودکر بڑی مقدار میں زمینوں کو زیرکاشت لایا ہے۔

آج بھی خلیج فارس کے ساحلی علاقوں میں شاید کروڑون کھجوروں کے درخت ایسے ہیں جو صرف اسی طریقہ سے سیراب ہوتے ہیں کیونکہ وہ پانی کافی دورتک پیچھے کو ہٹ جاتا ہے اور یہ عذب وفرات (میٹھااورخوشگوار) پانی جوملح واجاج (کڑوے اورکھاری) پانی کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے،لیکن اس میں مخلوط نہیں ہوتا،اس علاقہ کے ساحل نشینوں کیلئے ایک عظیم سرمایہ ہے۔

## ٦۔ مختلف زیورات

سمندر کے فوائد سے ایک اور فائدہ، آیات بالا میں بھی جس کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا گیا ہے وہ زیورات، ہیں جو سمندر سے حاصل کئے جاتے ہیں، جیسے وہ موتی ہیں جو مخصوص صدف کے سینے میں پروان چڑھتے ہیں، اور مرجان ہے جو ایک قسم کا دریائی جانور ہے لیکن درخت کی شاخوں کی صورت میں ہوتا ہے اور نہایت ہی دلکش اور دیدزیب منظر کا حامل ہوتا ہے، زینت کے علاوہ طب میں بھی کام آتا ہے۔

## ٧۔ سمندروں کے ذریعہ موسم میں اعتدال

نہ صرف وہ ہوائیں جو سمندر سے خشکی کی طرف چلتی ہیں، ان سے موسم میں نمی آجاتی ہے اور وہ حدِ اعتدال پر رہتا ہے بلکہ آپ تعجب نہ کریں تو خود دنیا کے عظیم سمندروں کے اندر بھی بڑے بڑے دریا بہہ رہے ہیں جو گرم علاقوں سے سرد منطقوں کی طرف اور سرد علاقوں سے گرم منطقوں کی جانب رواں دواں ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی اس قسم کی حرکت سے کرہ زمین پر موسم کے اعتدال پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

ان دریاؤں میں سے زیادہ موثر اور طاقت ور ''گلف اسٹریم'' GULF STREAM ہے یہ عظیم دریا مرکزی امریکہ کے ساحلوں سے چلنا شروع ہوا ہے اور تمام اوقیانوس اطلس کو طے کرتا ہوا شمالی یورپ کے ساحلوں تک جا پہنچتا ہے۔ یہ پانی جو خطِ استواء کے نزدیکی علاقوں کے قریب جاری ہیں، گرم ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بعض اوقات ان کا رنگ بھی پڑوسی پانیوں کے رنگ سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ یہ عظیم سمندری دریا جس کا صرف عرض ڈیڑھ سو کلومیٹر اور گہرائی کئی سو میٹر ہے [١] بعض علاقوں میں اس کی رفتار اس قدر ہے کہ ایک دن میں صرف ایک سو ساٹھ کلومیٹر سفر کرتا ہے اور اس کی حرارت کا نزدیکی پانیوں کی حرارت سے پندرہ درجہ کا فرق ہوتا ہے۔

''گلف اسٹریم'' گرم ہواؤں کو وجود میں لاتا ہے اور اپنی حرارت کا بیشتر حصہ یورپ کے شمالی ملکوں کو بھیجتا ہے جس سے ان ملکوں کی آب و ہوا نہایت ہی خوشگوار رہتی ہے۔ اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو ان ملکوں میں زندہ رہنا اگر ناممکن نہ ہوتا تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ عظیم سمندری دریا جن کی پیدائش کا اصلی عامل زمین کے استوائی منطقہ کے درجہ حرارت اور قطبی منطقوں کے درجہ حرارت کا باہمی اختلاف ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اطراف کے پانی سے بہت کم مخلوط ہو پاتے ہیں اور اسی صورت حال کے ساتھ ہزاروں میلوں کا فاصلہ طے کرتے ہیں، سورہ الرحمن کی ١٩ ویں آیت کا دلچسپ مصداق ہیں کہ ''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ'' خداوندِ عالم نے دو دریاؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ قرار دیا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تو چلتے ہیں لیکن ان کے درمیان رکاوٹ موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ [٢] یہ آیتِ مذکورہ کی ایک دلکش تفسیر ہے۔

---

[١] بعض کتابوں میں صراحت کی گئی ہے کہ اس کی بعض علاقوں میں گہرائی آٹھ سو میٹر تک جا پہنچتی ہے۔ (کتاب ''دریا و یار عجائب'' ص ۴٦

[٢] اس بارے میں مزید تفصیل کیلئے تفسیر نمونہ جلد ٢٣ میں انہی آیات کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

## ۸۔سمندری پانی سے طبی سہولتوں کا حصول

اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ سمندر کا پانی انسان کے بد اوراعصاب کے لئے نہایت ہی مفید ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے اکثر نقاط میں بعض جلد ہی اوراعصابی بیماریوں کے علاج کیلئے یا مکمل صحت وسلامتی اورحفظانِ صحت کے حصول کیلئے ،سمندری پانی سے استفادہ ایک معمول کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اوراگر اخلاقی جرائم ومقاصداورآلودگیوں کواس سے نکال دیا جائے توسمندر کا پانی انسان کی صحت وسلامتی اورفرحت ونشاط کا بہترین منبع بن سکتا ہے۔

## ۹روئے زمین کے پانی کا اصل منبع

سمندر کا اہم ترین، عظیم ترین اوروسیع ترین فائدہ تواس سے اٹھنے والے وہی بخارات ہیں جو بعد میں بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اوروہ خشک اور پیاسی زمینوں کی طرف روانہ کردیئے جاتے ہیں جو بارش کی صورت میں ان زمینوں کوزندگی عطا کرتے ہیں ،جس کی تفصیل ہم بادوباران کی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔

## ۱۰۔میٹھے پانی کا حصول

آج بہت سے علاقوں میں جن کی میٹھے پانی تک رسائی نہیں ہے وہ اسی سمندری پانی کوعملِ تقطیر کے ذریعہ پینے کے قابل بنا کراس سے استفادہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے نا قابلِ رہائش علاقے بھی رہنے کے قابل ہوگئے ہیں۔یہ سمندروں کی برکتوں اورفوائد کامختصر سانمونہ جن سے آج انسان واقف ہوا ہے اورمعلوم نہیں کہ مستقبل میں اورکون سے فوائد انسان کوحاصل ہوتے ہیں؟ یہیں سے ہم قرآن مجید کی اس تعبیر کی عظمت سے واقف ہوتے ہیں کہ فرماتا ہے"وَسَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ"(خدانے سمندرکوتمہارے لئے مسخر کردیا ہے اورتمہاری خدمت میں قراردے دیا ہے)۔[1]

## ۲۔سمندر۔۔۔یا۔۔۔عجائبات کا گھر!

اگرہم خوب غور سے سوچیں تومعلوم ہوگا کہ ویسے تو دنیا کی تمام موجودات تعجب آور ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی سمندر کے اندر رہنے والے جانے پہچانے جانوروں کی اقسام ایک لاکھ چالیس ہزار تک بتائی ہیں۔ان اقسام کی تعدادسمندروں کی سطح پرتو بہت زیادہ ہے،لیکن ہم جس قدر گہرائیوں میں چلتے جائیں اسی قدران کی تعدادکم تریا کم ازکم ہم ان سے کم تر پر مطلع ہوسکیں گے۔

---

[1] اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمائیں ۱۔دریا دیار عجائب۔۲۔اسراردریا،۳۔شگفتیہائے دریا،۴۔رسالہ بندرودریا،۵۔فرہنگ نامہ جلد ۱۲،۶۔بہترین راہِ شناختِ خدا

سمندروں کے بارے میں اہم بات یہ ہے کہ ماضی میں یہ تصور کیا جاتا تھا کہ سمندروں کی گہرائی میں قطعا! کوئی زندہ چیز موجود نہیں ہے، کیونکہ سورج کی شعاعیں زیادہ سے زیادہ چھ سو میٹر سمندری پانی کے اندر جاسکتی ہیں اور اس گہرائی میں آخری شعاع بھی ناپید ہوجاتی ہے۔اس کے بعد ''تاریکیِ مطلق'' کی فرمانروائی ہوتی ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ اس منطقہ میں سمندر کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے۔اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بات زیادہ اہم ہوتی ہے، وہ یہ کہ وہاں پر موجود اشیاء پر پانی کا زبردست دباؤ ہوتا ہے، کیونکہ ایک کلومیٹر کی گہرائی میں پانی کا دباؤ سو کلوگرام فی مربع سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ظاہر سی بات ہے کہ اگر کوئی انسان وہاں حفاظتی تدابیر کے بغیر چلا جائے تو اس کی ہڈیاں چکنا چور ہوجائیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ سمندروں کی گہرائی میں جانے کیلیئے دس میٹر کے بعد کیلیئے حفاظتی تدابیر اور حفاظتی لباس کے بغیر جانا قطعاً ناممکن ہے۔اس سے بھی مزید نیچے جانے کیلیئے تو فولاد کی موٹی موٹی چادروں کی مکمل پناہ گاہ کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ پانی کا دباؤ ہر چیز کا کچومر نکال دے۔اس سے بھی مزید نیچے جانے کیلیئے بھی ذریعہ سے سفر بالکل ہی ناممکن ہے کیونکہ آج تک دنیا میں کوئی ایسی چیز نہ تو ایجاد ہوئی ہے اور نہ ہی دریافت ہوئی ہے جو اس دباؤ سے بچا سکے۔

لیکن سائنسدانوں کے بعد کے مطالعات نے یہ چیز ثابت کردی ہے کہ سمندر کی نہایت ہی اتھاہ گہرائیوں میں بڑی تعداد میں اور نہایت ہی عجیب وغریب اقسام کی مخلوق رہتی ہے اور اُن کے اندر جو قوت مدافعت ہوتی ہے اس کے ذریعہ وہ پانی کے عجیب دباؤ کا سامنا کرتی ہے۔وہاں مطلقاً کسی قسم کے گھاس نہیں نہیں اُگتی جس سے بحری جانور غذا کے طور پر استفادہ کریں لیکن آفریدگارِ کائنات کا دستِ قدرت ان کی ضرورت کی غذا بھی تیار کرتا ہے، جو مختلف نباتاتی مواد ہوتے ہیں اور سمندر کی سطح اور نُورِ آفتاب کے نیچے پرورش پاتے رہتے ہیں اور جب وہ غذا کیلیئے آمادہ ہوجاتے ہیں تو آسمانی مائدہ کی صورت میں سمندر کی گہرائیوں میں رہنے والی مخلوق کے سر پر پہنچ جاتے ہیں۔اِن کے لاشے بھی اُن کی لذیذ غذا کا کام دیتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنی تاریکی کی مشکل کو کیسے حل کرتے ہیں؟ جس قدرت نے انہیں اس منطقہ کیلیئے پیدا کیا ہے اس نے ان کی روشنی کا بھی بندوبست کردیا ہے کیونکہ ان میں سے سب سے جانور ایسے ہیں جو از خود روشنی باہر نکالتے ہیں، ٹھنڈی روشنی جیسے جگنو کی ہوتی ہے۔مچھلی کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس کے سر سے سرخ اور دُم سے نیلی روشنی باہر آتی ہے جب کہ بعض مچھلیاں سُرخ، سفید اور نیلی روشنی بھی باہر نکالتی ہیں۔

ایک سائنسدان کا کہنا ہے کہ سمندر کے عجیب ترین علاقوں میں وہ حصے ہوتے ہیں جو نہ تو آبی سطح کے نزدیک ہوتے ہیں اور نہ ہی سمندر کی تہیں ہوتی ہیں، بلکہ ان دونوں حصوں کے درمیان کا علاقہ ہوتا ہے۔جس کے اوپر نہ تو آسمان ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے نیچے زمین ہوتی ہے، بلکہ اوپر، نیچے آگے اور پیچھے غرض ہر طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے۔جو مخلوق وہاں پر رہ رہی ہوتی ہے اسکا کوئی خانہ وکاشانہ نہیں ہوتا۔اسی لئے وہ ہمیشہ چلتی پھرتی رہتی ہے۔وہاں ایسی مچھلیاں رہتی ہیں جو آپ کو حیرت میں ڈال دیں۔ان میں سے بعض کے دانت تو اس قدر لمبے ہوتے ہیں کہ وہ ان

---

[1] غوطہ خور لوگ غوطہ خوری کا لباس پہنے بغیر تیس میٹر کی گہرائی تک جاسکتے ہیں اور لباس کے ساتھ ڈیڑھ سو میٹر تک، جبکہ سمندر کے گہرے سے گہرے مقام پر پانی کا دباؤ سات ٹن فی مربع انچ ہے۔(ملاحظہ ہو کتاب دریا دیار عجائب ص ٦٨

کی وجہ سے کبھی اپنا منہ بند نہیں کرسکتیں۔ مچھلی کی ایک قسم ایسی ہے جو اپنے پیٹ کو اس قدر بل دیتی ہے کہ اپنے سے تین گنا بڑی مچھلی کو نگل سکتی ہے۔ اس طرح کی مچھلیوں کو عجیب وغریب ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً ''نگلنے والی سیاہ مچھلی''، ''سمندری سانپ'' اور ''اژدہا مچھلی'' وغیرہ۔

اوقیانوس کی گہرائیوں کو اپنے مقام پر رہنے دیتے ہیں اور اب پانی کی سطح کی طرف آتے ہیں۔ یہاں پر بھی ایک غوغا برپا ہے۔ ایسی ایسی مچھلیاں موجود ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ کر عجیب ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جن میں بجلی جیسا کرنٹ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ اپنے مغز سے ایک ایسا فرمان جاری کرتی ہے کہ اس سے بڑی حد تک بجلی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنے دشمن یا شکار کو بری طرح مفلوج کر دیتی ہیں اور وہ ایسی بجلی ہوتی ہے جو انسان تک کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔

''پرندہ مچھلیاں'' جو کبھی پانی سے باہر آ کر ساٹھ میٹر کی بلندی تک پرواز کرسکتی ہیں، حتیٰ کہ بسا اوقات درختوں سے اوپر بھی چھلانگ لگا سکتی ہیں۔

''مرکب مچھلیاں'' جو دشمن سے بچنے کیلئے پانی میں سیاہ رنگ کا مادہ پھیلا دیتی ہیں اور سیاہی پھیل جانے سے اپنی جان بچا کر بھاگ جاتی ہیں، جیسے آج کل کی کلاسیکی جنگوں میں معمول ہے کہ میدانِ جنگ کو دھوئیں جیسے مواد سے بھر دیتے ہیں تاکہ فوجی دشمن کی آنکھوں سے مخفی رہیں۔

''سُفرہ ماہی'' (دسترخوان مچھلی) مچھلیوں کی ایک اور عجیب قسم ہے جو بہت ہی بڑی اور کافی حد تک چوڑی ہوتی ہے۔ یہ دسترخوان کی مانند اپنے آپ کو سطح سمندر پر پھیلا دیتی ہے اور جونہی کوئی شکار اس کے دسترخوان پر آ دھمکا اس نے اپنے پروں کو سمیٹنا اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ سمندر میں چھوٹے سے چھوٹے جانور بھی رہتے ہیں اور بڑے سے بڑے جانور بھی۔ ایسے ایسے مگر مچھ بھی رہتے ہیں جن کی لمبائی تیس میٹر، قطر چودہ میٹر سے زیادہ اور جبڑوں کی لمبائی سات میٹر سے زائد ہوتی ہے۔ زبان کا وزن تین ٹن، دل کا تقریباً آدھا ٹن ہوتا ہے۔ بسا اوقات نومولود بچے کی لمبائی سات میٹر ہوتی ہے۔[1]

ایک مرتبہ ''نیوجارجیا'' میں ایک ایسے مگرمچھ کو شکار کیا گیا جس کی لمبائی تینتیس میٹر تھی اور وزن پچیس ہزار کلوگرام تھا۔[2] سمندر میں ایسی نباتات بھی اُگتی ہیں جو خوردبینوں سے دیکھی جاسکتی ہیں اور ایسی بھی جن کی لمبائی پچاس میٹر تک ہوتی ہے۔

## ۳۔ سمندر۔۔۔۔۔۔۔۔کلامِ معصومینؑ کی روشنی میں

آیئے اس مقام پر بڑے خضوع وخشوع اور پورے خلوص کے ساتھ دعائے جوش کبیر کا یہ جملہ زبان پر جاری کرنے کی سعادت

---

[1] کتاب شگفتہائے دریا'' و ''فرہنگنامہ''

[2] ''دریا دیار عجائب''

حاصل کرتے ہیں کہ ''یَامَنْ فِی الْبِحَارِ عَجَآئِبُہ'' (اے وہ ذات جس کی قدرت کے عجائبات سمندروں کے اندر موجود ہیں۔[۱]

جس دن پیغمبر گرامی اسلام کی زبان مبارک سے یہ جملہ نقل کیا گیا تھا اس دن تک سمندروں کے راز و اسرار کسی پر منکشف نہیں ہو پائے تھے۔ اور آج اس جملے کی عظمت ہمارے لئے دوسرے تمام ادوار کی نسبت زیادہ واضح اور روشن ہوجاتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی دعا و مناجات کا ایک اور جملہ ہے: ''اَنْتَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ عَظَمَتُكَ وَفِی الْاَرْضِ قُدْرَتُكَ ،وَفِی الْبِحَارِ عَجَآئِبُكَ'' (تو وہ ذات ہے جس کی عظمت آسمان میں جس کی قدرت زمین میں اور اس کے عجائبات سمندروں میں ہیں۔[۲]

اس بحث کو امیر المومنینؑ کی ایک اور حدیث کے ساتھ آگے چلاتے ہیں، امام فرماتے ہیں: ''سخر لکم الماء یغدو علیکم ویروح صلاحا لمعاشکم والبحر سببا لکثرة اموالکم '' (خداوندِ عالم نے پانی کو تمہارے لئے مسخر کردیا ہے، جو صبح کے وقت جاتا ہے اور شام کے وقت واپس آ جاتا ہے، تاکہ تمہاری زندگی کو سنوارتا رہے (ممکن ہے یہ تعبیر سمندر کے مدوجزر اور اس کے زندگی عطا کرنے والے اثرات کی طرف اشارہ ہو) اور سمندر کو تمہارے اموال کی کثرت اور فراوانی کا ذریعہ قرار دیا ہے)۔[۳]

اس بحث کو توحید مفضل کے ایک اہم اور برگزیدہ حصے کو بیان کر کے ختم کرتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

'فاذا اردت ان تعرف سعة حکمة الخالق وقصر علم المخلوقین فانظر الی مافی البحار من ضروب السمك ودواب الماء ،والاصداف والاصناف التی الاتحصٰی ولاتعرف منافعها الاالشئی بعد الشیئی یدرکه الناس باسباب تحدث ''اگر تم خالقِ کائنات کی حکمت کی وسعت اور مخلوقات کے علم کی کوتاہ دامنی کو جاننا چاہتے ہو تو قدرے اپنی نگاہ اور قیانوسوں اور سمندروں میں انواع و اقسام کی مچھلیوں، دوسرے چلنے پھرنے والے جانوروں اور صدفوں پر ڈالوں۔ ان کی اس قدر انواع و اقسام ہیں کہ جن کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ ہی حساب اور جن کے فوائد بتدریج ان حالات کے پیش آنے کیلئے بعد ظاہر ہوتے رہیں گے جو (انسانی زندگی میں) رونما ہوں گے۔

پس سمندروں، دریائی جانوروں اور بحری نباتات وغیرہ میں ایسے فوائد اور برکتیں ہیں کہ جُوں، جوں انسانی عمر آگے بڑھتی جائے گی اسی قدر ان کے نت نئے اسرار و رموز منکشف ہوتے جائیں گے اور نئے فوائد انسان کیلئے ظاہر ہوتے جائیں گے جن کی وجہ سے وہ ان نعمتوں کے خالق کے سامنے اپنے خضوع و خشوع کے اظہار پر مجبور ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[۱] دعائے جوشن کبیر فصل ۵۷

[۲] بحار الانوار جلد ۹۷ (۹۴)

[۳] بحار الانوار جلد ۶۰ ص ۳۹ حدیث ۳ (باب الماء وانواعہ والبحار)

# ۱۴۔سایہ کی تخلیق میں خلاقِ عالم کی نشانیاں

## اشارہ

کیا سایہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے خالقِ کائنات کی عظمت کا پتہ چل سکتا ہو؟ قرآنِ پاک میں خداوندِ عالم کی نعمتون کے بیان اوراس کی پاک ذات کے تعارف کے موقع پراس بظاہر ہرسادہ سے مسئلہ کوبھی مدنظر رکھا گیاہے۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس اسراربھری کائنات میں جس چیز کی طرف بھی آپ دیکھیں گے اس میں اس کی عظمت کے آثارنظرآئیں گے اورتمام چھوٹی بڑی چیزوں کی پیشانی پراس کی حکمت وعظمت کے دلائل ثبت ہیں مختصر سے اشارہ کے ساتھ ہم مندرجہ ذیل آیات کوگوشِ دل کے ساتھ سماعت کرتے ہیں:

۱۔۔۔اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا

(فرقان/ ۴۵۔۴۶)

۲۔۔۔وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَکۡنَانًا وَّجَعَلَ لَکُمۡ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ وَسَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمۡ بَاۡسَکُمۡ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ

(نحل/۸۱)

۳۔۔۔اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَہُمۡ دٰخِرُوۡنَ

(نحل/۴۸)

۴۔۔۔وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّکَرۡہًا وَّظِلٰلُہُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ

(رعد/ ۱۵)

## ترجمہ

۱۔۔۔کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے سایہ کو کس طرح پھیلایا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ٹھہرائے رکھتا، پھر ہم نے سورج کو اس کے وجود پر دلیل قرار دیا۔ پھر اُسے آہستہ آہستہ اکٹھا کرتے ہیں۔

۲۔۔۔خداوندِ عالم نے تمہارے لئے جو چیزیں خلق فرمائی ہیں ان کے سائے بھی بنائے ہیں، اور پہاڑوں سے پناہ گائیں اور تمہارے کپڑے بنائے جو تمہیں (سردی اور) گرمی سے محفوظ رکھیں، اور کرتے جو تمہیں جنگ سے بچاتے ہیں۔ یوں خدا اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کی فرمانبرداری کرو۔

۳۔۔۔کیا انہوں نے خداوندِ عالم کی مخلوقات کو نہیں دیکھا کہ ان کے سائے ان کے دائیں بائیں حرکت کرتے ہیں اور خضوع وخشوع کے ساتھ خدا کا سجدہ کرتے ہیں۔

۴۔۔۔جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے طوعاً و کرہاً اور اسی طرح ان کے سائے بھی صبح وشام کو خدا کا سجدہ کرتے ہیں۔

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''ظلال''، ''ظل'' کی جمع ہے جس کا معنی سایہ ہے۔ لیکن دانشوار اور مشہور مفسر ''راغب'' اپنی کتاب ''مفردات'' میں کہتے ہیں کہ جہاں پر سورج کی روشنی نہ پڑی ہو، سایہ شمار ہوتا ہے۔ خواہ اس سے پہلے اس پر وہ روشنی پڑی ہو یا نہیں! لیکن فئ (بروزن شیئ) اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پہلے سورج کی روشنی اور پھر سایہ پڑ گیا ہو، جب کہ بعض اربابِ لغت نے ان دونوں الفاظ کو ایک ہی معنی میں لیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ''ظل'' صبح سے ظہر تک کے اور ''فیئ'' ظہر کے بعد کے سایہ کو کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں الفاظ کے استعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلے معنی بہتر نظر آتے ہیں۔ ''ظل'' کا لفظ کنایہ کے طور پر عزت، قدرت، رفاہ اور آرائش وآرام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، کیونکہ یہ چیزیں عموماً سایہ میں حاصل ہوتی ہیں۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## کیا سایہ بھی ایک عظیم نعمت ہے؟

ان آیات میں سایوں کی بات کی گئی ہے۔ بات تو بظاہر سادہ سی ہے لیکن اس کا عمیق مطالعہ ہمیں خالقِ کائنات سے زیادہ قریب اور بہتر آشنا کرسکتا ہے۔

''سب سے پہلے آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے سایہ کو پھیلایا ہے؟'' (اَلَمۡ تَرَاِلٰی رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ) ''اگر وہ چاہتا تو اسے ایک جگہ پر ٹھہرائے رکھتا۔'' (وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا) اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے: ''پس ہم نے سورج کو سایہ کے وجود پر دلیل قرار دیا۔'' (ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ دَلِيۡلاً) اس آیت کے آخر میں فرماتا ہے ''پھر ہم اُسے آہستہ آہستہ اکٹھا کرتے ہیں'' (ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَيۡنَا قَبۡضًا يَّسِيۡرًا)

یہاں کون سا سایہ مراد ہے جسے خدا پھیلاتا اور بتدریج سمیٹتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد رات کا سایہ ہے جو بتدریج تمام زمین پر پھیلتا اور سمیٹتا ہے، اور سورج کا وجود اس بات کا گواہ اور اس پر دلیل ہے، کیونکہ ہر چیز کو اس کی ضد سے پہچانا جاتا ہے، یعنی (تُعۡرَفُ الۡاَشۡيَآءُ بِاَضۡدَادِهَا)

بعض مفسرا سے اس لمبے اور وسیع سائے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو بین الطلوعین (صبح اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت) صفحۂ زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس وقت یہ نہایت ہی پُرلطف سایہ اور پُرکیف لمحات ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین اس سے مراد وہ سایہ سمجھتے ہیں جو دن کے وقت پہاڑوں، درختوں اور دوسرے اجسام پر سورج کی شعاعیں پڑنے سے معرضِ وجود میں آتا ہے اور بتدریج گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ چونکہ ان تینوں تفسیروں کے درمیان کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے اور آیت کی تعبیر بھی مطلق اور جامع ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ان سب کی طرف اشارہ ہو جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک انمول نعمت ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ رات درحقیقت زمین کے اس نیم کرے کا سایہ ہے جو سورج کے مقابل میں ہوتا ہے۔ یہ ایک مخروطی شکل کا سایہ ہوتا ہے جو فضا میں مخالف سمت میں پھیلا ہوا ہوتا ہے اور بطور دائم چلتا رہتا ہے۔ اگر رات کا سایہ نہ ہوتا تو دھوپ اور اس کی گرمی سے تمام موجودات جل کر راکھ ہوجاتیں اور نسلِ انسانی بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی۔

اگر دوسرے سائے نہ ہوتے اور انسان کو مجبوراً سارا دن دھوپ میں بسر کرنا پڑتا تو وہ بہت مشکل سے دوچار رہتا اور اس کیلئے موسم گرما میں زندہ رہنا ہی دشوار ہوجاتا۔ خداوندِ کریم نے انسان کو سائے جیسی نعمت عطا فرمائی ہے کہ اس سے وہ خود بھی اور اس سے متعلق دوسری چیزیں بھی آرام و آسائش سے رہ سکیں۔

باالفاظ دیگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو ''گدلی'' پیدا کی گئی ہیں اور بعض وہ ہیں جو ''شفاف'' خلق فرمائی گئی ہیں اور روشنی جن کے اندر سے

پار ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اگر روئے زمین کی تمام چیزیں شفاف ہوتیں اور سائے کا مطلق وجود نہ ہوتا تو انسانی زندگی آفتاب عالمتاب کی دائمی روشنی اور دھوپ کی وجہ سے جہنم میں بدل جاتی۔ لہٰذا اگر اس بارے میں انسان تھوڑا سا بھی غور وفکر سے کام لے تو وہ اس نعمت کی عظمت و اہمیت کو اچھی طرح جان سکتا ہے اور اس سے صاحب حکمت خالق کی عظمت کو تسلیم کر سکتا ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی بتاتے چلیں کہ ''سایہ کے تدریجی نظام'' کا ذکر کر کے شاید حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اسائے یکبارگی پیدا ہوتے یا مٹتے رہتے تو ان سے بہت بڑے نقصانات کا اندیشہ تھا کیونکہ روشنی سے تاریکی یا تاریکی سے روشنی کی یکبارگی تبدیلی، یا اس طرح سردی سے گرمی یا گرمی سے سردی میں یکدم تبدیلی کا نقصان کسی پر مخفی نہیں ہے۔ لیکن اگر اپنی تمام برکتوں اور خوبیوں کے باوصف ''سایہ'' ایک ہی جگہ اور ایک ہی صوت میں برقرار ہے تو بھی نقصان دہ ہوگا کیونکہ وہ انسان کو روشنی کی نعمت سے محروم کر دے گا۔ اسی لئے مندرجہ بالا آیت میں فرماتا ہے۔ ''اگر خدا چاہتا تو اسے ایک جگہ ٹھہرائے رکھتا (لیکن اس نے اپنی کرم نوازی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، تاکہ اس کے بندے نور اور سایہ دونوں کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہیں۔)

دوسری آیت جو کہ سورہ نحل کی توحیدی آیات کے ضمن میں بیان ہوئی ہے، اس میں چند آفاقی آیات اور پروردگارِ عالم کی نعمتوں کو شمار کرنے کے بعد فرماتا ہے، ''خداوندِ عالم نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کیلئے سایہ قرار دیا ہے'' (وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلاً)

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں وہ چیزیں مراد ہیں جو سائے کو وجود میں لاتی ہیں، جیسے پہاڑ، درخت، بادل، چھت، دیواریں اور گھر وغیرہ۔[1] اس بات میں شک نہیں کہ اگر تمام اشیاء۔۔۔۔۔۔۔جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔شیشے کی مانند صاف وشفاف اور چمکدار ہوتیں اور کائنات میں کوئی سایہ نہ ہوتا تو انسان کیلئے زندگی مہلک تباہ کن اور بھیانک چیز ہوتی۔

اسی آیت کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کئی اور نعمتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو درحقیقت سایہ کے وجود کی تکمیل کر رہی ہیں، جیسے وہ پناہ گاہیں جو پہاڑوں میں غاروں اور شگافوں کی صورت میں پیدا کی گئی ہیں۔ اسی طرح وہ لباس ہیں جو انسان کو سورج کی جلسا دینے والی تپش سے بچاتے ہیں، یا میدانِ جنگ میں (زرہ کی مانند) سامنے سے دشمن کے وار کو روکتے ہیں۔ (وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ)[2]

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں لباس کو صرف گرمی سے بچاؤ کا ذریعہ بتایا ہے اور سردیوں کے بارے میں کسی قسم کا اشارہ نہیں کیا۔ اس بارے میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ چونکہ جن علاقوں میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہاں پر گرمی زیادہ پڑتی ہے اور یہ مسئلہ وہاں پر زیادہ درپیش تھا، یا پھر یہ کہ سورج کی گرمی اور تپش کے خطرات سب سے زیادہ اور سب سے سریع ہوتے ہیں، جب کہ سردی سے بچاؤ کے

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۱۴ ص ۱۷۶ اور تفسیر قرطبی جلد ۶ ص ۳۷۷۵

[2] ''سرابیل''، ''سربال'' (بروزن مثقال) کی جمع ہے۔ بعض نے اسے طرح کے لباس کے معنی میں تفسیر کی ہے اور بعض نے اسے قمیص کے معنی میں بتایا ہے (اسی طرح زرہ ہے جسے قمیص کی مانند پہنا جاتا ہے) لیکن یہاں پر پہلے معنیٰ زیادہ مناسب ہیں

طریقے انسان کے پاس زیادہ ہوتے ہیں۔لیکن اس بات کوبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ عربی ادب میں بہت سے مقامات پر جہاں دومتضاد چیزوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو ایک کو اختصار کیلئے حذف کردیتے ہیں اور صرف ایک ہی کے بیان پر اکتفاد کرتے ہیں جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسی آیت کے آخر میں ان تین نعمتوں (سائے ،مساکن ،اورلباسوں کے ذکر) کے بعد فرماتا ہے:''اس طرح سے خداوندِعلم اپنی نعمتیں تم پر مکمل کرتا ہے تا کہ تم اس کے فرمان کے مطابق سرتسلیم خم کردو۔''(كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ)

ان نعمتوں اوران کے مختلف اسرار کی طرف توجہ ایک توانسان کوخدا کے علم اوراس کی قدرت سے آشنا کرتی ہے اوردوسرے حسِ شکرگزاری کے متحرک ہوجانے سے اسے خداوندِ متعال کے حکم کے آگے سرِتسلیم خم کرنے پر آمادہ کرتی ہے کہ یہ خداوندِ عالم ہی ہے جس کے اس قدراحسان اورمہربانیاں ہیں۔

تیسری آیت میں توحیدی آیات کی صورت میں مشرکین کوجھنجوڑ کرفرماتا ہے''کیاانہوں نے خدا کی مخلوق کونہیں دیکھا کہ اُن سے سائے دائیں اور بائیں سے خدا کا کیونکرسجدہ کرتے ہیں جب کہ وہ خضوع کی حالت میں ہوتے ہیں۔''(اَوَلَمۡ تَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ) [1]

کس قدر بہترین تعبیر ہے کہ تمام سائے زمین پر سر ٹکائے اسکی پاک ذات کے سامنے سجدہ ریز ہیں کیونکہ اس کے فرمان کے تابع ہیں اوران کا یہ خضوع اورسرِ تسلیم خم کرنا،پیش گاہِ حق میں ان کے سجدہ کی تخلیق کے قوانین کے آگے خضوع وخشوع کا اظہار ہے۔لیکن انسان سایہ سے بھی کتنا گیا گزرا ہوتا ہے کہ وہ بتوں کے آگے توسرِخم تسلیم کرتا ہےلیکن پروردگار کا سجدہ نہیں کرتا۔

سایوں کاسجدہ زمین وآسمان میں موجودتمام موجودات کے عمومی سجدہ کا ایک جزہے۔لہٰذا آیت کا سلسلہ جاری ہے اوراس میں عمومی سجدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''زمین وآسمان میں جوبھی چلنے والی چیز ہے خدا کیلئے سجدہ کرتی ہے۔''(وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ)(نحل۔۴۹)

یہاں پرایک تفصیلی بحث ہے جسے''حق کے آگے کائنات کاعمومی سجدہ''کےعنوان سے بیان کیاجائے گا۔بہرحال یہ آیت بھی سایوں اوران کے آثار کی اہمیت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے جوتوحید کے الہام عطا کرنے والےمنبع کےعنوان سےتوجہات کامرکز بن سکتی ہے۔

چوتھی آیت میں سایوں کوآسمان وزمین کی تمام موجودات کے رویف میں بیان فرمایا ہے جوسب کی سب خدا کیلئے خضوع وخشوع اورسجدہ کرتی ہے۔اشارہ ہوتا ہے۔''تمام مخلوقات جوبھی آسمان اورزمین میں ہیں،اسی طرح ان کے سائے بھی ہرصبح وشام

---

[1] ''یتفیؤا''،''فيئ'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں بازگشت اورلوٹنا۔بعض حضرات اسے موجودات کےان سایوں میں منحصر سمجھتے ہیں جوبوقت عصر ہوتے ہیں،جب سورج لوٹ رہاہوتا ہے۔اس لفظ کااطلاق جنگی غنیمتوں کے ایک حصے پراس لئے ہوتا ہے کہ یاتومسلمانوں کی طرف رہاہوتا ہے یااس لئے کہ اسے بھی سائے کی مانند زوال اورفنا ہےاور''داخر'' کامعنی تواضع کرنے والا

اطاعت وتسلیم یا جبرواکراہ کے ساتھ خدا کیلئے سجدے کرتے ہیں ۔''(وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ)

''طوعاًو کرھاً'' کی تعبیر ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ عقلمند اور باشعور مخلوق اپنی رضا ورغبت سے اور عقل سے عاری مخلوق ،جیسے سایہ وغیرہ، تخلیقِ عالم کے لازمی قوانین کے تحت فرمانِ الٰہی کے سامنے سرِتسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

یا یہ کہ مومنین تو اپنی خوشی اور رضا سے لیکن غیر مومنین جو خود اختیاری طور پر سجدہ کرنے کیلئے حاضر نہیں ہوتے ان کے وجود کا ایک ایک حصہ تخلیقِ کائنات کے لازمی قوانین کے مطابق خداوندِ عالم کے حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے اور اس کی ذات پاک کے سامنے سجدہ تکوینی بجالا رہا ہے۔ یا یہ کہ مومنین تمام حالات میں (خوشی اور غم کے زمانے میں بھی سکون اور بے چینی کے دور میں بھی ) خدا کے آگے سربسجود ہوتے ہیں ،لیکن کفار صرف مجبوری اور مشکلات کے موقع پر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ان تینوں تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے اور ان سب کو اسی آیت کے مفہوم میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت ''من'' کی تعبیر سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صاحبان عقل سے ہے،لیکن یہ احتمال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا مفہوم عام ہے اور تمام عاقل وغیر عاقل مخلوق اس میں شامل ہے اور ''من'' کی تعبیر غلبہ کے باب سے ہے۔ ( کیونکہ عقلمندوں کے بے عقلوں پر غلبہ حاصل ہے )

البتہ ''غدو'' اور ''آصال'' (صبح اور شام کا وقت ) کی تعبیر شاید اس وجہ سے ہے کہ دن کے درمیانی حصہ میں بعد مواقع پر سایہ مٹ جاتا ہے ، یا پھر نہایت ہی محدود اور بالکل چھوٹا ہوتا ہے جب کہ صبح اور شام کے وقت ایسا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں یہ تعبیر بہت سے مواقع پر دوام اور عموم کے بیان کرنے کیلئے بھی آتی ہے۔مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ''فلاں آدمی ہر صبح وشام درس پڑھتا ہے'' یا ''فلاں شخص صبح وشام دوسروں کے کام میں مداخلت کرتا ہے'' یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا ہے۔ان تمام آیات سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ قرآن مجید سایہ تک کی خصوصی اہمیت کا قائل ہے اور اُسے خداوندِ عالم کی عظمت کی آیات میں شمار کرتا ہے۔ ''سجدہ'' کی تعبیر جو خضوع وخشوع کی آخری حد ہوتی ہے، اسی بات کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

# چند ضروری وضاحتیں

## اگر سایہ نہ ہوتا

کسی چیز کی اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ ایک لمحہ یا ایک دن یا ایک ماہ کیلئے وہ ختم ہو چکی ہے اور پھر اس کے انجام کا اندازہ کریں۔ سایہ جو کہ بادی النظر میں ایک عام اور سادہ سی چیز ہے جس کی بظاہر کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔اس کے بارے میں بھی ایسا ہی فرض کیا جا سکتا ہے۔فرض کیجئے کہ ایک ہفتہ کیلئے ہر قسم کا سایہ کرہ ارض سے اٹھا یا جا چکا ہے، نہ پہاڑوں کا سایہ ہے اور نہ ہی

درختوں، دیواروں، چھتوں کا سایہ حتیٰ کہ زمین کی نیم کرہ کا سایہ بھی موجودہ نہیں ہے جسے رات کہتے ہیں، اور ہر قسم کے یہ سائے ایک ہی مرتبہ اٹھالئے گئے ہیں، اس کائنات کی ہر چیز بلوری (شیشے کی) صورت اختیار کر چکے ہیں اور دھوپ ان کے آر پار ہو رہی ہے آپ ہی بتایئے کہ زندہ رہنا کس قدر مشکل اور طاقت فرسا بن چکا ہے؟ مسلسل دھوپ پڑ رہی ہے، ہر شئے پر اس کا دباؤ ہے، انسان اور دوسری تمام مخلوق سے آسائش وآرام سلب ہو چکا ہے۔ اگر یہ مفروضہ موسم گرمہ میں عمل پذیر ہوتو ایک ہفتہ کی یہ مختصر مدت تمام زندہ چیزوں کو ہلاک کر ڈالے۔ بنابریں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سائے کا وجود انسانی زندگی کیلئے بہت ہی مؤثر ہوتا ہے اور اسے حیات بخشتا ہے، کیونکہ:

ا۔سورج کی روشنی اور حرارت کی حدِ اعتدال پر رکھنے کیلئے سائے کا ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ سورج کی حیات عطا کرنے والی شعاعیں اگر سایہ کی تدریجی نوازشوں سے معتدل نہ ہوں تو وہ مختصر اور کوتاہ مدت میں ہر چیز کو پژمردہ کر کے جلا ڈالیں۔فخر رازی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

''خالص تاریکی سے انسان نفرت کرتا ہے اور خالص روشنی بھی اُسے تکلیف پہنچاتی ہے۔اسی لئے بہترین حالت سایہ ہی ہے، جو بہشت کی ایک بہترین نعمت کے طور پر ''ظل ممدود'' (دراز سایہ) کی صورت میں مذکور ہوا ہے۔[1]

۲۔سایہ کی اہمیت خصوصاً متحرک سایہ کی اہمیت مسافرین اور بیابان میں چلنے والے لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ایسے لوگ سائبانوں، خیموں اور دوسرے چھت والے ذرائع حمل نقل کی کمک سے اپنے آپ کو دھوپ سے بچاسکتے ہیں۔

۳۔ایک اور بات جو نہایت ہی قابل توجہ ہے، یہ ہے عام تصور کے برخلاف کسی چیز کو دیکھنے کیلئے صرف روشنی ہی کافی نہیں، بلکہ نور کے ساتھ ہمیشہ ''سایہ'' بھی ہوتا کہ اشیا کے دیکھنے کا امکان حاصل ہو۔ باالفاظ دیگر اور واضح تر کہ اگر کسی جسم کے چاروں طرف سایہ اور نیم سایہ کا وجود نہ ہوتو روشنی میں غرق وہ جسم کسی بھی طرح قابل مشاہدہ نہیں۔ پس جس طرح مطلق تاریکی میں انسان کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا اسی طرح مطلق روشنی میں بھی وہ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ یہ دونوں باہم ہوں تو چیزوں کے مشاہدہ کو ممکن بناسکتی ہیں۔(غور کیجئے گا)

جس خالق نے سایہ جیسی بظاہر عام اور سادہ سی چیز کو اس قدر اہمیت عطا فرمائی ہے وہی ہر قسم کی بندگی، خضوع اور سجدے کے لائق ہے۔ہم اپنی اس گفتگو کو ایک مفسر کے ایک جملہ کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔اس نے ایک ایسے شخص سے جو خالق کے سجدہ کو فراموش کر چکا تھا، کہا تیرا سایہ (جو کمزور اور بے قیمت سی چیز ہے) وہ تو خدا کا سجدہ کرتا ہے لیکن تو خود سجدہ نہیں کرتا؛'' (یہ کس قدر بری اور ناشائستہ بات ہے۔[2]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] تفسیر فخر رازی جلد ۲۴ ص ۸۸

[2] تفسیر فخر رازی جلد ۲۰ ص ۴۳

# ۱۵۔نباتات اور میوہ جات میں پروردگارِ عالم کی نشانیاں

## اشارہ:

روئے زمین پر موجود وسیع ترین مخلوق نباتات ہے،انواع واقسام اور کثرت،عجائبات،شگفتگی اور حسن کے لحاظ سے بھی اور افادیت کے نقطہ نظر سے بھی۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنی توحیدی آیات میں بار ہا نباتات کی پیدائش اور اُن کی مختلف خصوصیات پر زور دیا ہے اور انسان کو کائنات کی ان محیر العقول مخلوقات کے اسرار کے مطالعہ کی دعوت دی ہے،ایسی مخلوق کہ جس کا ایک ایک پتا معرفت پروردگار کی ایک کائنات لئے ہوئے ہے۔اس اشارے کے ساتھ آیئے مل کر مندرجہ ذیل آیات اوران کے دلچسپ نکات کو گوشِ جان سے سماعت کرتے ہیں:

۱۔۔۔اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ {}اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (شعراء/۷۔۸)

۲۔۔۔اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ(نمل/۶۰)

۳۔۔۔خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ {}هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {}(لقمان/۱۰۔۱۱)

۴۔۔۔وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ۝۳۳ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ۝۳۴ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ۝۳۵ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ (یٰس/۳۳-۳۶)
۵...وَهُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىۡءٍ
فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا
قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّغَيۡرَ
مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَيَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكُمۡ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ
يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾ (انعام/۹۹)
۶...وَفِى الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّنَخِيۡلٌ
صِنۡوَانٌ وَّغَيۡرُ صِنۡوَانٍ يُّسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى بَعۡضٍ فِى
الۡاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ (رعد)
۷...هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّـكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِيۡهِ
تُسِيۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ يُنۡۢبِتُ لَـكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾ (نحل/۱۰-۱۱)
۸...وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ
مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ
اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾ (انعام/۱۴۱)
۹...وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ
مَّوۡزُوۡنٍ {} وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ {} (حجر/۱۹-۲۰)
۱۰...اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى......ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤۡ

فَكُوْنَ}}(انعام /۹۵)[1]

## ترجمہ

۱۔۔۔کیاانہوں نے زمین میں نگاہ نہیں کی ، ہم نے اس میں کس قدرانواع واقسام کی نباتات اُگاتی ہیں؟۔۔۔۔اس میں (خدا کے وجود) روشن نشانیاں ہیں،لیکن ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔

۲۔۔۔کیاوہ بت جوتمہارے معبود ہیں بہتر ہیں یاوہ جس نے آسمان اورزمین کو پیدا کیاہے؟ اورتمہارے لئے آسمان سے پانی بھیجاہے جس سے ہم سے خوبصورت اورمسرت بخش باغ اُگائے ہیں،تمہارے بس کی بات نہیں تھی کہ تم ان درختوں کواُگاؤ کیاایسی صورت میں خُدا کے ساتھ کوئی اورمعبود ہے؟ ہرگزنہیں وہ ایسے لوگ ہیں (جو بے سمجھی کی وجہ سے )خُدا کی مخلوق کواس کے برابر قرار دیتے ہیں۔

۳۔۔۔اُس نے آسمانوں کوایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیاہے جو قابلِ رؤیت ہیں۔اورزمین میں پہاڑوں کوڈال دیاہے تاکہ وہ تمہیں لرزے میں نہ ڈال دے اوراس پر ہرقسم کے چلنے والی مخلوق کوپھیلا دیا۔اورہم نے آسمان سے پانی نازل کیااوراس کے ذریعہ روئے زمین میں مختلف قسم کے نباتات کے قیمتی جوڑے اُگائے ۔۔۔۔۔یہ خدا کی تخلیق ہے لیکن مجھے خُدا کے علاوہ وہ معبود دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیاہے؟لیکن ظالم لوگ واضح گمراہی میں ہیں۔

۴۔۔۔مُردہ زمین اُن کیلئے ایک آیت ہے۔ہم نے اُسے زندہ کیاہےاوراس سے دانے باہرنکالے ہیں اوروہ اس سے کھاتے ہیں اوراس میں کھجوروں اورانگوروں کے باغات بنائے ہیں اوراس سے چشمے باہرنکالے ہیں۔۔۔۔تاکہ وہ ان کے میوے کھائیں جب کہ ان کے ہاتھوں کا اُن کی تخلیق میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔کیاوہ خدا کا شکرنہیں بجالاتے ؟ ۔۔۔پاک ہے وہ خُدا جس نے تمام ''جوڑے'' بنائے ،ان سے بھی جو زمین سے اُگتے ہیں اورخودان سے بھی جو وہ نہیں جانتے۔

---

[1] قرآن مجید میں اوربھی بہت سی آیات ہیں جواسی چیز کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔مثلاً سورہ نبا کی آیت/ ۱۵۔طٰہٰ/ ۵۳۔عبس/ ۲۷۔ق/ ۷۔بقرہ/۲۶۱۔بقرۃ۔۲۲۔ ابراہیم/ ۳۲۔انعام/۱۴۱۔اعراف/۵۷۔نحل/ ۲۷۔

۵۔۔۔وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے اوراس کے ذریعہ مختلف قسم کی نباتات اُ گائی۔اور ہم نے اس سے تنے اورسبز شاخیں نکالیں،اوراس سے ایک دوسرے میں جڑے ہوئے دانے،اور کھجور کے درخت کے شگوفون سے باریک لڑیوں کے ساتھ خوشے باہرنکالے،اورانگور،زیتون اورانار کی مختلف قسمیں جوایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اورمختلف بھی ہیں۔ان کے میووں اوران کے پکنے کے طریقہ کارکودیکھو جب کہ میوے بن رہے ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جوصاحب ایمان ہیں۔

٦۔۔۔روئے زمین میں کئی ایسے ٹکڑے بھی ہیں جوایک دوسرے کے قریب قریب ہیں جوآپس میں مختلف ہیں اورانگور کے باغات ہیں اورزراعتیں اور کھجور کے درخت ہیں جوکبھی توایک تنے پراُ گتے ہیں اورکبھی دوپر۔وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔اوراس صورت میں ہم ان میں سے کچھ کوپھلوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر برتری عطا کرتے ہیں۔اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جواپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔

۷۔۔۔وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا کہ جس سے تم پیتے ہو،اوراس سے گھاس اوردرخت اُ گتے ہیں کہ تم اپنے جانوروں کووہاں پر چرانے کیلئے لے جاتے ہو۔۔۔۔۔خداوندِعالم اس(بارش کے پانی) سے تمہارے لئے زراعت،زیتون،کھجوراورانگوراگاتاہے اورمختلف قسم کے میوے۔یقینااس میں ان لوگوں کیلئے روشن نشانیاں ہیں جوغوروفکر کرتے ہیں۔

۸۔۔۔وہ وہی خداتو ہے جس نے بہت سے باغ پیدا کئے،جوکچھ تو(ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے ہیں اور( کچھ) بے چڑھائے ہوئے،اور کھجوروں اورمختلف زراعتوں کوجوذائقے کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں۔(نیز) زیتون اورانار کے درختوں کوجوایک لحاظ سے توآپس میں ملتے جلتے ہیں اوردوسرے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں(پتوں اوردرختوں کی ساخت کے لحاظ سے توایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں جب کہ اُن کے پھلوں کاذائقہ مختلف ہوتاہے) جب وہ پک کرتیارہوجائیں تواُن کے پھل اورمیوے کھاؤ،اوراُن کی چنائی اورکٹائی کے موقعہ پران کاحق اداکرو،اوراسراف نہ کروکہ خدااسراف کرنے والوں کودوست نہیں رکھتا۔

۹۔۔۔اورہم نے زمین کوبچھایااوراس میں استوار پہاڑ ڈال دیئے اورہرموزوں نباتات کواس میں اُ گایا۔اوراس میں تمہارے لئے زندگی کے کئی قسم کے وسائل قرار دیئے اوران لوگوں کیلئے بھی جنہیں تم روزی نہیں دے سکتے۔

۱۰۔۔۔خداوندِ عالم دانے اور گٹھلی کے چیرنے والا ہے۔ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے، یہ ہے تمہارا خدا، پس تم حق سے کیونکر روگردانی کرتے ہو؟ یہ اس خداوندِ عالم کے اندازے ہیں جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

# الفاظ کے معانی اور تشریح

''نبات'' دراصل ہر قسم کی انگوری ہے جو زمین سے اُگتی ہے خواہ اس کا تنا ہو جیسے درخت وغیرہ یا جیسے گھاس وغیرہ کہ عرب جسے ''نجم'' کہتے ہیں۔ لیکن عام طور پر یہ لفظ ایسی نباتات کیلئے بولا جاتا ہے جس کا تنا نہیں ہوتا اور زیادہ وسیع تعبیرات کے مطابق ''نبات'' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں نشوونما پائی جاتی ہے، خواہ وہ نباتات ہوں یا حیوانات اور انسان۔[۱]

''شجر'' ایسی نباتات کو کہتے ہیں جس کا تنا ہو اسی لئے قرآن میں ''نجم'' کے مقابلے میں ذکر ہوا ہے کہ جس کا تنا نہیں ہوتا۔ ''وَالنَّجْمُ والشَّجَرُ يَسْجُدَانِ'' یعنی گھاس اور درخت اسے سجدہ کرتے ہیں (سورہ رحمان/ ۶)

''مقائیس اللغۃ'' میں ہے کہ دراصل ''شجر'' کے دو معانی ہیں: ۱۔ اونچائی اور بلندی۔ ۲۔ کسی چیز کے اجزاء کا ایک دوسرے میں داخل ہونا۔ چونکہ درخت بلند بھی ہوتے ہیں اور اُن کی ٹہنیاں بھی ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہیں، لہٰذا انہیں ''شجر'' کہا جاتا ہے۔ ''مشاجرۃ'' کا معنی لڑائی جھگڑا، اختلافِ باہم اور زبانی کلامی لڑائی ہے، کیونکہ اس طرح سے فریقین کی باتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔

لیکن بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ اس مادہ کے اصل معنی ایسی چیز ہیں، جس میں نشوونما پائی جاتی ہے وہ اُوپر کو اٹھتی اور شاخیں اور پتے وغیرہ لے آتی ہے۔ کبھی معنوی امور پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے۔ ''وَالشَّجَرَةَ الْمَلعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ'' (بنی اسرائیل/ ۶۰) (کہ جسے ''زقوم کے درخت'' یا ''قوم یہوذ'' یا ''بنی امیہ'' سے تفسیر کیا گیا ہے)[۲]

''زرع'' کے بارے میں جس طرح کہ لغت کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، اس کا اصل معنی بیج اور دانوں کو زمین میں ملانے کا نام ہے۔ چونکہ نباتات کا اُگنا اور اس کے محصول کی برداشت، زمین میں بیج ملانے کے بعد ہوتا ہے۔ اسی لئے ان امور کو ''زرع'' کہتے ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ''زرع'' کا معنی اُگانا ہے اور یہ درحقیقت خدا کا کام ہوتا ہے۔ اگر زارع کا لفظ بندوں پر بولا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے اسباب اور مقدمات فراہم کرتے ہیں۔ کبھی ''مزروع'' (اُگی ہوئی چیز) کو بھی ''زرع'' کہا جاتا ہے۔ ''زرع'' کا لفظ عام طور پر گندم اور جو پر بولا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مفہوم وسیع ہے ان دو کو بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔[۳]

''ثمر'' کے بارے میں کتاب ''مقائیس اللغۃ'' میں آیا ہے کہ دراصل اس لفظ کا معنی ''ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیز سے پیدا ہو''، بعض

---

[۱] ''نبات'' میں مصدری اور اسم مصدری دونوں قسم کے معانی پائے جاتے ہیں۔

[۲] مفردات راغب، مقائیس اللغۃ، مصباح اللغۃ اور التحقیق فی کلمات القرآن الکریم۔

[۳] مفردات راغب، لسان العرب اور التحقیق فی کلمات القرآن الکریم و صحاح اللغۃ۔

حضرات نے کہا ہے کہ اس کا معنی فقط وہ نتیجہ اور پھل ہے جو درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض دیگر اربابِ لغت کا کہنا ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز سے متولد اور حاصل ہو، خواہ کھائی جاتی ہو یا کھائی نہ جاتی ہو، حسبِ منشا ہو یا نہ ہو شیریں ہو یا تلخ ''ثمر'' کہلاتی ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ ثمر دراصل ایک محدود مفہوم کا حامل ہے جو صرف اس میوہ پر بولا جاتا ہے جو درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں اس مفہوم نے وسعت پیدا کر لی اور کنایہ کی صورت میں ہر چیز کے محصول اور مولود پر بولا جانے لگا حتیٰ کہ کہا جانے لگا کہ اس مکتب یا ان تعلیمات کا ثمرہ یا میوہ یہ یہ چیز ہے اور روایت میں ہے ''اُمُّكَ اَعْطَتْكَ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهَا'' (تیری ماں نے تجھے اپنے دل کا میوہ عطا کیا ہے یعنی ماں کے دودھ یا مامتا کی طرف اشارہ ہے) اور روایات میں اولاد کو بھی ''ثمرہ فواد'' (دل کا میوہ) کہا گیا ہے۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## سبز درختوں کے پتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

سب سے پہلی آیت میں مشرکین یا منکرین خدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے، ''کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کس قسم کی قیمتی نباتات اس میں اُگائی ہیں؟'' (اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ) پھر صراحت کے ساتھ فرماتا ہے۔ ''اس موضوع میں خدا کے وجود پر روشن نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ہرگز ایمان نہیں لاتے۔'' (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)

اگر وہ لوگ ان تمام رنگارنگ نباتات، پھولوں، پھلوں، درختوں، سبزہ جات سنبل کے درختوں اور مختلف النوع زراعت کی طرف غور سے نگاہ کریں تو ان میں اس کی نشانیوں کی اچھی طرح پائیں گے۔ لیکن وہ ایمان نہیں لانا چاہتے اور اس کی ذاتِ مقدس کے چہرہ کو چشمِ دل سے نہیں دیکھنا چاہتے، ورنہ اس کا جمال کسی پر مخفی نہیں۔ پس نہ تو وہ سننے والے کان رکھتے ہیں جن سے وہ خدا کی تشریعی آیات کو سن اور نہ ہی دیکھنے والی آنکھیں رکھتے ہیں جن سے اس کی تکوینی آیات کو دیکھ سکیں۔ یہاں پر ''زوج'' سے کیا مراد ہے؟ بہت سے مفسرین نے اس کی صنف اور نوع کے معنی میں تفسیر کی ہے اور اسے نباتات کی کئی مختلف اقسام کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو واقعاً کسی حد اور حساب سے باہر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خدا کی آیات شمار ہوتی ہے۔

کئی اور مفسرین کا احتمال ہے کہ ''زوجیت'' کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہے جو عالمِ نباتات میں (نر اور مادہ کی صورت) میں ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا انکشاف سوئڈن کے مشہور ماہرِ نباتات BOTANIST مسٹر ''لینے'' نے وسیع تجربے کی بنیا پر اٹھارہوں صدی عیسوی کے درمیان کیا کہ اکثر نباتات بھی حیوانات کی مانند نر اور مادہ کی باہمی ملاقات سے بارور ہو کر اپنا ثمر دیتے ہیں جب کہ قرآنِ مجید نے یہ حقیقت کئی صدی پہلے بتا دی ہے۔ چونکہ ان دونوں معانی کے درمیان کسی قسم کا تضاد نہیں ہے لہٰذا دونوں معانی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

’’زوج‘‘ کی صفت ’’کریم‘‘ کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور ’’کریم‘‘ کے معنی قیمتی چیز کے ہوتے ہیں۔لہٰذا اس سے نباتات کی مختلف انواع کی اہمیت اور ان کی بے حدوحساب قدروقیمت کی طرف اشارہ ہے۔نباتات کی انواع واقسام اس قدر زیادہ ہیں کہ بعض سائنسدانوں نے لکھا ہے کہ ’’کھجور‘‘ کی تین ہزار سے زائد قسمیں ہیں، ’’انجیر ہندی‘‘ یا برگد کی ایک ہزار سات سو سے زائد، ’’گل ثعلب‘‘ کی بارہ سو سے زائد، ’’کھمبیوں‘‘ کی ایک لاکھ سے زائد اور ’’جلبک‘‘ (کوندر) کی چار ہزار سے زائد قسمیں ہیں۔اسی طرح ’’سیب‘‘ کی سات ہزار انواع اور گندم کی پینتیس ہزار اقسام ذکر کی گئی ہیں۔[1] واقعی ان انواع کے ساتھ نباتات کا یہ وسیع عالم کس قدر عجیب ہے اور ان کا خالق ومدبر کس قدر عظیم ہیں؟

دوسری آیت میں ’’توحید معبود‘‘ کے اثبات کیلئے لوگوں کو زمین وآسمان کی تخلیق اور نزولِ باران کے اسرار کے مطالعہ کی دعوت دینے کے بعد فرماتا ہے۔’’ہم نے اس کے ذریعہ خوبصورت تروتازہ اور سرسبز وشاداب باغات اُگائے ہیں۔‘‘(فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ)[2]

’’تم ان باغات کے خوبصورت درختوں کو ہرگز نہیں لگا سکتے۔‘‘(مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا)

’’کیا ایسی صورت میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟‘‘(ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ)

لیکن یہ نادان لوگ ہیں جو اپنے عظیم پروردگار سے منہ موڑے ہوئے ہیں جو ان تمام عجائبات اور محیرالعقول اشیاء کا خالق ہے اور ایسی موجودات کو اس کا شریک اور برابر قرار دیتے ہیں جن میں کسی قسم کی قدرت اور توانائی نہیں ہے۔(بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ)

’’يَعۡدِلُوۡنَ‘‘ کی تعبیر یا تو اس لئے بیان ہوئی ہے کہ اس میں عدول کا معنی پایا جاتا ہے اور مراد خداوندِ واحد ولاشریک سے ان کا عدول ہے یا پھر اس کا عدیل اور شریک قرار دیتے ہیں۔یقیناً انسان کا کام بیج ڈالنا اور پانی دینا وغیرہ ہوتا ہے۔لیکن جو ذات اس چھوٹے سے بیج کے دل میں زندگی کی روح ڈالتی اور اسے اس قدر قدرت عطا کرتی ہے کہ وہ ایک بلند قامت درخت کی صورت اختیار کرکے بارور، خرم سرسبز وشادات ہوکر باغات میں دلفریبی کا منظر اختیار کرلیتا ہے اور جسے دیکھ کر انسان وجد اور سرور میں آجاتا ہے، خداوند عالم ہی ہے۔

اگر بہار کے کسی دن میں انسان ان خرم وسرسبز وشاداب باغات میں سے کسی ایک میں قدم رکھے اور ظاہری آنکھوں کے ساتھ دل کی آنکھوں کو بھی کھول کر ان انواع واقسام کی زیبائیوں، شگفتگیوں، رنگ برنگے پھولوں، پتوں اور مختلف پھل اور میووں کو دیکھے تو بادۂ توحید سے یوں سرمست ہوجائے کہ بے اختیار نغمۂ توحید الاپنا شروع کردے اور اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوجائے کہ:

یک　　ہست　　ویچ　　نیست　　جز او

وَحۡدَهٗ　　لَآ　　اِلٰهَ　　اِلَّا　　هُوَ

---

[1] کتاب ’’جہانِ گلہا‘‘ صفحہ ۹۹ تا ۱۱۸

[2] ’’حدائق‘‘، ’’حدیقۃ‘‘ کی جمع ہے جس کا معنی باغ ہے اور دراصل یہ اس زمین کے معنی ہے جہاں پر پانی اکٹھا ہو۔بہت سے مفسرین نے اس کی ایسے باغ کے معنی سے تفسیر کی ہے جس کی چاردیواری ہو اور اس میں کافی مقدار میں پانی ہو۔

(صرف اورصرف وہی ایک ذات ہی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے اوراس کے سوا کوئی معبود نہیں) اوریہیں پراس مطلب کوتسلیم کرلے کہ:

هرگیاهی که اززمین روید
وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ گوید

(جو تنکا بھی زمین سے اُگتا ہے،"وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کہتا ہے)

مندرجہ بالا آیت میں تیسری آیت میں پروردگارِ عالم کی توحید کے پانچ دلائل اوراُن کی آفاقی آیات (آسمان کی غیرمرئی ستونوں کے بغیر تخلیق، پہاڑوں کی پیدائش، حیوانات اورزمین کے دوسرے چلنے والوں کی آفرینش، بارش کی پیدائش اورنباتات کی تخلیق) کے ضمن میں مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے،"یہ خداوندِ عالم کی تخلیق ہے ،لیکن تم مجھے دکھاؤ کہ اس کے علاوہ دوسرے معبودوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟"(هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ)

آیت کے آخر میں فرماتا ہے"بلکہ ظالم (مشرک) لوگ کھلم کھلا گمراہی میں ہیں۔"(بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) یہ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص چشمِ بینا بھی رکھا ہواور کائنات میں پروردگارِ عالم کی قدرت اور حکمت اورعظمت کے آثار کو بھی آنکھوں سے دیکھے، پھربھی اس کے غیر کے آگے سرتسلیم خم کرے!

ان آیات میں ایک بار پھر نباتات کے بارے میں ہم"كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ" کے جملہ کو پاتے ہیں جس میں مفیداورسودمند نباتات کی حد سے زیادہ انواع واقسام اورعالمِ نباتات میں ان کے جوڑا جوڑا ہونے کی غمازی ملتی ہے اورراہِ توحید کے تمام راہیوں کواس موضوع کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔

"ظلم" کا لفظ وسیع مفہوم کا حامل ہے جس میں ہرچیز کواس کے غیرمحل میں رکھنا بھی شامل ہے۔ چونکہ مشرکین اس کائنات کا نظم ونسق سنبھالنے کا اختیار بتوں کیلئے سمجھتے تھے یاانہیں خلق اورخالق کے درمیان واسطہ سمجھ کران کے آگے سجدہ کرتے تھے، لہٰذا بہت بڑے گناہ اورضلالت کے مرتکب ہوتے تھے۔ پس یہ حکم آیتِ بالا میں شرک کے معنی میں آیا ہے یا پھراپنے وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے اورشرک اس کا واضح ترین مصداق ہے۔ بغیر بتائے یہ بات واضح ہے کہ"ارونی"(مجھے دکھاؤ) کا جملہ درحقیقت پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ہے۔ باالفاظِ دیگر آنجناب کو حکم دیا گیا ہے کہ یہ جملہ مشرکین سے کہیں کیونکہ خدا کو دکھلانا تو بے معنی بات ہوتی ہے۔

اسی سلسلے کی چوتھی آیت میں جو سورہ یٰس کی آیت ہے صراحت کے ساتھ فرماتا ہے"جس مردہ زمین کو ہم نے زندہ کیا ہے، ان کیلئے پروردگارِ عالم کی ایک اہم آیت اورنشانی ہے۔"(وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا)

حقیقت یہ ہے کہ حیات وزندگی کا مسئلہ توحید کے اہم ترین دلائل میں سے ایک ہے خواہ یہ عالمِ نباتات میں ہو یا حیوان اورانسانوں کی دنیا میں یہ ایک نہایت ہی اسرارآمیز اورمحیرالعقول مسئلہ ہے۔ جس نے بڑے بڑے دانشوروں کے افکار کوورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ سائنس کی اس قدر عظیم پیمانے پرترقی کے باوجود زندگی کا معمہ ہنوز حل نہیں ہوسکا اورکوئی شخص اچھی طرح نہیں جانتا کہ کس طرح اورکن عوام کی

بنیاد پر بے جان مخلوق، زندہ مخلوق میں تبدیل ہوجاتی ہے۔اس کے بعد مردہ زمینوں کے زندہ ہونے ،غذا کے طور پر استعمال ہونے والے اناج (مثلاً گندم ،جوٗ ، جوار، باجرہ ،مکئی وغیرہ) انگور کے سرسبز باغات ،نخلستانوں اورآب زلال کے چشموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ،''مقصد یہ ہے کہ وہ ان میووں کوکھائیں ، ایسے میوے جن کے باغات میں ان کے ہاتھوں کا کوئی دخل نہیں ہے ۔اس کے باوجودبھی وہ خدا کا شکر بجانہیں لاتے ؟''(لِيَاكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ)

''وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ''(ان کے ہاتھوں کوان کی تخلیق میں کوئی دخل حاصل نہیں )اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ پھل میوے ہرلحاظ سے آمادۂ غذا ہوتے ہیں،مکمل اور پسندیدہ غذا جسے نہ تو پکانے کی ضرورت ہوتی ہے اورنہ ہی جس میں کسی اور چیز اضافہ کرنے کی ، وہ پکی پکائی مکمل غذا ہوتے ہیں۔نہ توخودان کے اصل وجود میں انسان کوکوئی دخل حاصل ہے اورنہ ہی ان کے کھانے کیلئے آمادہ کرنے میں انسان کا کام توصرف بیج ڈالنااورکھیتی کا سینچنا ہوتا ہےاوربس![1]

بہرحال ان تمام رنگ برنگی نعمتوں کی تخلیق کا مقصد یہ نہیں تھا کہ انسان انہیں جانوروں کی طرح چٹ کرجائے!اورصحرائے زندگی میں انہیں چرتا پھرتا اسی حالت میں عمر ضائع کردے۔ پھرمرجائے اورمٹی بن جائے !!یہ مقصد نہیں تھا۔منتہائے مقصود یہ تھا کہ انہیں دیکھے اورشکرگزاری کی حس اس میں زندہ ہواور''شکرِ منعم'' کے راستے سے ان نعمتوں کے عطا کرنے کی معرفت حاصل کرے جوسب سے بڑھ کرایک نعمت ہے اورانسانی ارتقاء کا بالاترین مرحلہ ہے۔

ایک نکتہ جومندرجہ بالا آیت میں مکمل طور پر توجہ مبذول کراتا ہے وہ یہ ہے کہ نباتات کی دنیا میں جوڑا جوڑا ہونے کے مسئلہ کوانسانوں کی دنیا کے جوڑا جوڑا ہونے کے ساتھ ساتھ فرماتا ہے اورکہتا ہے''پاک ہے وہ کہ جس نے تمام جوڑوں کوخلق فرمایا،وہ بھی زمین سے اُگتے ہیں ،خودانسان کے وجود سے اوروہ بھی جووہ نہیں جانتے ۔''( سُبْحَانَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ)

یہ تعبیراس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مرادنرومادہ کی جنس سےاورنباتات کی دنیا میں زوجیت کے وجودکووسیع انداز میں ثابت کرتا ہے جوقرآنِ مجید کے علمی معجزات میں سے ایک ہے،کیونکہ اس زمانے میں یہ بات انسان کومعلوم نہیں تھی کہ نباتات میں بھی نراور مادہ حصے ہوتے ہیں اورسفوف جوکہ نرکا نطفہ ہوتا ہے نباتات سے اُڑکر مادہ حصے پر جابیٹھتا ہےاوراس ملاپ کا کام دیتا ہے،جس سے نباتات کا نطفہ منعقد ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ''وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ''(اوران چیزوں سے جوتم نہیں جانتے )کے جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہوکہ زوجیت کا مسئلہ بہت وسیع ہے اورابھی کس قدر موجودات ایسی ہیں جن کی زوجیت کے وجود سے تم آگاہ نہیں ہواورعلم ودانش اورسائنس وٹیکنالوجی کی ترقی

---

[1] یہ اس صورت میں ہے جب''ماعملتہ ایدھم''کے جملہ میں''ما''نافیہ ہو(اورظاہراًہے بھی ایسا ہی )لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ شاید موصولہ ہو،ان میووں کی طرف اشارہ ہوگا جوپیوند کی وجہ میں آتے ہیں،اورجن میں انسان کوعمل دخل حاصل ہوتا ہے یا پھروہ چیزیں مراد ہوں جوپھلوں سے حاصل کی جاتی ہیں۔مثلاً انگوراورکھجور سے حاصل ہونے والاشیرہ یاسرکہ ہے۔البتہ پہلی معنی زیادہ مناسب ہیں۔

اس سے پردہ اٹھائے گی ۔(جیسا کہ یہ مسئلہ ایٹموں ATOMS کے بارے میں پایہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ وہ دو مختلف حصوں سے مرکب ہیں، جیسا کہ دو جفت ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں ۔ ایک الیکٹران ELECTRON اور دوسرا پروٹون PROTON ہے ۔الیکٹران میں منفی الیکٹرک سٹی ہوتی ہے اور پروٹون میں مثبت )اس طرح کے کئی اور موضاعات ہیں جہاں تک ہنوز انسانی علم ودانش کی رسائی نہیں ہوسکی ہے۔

پانچویں آیت میں جو مختلف طریقوں سے خداوندِ عالم کے تعارف کے ساتھ شروع ہورہی ہے، پہلے تو آسمان سے بارش کے نزول کی طرف اشارہ کیا ہے پھر فرماتا ہے ۔''ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی اُگنے والی چیزوں کو زمین سے نکالا''(فَاَخۡرَجۡنَابِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيۡءٍ )ممکن ہے کہ یہ ''نَبَاتَ كُلِّ شَيۡءٍ ''(ہر چیز کی نباتات ) سے مراد مختلف نباتات کی طرف اشارہ ہو جن کی ایک ہی پانی سے آبیاری ہوتی ہے اور ایک ہی قسم کی مٹی سے پرورش پاتی ہیں ۔لیکن ان کی صورتیں مختلف ،ذائقے مختلف اور خواص مختلف بلکہ بسا اوقات متضاد ہوتے ہیں ۔ یہ چیز خداوندِ عالم کی تخلیق کے عجائبات میں سے ہے۔

یا یہ کہ اس سے مراد ایسی نباتات ہیں جو تمام پرندوں اور برّی اور بحری جانوروں اور انسانوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں ۔[1] دونوں معانی کو یکجا کرنا ممکن ہے )پھر ایک اور نکتہ کو بیان کرنے کیلئے فرماتا ہے''پھر ہم اس (پانی یا نباتات ) سے سبز تنے ،شاخیں اور پتے باہر نکالتے ہیں۔''(فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا )

اس طرح نباتات کے سبز مادہ ''کلوروفل'' CHLOROFIL کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو نباتات کا ایک اہم ترین اور مفید ترین جزو ہے۔وہی خوبصورت، دلربا، دلکش اور فرحت بخش سبزہ جو تاریک مٹی اور بے رنگ پانی سے وجود میں آتا ہے۔

''خَضِرًا'' کی تعبیر اگرچہ مطلق ہے،لیکن بعد کے جملہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتا ہے ۔''ہم اس سے وہ دانے باہر نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پرسوار ہوتے ہیں''(نُخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا )جو اشارہ ہے گندم ،جو، جوار، باجرہ اور مکی وغیرہ کے تنے اور خوشوں کی طرف ۔[2]

اس کے بعد کھجور کے درختوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتا ہے''طلع (کھجور کے سربستہ خوشے جو سبز رنگ کے خوبصورت غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں )سے باریک اور لطیف ریشے باہر آتے ہیں''۔(وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ )

''قنوان''،''قنو''(بروزن حزب )کی جمع ہے جس کے معنی باریک ریشے ہیں جو''طلع'' کے پھٹنے کے بعد اس سے باہر نکلتے ہیں اور بعد میں کھجور کے خوشے ان سے تشکیل پاتے ہیں۔

''دانیۃ''(نزدیک )کی تعبیر سے شاید ان خوشوں کے آپس میں قریب ہونے کی طرف اشارہ یا پھر کھجور کے پھل کی وجہ سے سنگین

---

[1] اس صورت میں جملہ کا مفہوم (فاخرجنا بہ نباتًا لکل شیء'' ہوگا۔

[2] 'متراکب'،''رکوب'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں سوار ہونا اور یہ ان دونوں کی طرف اشارہ ہے جو خوشے (بالی )کی صورت میں ایک دوسرے پرسوار ہوتے ہیں اور نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں۔

ہوکران کے زمین کی طرف جھکنے کی طرف اشارہ ہے۔بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ خرما کے خوشے مختلف ہوتے ہیں،بعض تو کھجوروں کی نچلی طرف واقع ہوتے ہیں اور آسانی کے ساتھ ان تک رسائی ہوجاتی ہے اور بعض انسانی کی دسترس سے دور ہوتے ہیں جن سے استفادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔خداوندعالم نے پہلی قسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے جوزیادہ مفید ہوتی ہے۔[1]

آیت کے سلسلے کوآگے بڑھاتے ہوئے انگور، زیتون اور انار کے باغات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔(وَجِنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ) کہ ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کے باوجود بھی آپس میں مختلف ہوتے ہیں ، اور مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔(مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ)

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ میوہ جات اور پھل دیکھنے میں توایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ذائقے میں مختلف ہیں (جیسے کھٹے میٹھے انار وانگور)۔بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں ان میں سے کچھ کے درختوں کے پتے آپس میں ملتے ہیں جیسے زیتون اور انار کے پتے، جب کہ اُن کے پھل مختلف ہوتے ہیں۔لیکن بہتر یہی ہے کہ اس آیت کا وسیع تر مفہوم بیان کیا جائے جو مختلف قسم کی شباہتوں اور باہمی فرق کی طرف اشارہ ہو۔پھر مزے کی بات یہ ہے کہ آیت کے آخر میں سب لوگوں کو پھلوں کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔''میوے کی ساخت کی طرف دیکھو جب وہ ظاہر ہوجاتا ہے، میوے کے پکنے کی کیفیت کو دیکھو''(اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ)

''کیوں اس میں خداوندِ عالم کی عظمت ،قدرت اور حکمت کی ان لوگوں کیلئے آیات اور نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔''(اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

ایک نشانی نہیں بلکہ کئی نشانیاں ہیں۔کیونکہ پھلوں کی پیدائش بھی عالمِ حیوانات میں بچوں کی پیدائش کی مانند ہوتی ہے۔نر کا نطفہ ہواؤں یا حشرات کے ذریعہ مادہ حصہ میں جا بیٹھتا ہے اور''لقاح'' کے عمل اور ایک دوسرے سے مل جانے کے بعد سب سے پہلا تخم اور نطفہ تشکیل پاتا ہے پھر اس کے اطراف میں میوے کا تانا بانا شروع ہوجاتا ہے۔پھر عضلات ،گودا اور باریک اور ظریف رگیں اسے غذا پہنچانا شروع کر دیتی ہیں۔

اس چھوٹے سے پھل کے اندر ایک عظیم لیباٹری پنہاں ہے جو مسلسل سرگرم رہتی ہے اور تازہ ترین خواص کے ساتھ نئی نئی ترکیبیں عمل میں لاتی رہتی ہے۔پھل آغاز میں تو بے مزہ ہوتا ہے، پھر مکمل طور پر ترش اور بعد میں بطور کامل شیریں۔ہر وقت کوئی نئی ترکیب اس میں وجود میں آتی رہتی ہے اور اس کا رنگ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔یہ خُدائی تخلیق کے عجائبات میں سے ایک ہے اور خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید کی مندرجہ بالا آیات میں انسان کو خصوصی طور پر اس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔

اسی سلسلے کی چھٹی آیت میں پہلے تو زمین کے مختلف قطعات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں مختلف درختوں اور دیگر نباتات وغیرہ کی پرورش کی استعداد پائی جاتی ہے پھر فرمایا ہے۔''زمین میں مختلف قطعات ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں''۔(جن میں مکمل

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۴ ص ۲۴۸۴

طور پر مختلف طرح کی لیاقتیں اوراستعداد پائی جاتی ہیں )(وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ )
باوجود یکہ یہ قطعات ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ توشیریں اورزراعت کے قابل ہوتے ہیں اوربعض شورہ زار کہ جھاڑی تک جس میں نہیں اُگ پاتی ۔بعض ایسے قطعے ہوتے ہیں جوصرف درختوں یاان کی بھی کسی خاص قسم کیلئے کاشت کا کام دیتے ہیں۔ جب کہ دوسرے بعض جوزراعت یازراعت کی بھی کسی خاص قسم کیلئے مناسب ہوتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ زمینیں توآپس میں ملی ہوتی ہیں لیکن ان کے کام جُدا جُدا ہوتے ہیں۔

اس مقدمہ کے ذکر کے بعد درختوں اورزراعت کی دیگر مختلف قسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''اوراسی زمین میں انگور، زراعت اور کھجور کے باغات کی مختلف قسمیں ہیں جن میں سے کچھ توایک تنے پراُگتی ہیں اور کچھ کئی تنوں پر''(وَجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّنَخِيۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَيۡرُ صِنۡوَانٍ)

''اعناب'' ۔''عنب'' کی جمع ہے جس کے معنی انگور ہے اور''نخیل''، ''نخل''اور''نخیلہ'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کھجور کا درخت ۔ان دونوں صیغوں کوجمع کی صورت میں شایداس لئے بیان کیا گیاہے کہ یہ انگوراور کھجورکی مختلف اقسام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان دونوں کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں مختلف قسمیں ہیں۔

'صِنۡوَانٌ غُيۡرُ صِنۡوَانٍ'' کی تعبیراس بات کی پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ ''صنوان''، ''صنو'' کی جمع ہے جس کے معنی وہ شاخیں ہیں جودرخت کے اصلی تنے سے نکلتی ہیں۔ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہوکہ مختلف اورگوناگوں پیوندوں کے ذریعہ ایک درخت میں مختلف میوہ جات کی پرورش کی صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے۔اس طرح یک ہی تنے، ایک ہی جڑ، ایک ہی پانی اورایک ہی مٹی سے ایک درخت کی ایک شاخ کی مختلف ٹہنیوں پرگوناگوں میوے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ تخلیق عجائبات میں سے ایک ہے۔ ممکن ہے یہ تفاوت شاخوں کے اس تفاوت کی طرف اشارہ ہوجوایک ہی تنے پرتواُگتی ہیں لیکن ان کے طبعی پھلوں میں فرق پایا جاتا ہے۔

پھرصراحت کرتے ہوئے فرماتا ہے ''یہ اپنے تمام ترفرق کے باوجودایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔''(يُسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ)''اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم میووں کے لحاظ سے بعض کودوسرے بعض پرفضیلت دیتے ہیں۔''(وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى فِي الۡاُكُلِ )
یقینی بات ہے کہ اس بارے میں عقلمندوں کیلئے کئی آیات اورنشانیاں ہیں۔''(اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ)

یقیناً تعجب آور ہے یہ بات کہ پانی بھی ایک ہے اورمٹی بھی ایک ہے، لیکن ان پھلوں کا باہمی فرق اس قدرزیادہ ہے کہ ایک تومکمل طور پرشیریں ہے اوردوسراپوری طرح کھٹا(بہت سے علاقوں میں لیموں اور کھجوروں کے درخت ساتھ ساتھ اُگتے ہیں ) یاایک ہی کھیت میں روغن داراجناس کوکاشت کیا جاتا ہے۔جن کے خواص یقیناً مختلف ہوتے ہیں، حتیٰ کہ خودان پھلوں یاان غلات کی بھی کئی قسمیں ہیں جن کا آپس میں بھی فرق ہوتا ہے۔ یہ کسی عجیب وغریب مشینری درختوں کی شاخوں اوران کے رگ وریشوں میں چھپی ہوئی ہے جس میں اس قدرقدرت ہوتی ہے کہ وہ مختلف کیمیکل موادکومکمل طور پرمختلف خواص میں تبدیل کردے اوروہ بھی ایک قسم کی مٹی اور پانی سے استفادہ کرتے ہوئے!!

اگرخالقِ کائنات کے علم وقدرت پراسی مسئلے کے سوا کوئی اوردلیل نہ بھی ہوتا ہم وہ اس عظیم مبداء کی معرفت کیلئے یقیناً کافی تھا،

اور بقول یکے از شعرائے عرب:

والارض فیهاعبرة للمعتبر
تخبرعن صنع مليك مقتدر
تسقى بماء واحداشجارها
وبقعة واحدة قرارها
والشمس والهواء ليس يختلف
واكلهامختلف لايأتلف
نماالذى اوجب ذاالتفاضلاً
الاحكيم لمه يرده جابطلاً

یعنی زمین عبرت حاصل کرنے والے کیلئے عبرت ہے، کیونکہ وہ ایک صاحبِ اقتدار سلطان کی مصنوعات کی خبر دے رہی ہے۔
اس کے تمام درخت ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک ہی زمین ان کی قرار گاہ اور اُن کے اُگنے کا مقام ہے۔
دھوپ اور ہوا بھی مختلف نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے تمام پھل اور میوے مکمل طور پر مختلف ہیں
ان تمام اختلافات کا باعث کون سی چیز ہے سوائے اس خداوندِ حکیم کے جس کا عظیم ہدف ہے، اس کے ارادہ میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔[1]

ساتویں آیت میں جو اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے توحیدی دلائل کی تشریح اور خداشناسی کے دلائل کی تفصیل بیان کر رہی ہے ، ارشاد ہوتا ہے، ''خداوندِ عالم وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی بھیجا جو ایک تو تمہارے پینے کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور دوسرے اس سے درخت اور دیگر نباتات کو اُگاتا ہے جس میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو'' (هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ)

نہ تو ہر پانی انسان کے پینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ہی ہر پانی نباتات کی پرورش کیلئے مفید ہوتا ہے، لیکن آسمانی پانی ہر ایک کیلئے مفید اور سرمایہ حیات ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ''شجر'' کے لغوی معنی بڑی وسعت کے حامل ہیں۔ اس میں ہر قسم کی نباتات شامل ہیں خواہ ان کا تنا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اور ''تسیمون'' کا لفظ ''اسامہ'' سے اور وہ ''سوم'' کے مادہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ''جانوروں کا چرانا'' ہیں۔[2] ر چونکہ جانور چرتے وقت گھاس اور درخت کے پتوں دونوں قسموں سے استفادہ کرتے ہیں، اس لئے درختوں کے پتوں کی شجر سے تعبیر نہایت ہی مناسب

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۱۳ ص ۹۳

[2] البتہ ''سوم'' کا اصل معنی تو ہے ''علامت لگانا'' اور چونکہ جانور چرنے کے موقعہ پر در حقیقت زمین پر علامت لگاتے ہیں اسی لئے یہ لفظ ان کے استعمال ہوتا ہے۔

معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ہر دو کو شامل ہے۔

پھر فرماتا ہے ''خداوندِ عالم تمہارے لئے بارش کے اس پانی کے ذریعہ زراعت، زیتون، کھجوریں اور انگور کی تمام قسمیں اگاتا ہے اور ہر قسم کے دوسرے میوہ جات بھی۔'' (يُنۡبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرَات)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں تمام میووں، تمام قسم کی زراعت اور غلہ جات کا ذکر آجاتا ہے۔لیکن تین قسم کے پھلوں پر خصوصاً زیادہ زور دیا گیا ہے اور یہ ان کی حد سے زیادہ اہمیت کے پیشِ نظر ہے کیونکہ یہ تینوں میوے غذائی نقطہ نظر سے بھی اور وٹامن کی کئی اقسام کے لحاظ سے بھی جو آج کے سائنسی دور میں واضح تر ہو چکی ہیں، بڑی افادیت کے حامل ہیں۔[1]

اس آیت کے آخر میں ایک بار پھر تاکید کے ساتھ فرماتا ہے، ''ان امور میں خداوندِ عالم کی حکمت، عظمت اور قدرت کی ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو صاحبانِ عقل وفکر ہیں۔'' (اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ)

اور جو لوگ ان واضح اور آشکار آیات میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے وہ انسان کہلانے کے اہل نہیں ہیں اور بقول شاعر ؎

اینہمہ نقش عجب بر درو دیوارِ وجود
ہر کہ فکرت نکند نقش بود بر دیوار
کہ تواند کہ دہد میوۂ رنگین از چوب؟
یا کہ داند کہ برآرد گلِ صدرنگ از خار
''ارغوان'' ریختہ بردرگہ خضرائی ''چمن''
چشمۂ ہائی کی درآن خیرہ بماند ابصار

''یعنی شہرِ وجود کے درودیوار پر یہ عجیب وغریب قسم کے نقش ونگار موجود ہیں، اور جو شخص اس بارے میں غور وفکر سے کام نہ لے اسے دیوار دے مارا جائے۔

کس کی جرأت ہے کہ لکڑی سے رنگین قسم کے پھل نکالے؟ یا کون ایسا ہے جو کانٹوں صدرنگ کے پھول اُگائے؟

''ارغوان'' کے پھول ''چمن'' کے سبزہ زار کی بارگاہ پر نچھاور کئے ہیں اور ایسے چشمے جاری کئے ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

آٹھویں آیت میں عالمِ نباتات کی ایک قسم کا تذکرہ ہے جسے توحید کی دلیل اور عظمت پروردگار کے تعارف کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔فرماتا ہے ''وہ وہی ہے جس نے ایسے باغات پیدا کئے جو (چھجوں کی ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں۔اور ایسے باغات بھی جن کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (وَهُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ)

---

[1] اس گفتگو کی تفصیل تفسیر نمونہ جلد ۱۱ میں مطالعہ فرمائیں۔

''معروش''، ''عرش'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں بلند پایوں والا تخت یا چھت اس آیت میں اس کا کیا مفہوم ہے، اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ معروشات کے لفظ سے ایسے باغات کی طرف اشارہ ہے جس کے درخت کو چھجے کی ٹیٹوں SHEAFFOLDING پر چڑھاتے ہیں جیسے انگور کی بیلیں ہیں کہ جن کیلئے بہت سے مقامات پر ایسے چھجے بنائے جاتے ہیں۔''غیر معروش'' ایسے باغات ہیں جن کے درختوں کیلئے اس قسم کے چھجوں کی ٹیٹوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے ،یعنی جیسے کھجوروں کے یا سیب اور انجیر کے باغات ہیں۔

جب کہ بعض دوسرے مفسرین نے ''معروش'' کو گھریلو درختوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو باغ کی دیواروں کے ذریعہ محفوظ کئے جاتے ہیں اور ''غیر معروش'' کا جنگل اور بیابان کے درختوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ اس بارے میں تیسرا نظریہ یہ ہے کہ پہلا لفظ ان درختوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی بلند قامتی کے ساتھ پوری رعنائی کے ساتھ سر اٹھائے کھڑے ہیں اور دوسرا ان درختوں کی طرف جو بیلوں کی صورت میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔[1]

لیکن پہلی تفسیر سب زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال یہ عجیب بات ہے کہ سرو اور صنوبر جیسے بلند و بالا درخت جو بالکل سیدھے اور مستقیم ،آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑے ہیں اور اس حد تک پائیداری اور رعنائی کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں ،آندھیوں کے زبردست جھکڑ اور پے در پے طوفان بھی انہیں اپنے اس ''صراط مستقیم'' سے ذرہ برابر بھی منحرف نہیں کر سکتے ،جب کہ بعض دوسرے درخت جیسے بیلیں وغیرہ ہوتی ہیں، جو بل کھاتی اور پیچ و خم کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک قسم اپنے اندر ایک کائنات لئے ہوئے ہے۔

انگور کی بیلیں اپنے کثیر تعداد میں وزنی خوشوں کے ساتھ صنوبر کے درخت کی مانند اٹھی ہوئی ہوتیں تو ایک ہی دن میں ٹوٹ کر زمین پر آرہتیں۔ پھر یہ بھی کہ انسانوں کی دسترس سے مکمل طور پر دور ہو جاتیں جب کہ انگور کے باغات میں ایک بچہ بھی تمام انگور چُن سکتا ہے۔ پھر چار قسم کے میوہ جات اور زراعت پر زور دیتے ہوئے فرماتا ہے''اور کھجور اور زراعت کہ جس کے مختلف پھل ہوتے ہیں، اسی طرح زیتون اور انار ہیں جو ایک لحاظ سے تو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور دوسرے لحاظ سے مختلف ہیں، یعنی اُن کی ظاہری ساخت تو ایک جیسی ہوتی ہے جبکہ ان کے پھل ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔(وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُه، وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ)

اس بات کی طرف بھی توجہ رہنی چاہیے کہ ''جنات''، ''جنت'' کی جمع ہے جس کا اطلاق باغ پر بھی ہوتا ہے اور زراعت سے ڈھکی ہوئی زمین پر بھی، اور''اکل''(بروزن دُہل)''اکل''(بروزن مکر) کے مادہ سے ہے جس کا اطلاق کھائی جانے والی تمام چیزوں پر ہوتا ہے۔ بہرحال صرف درخت، زراعت اور نباتات ہی ظاہری طور پر انواع و اقسام کی حامل نہیں ہیں بلکہ ان کے میوے اور دیگر محصولات بھی بہت مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ہیں۔ رنگ ذائقے اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے بھی غذائی مواد اور گونا گوں خواص کی حیثیت سے بھی۔ علاوہ ازیں ان میں کچھ ایسے قسمیں بھی ہوتی ہیں جو حد سے زیادہ مرغوب اور پسندیدہ ہوتی ہیں اور کچھ ایسے جو درمیانی قسم کی ہوتی ہیں۔ یہ سب قدرتِ کاملہ کے

---

[1] مذکورہ تینوں تفسیریں قرطبی جلد ۴ ص ۲۵۳۴ میں بیان ہوئی ہیں۔

شاہکار ہیں کہ خالقِ کائنات نے اس قسم کی عظیم انواع واقسام کی چیزوں کو نہایت وسیع پیمانے پر عالمِ نباتات میں خلق فرمایا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے انداز میں اس کی حمد وثنا بجالا رہی ہے۔

آیت کے آخر میں حکیمانہ طور پر فرماتا ہے ''ان کے پھلوں سے کھاؤ اور ان کے (چننے یا) کاٹنے کے وقت ان کا حق بھی ادا کرو اور اسراف نہ کرو کیونکہ خداوندِ عالم اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا'' (كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ)

اس طرح سے ''کلوا'' (تم کھاؤ) کا فرمان ان چیزوں کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔لیکن دو شرائط کے ساتھ ایک تو ضرورت مند افراد کا حق ادا کرنے اور دوسرے اسراف نہ کرنے کے ساتھ۔ اگر چہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں پر ''حق'' سے مُراد زکوٰۃ ہے لیکن بہت سے مفسرین نے اہل بیت اطہار علیہم السلام اور حضرات اہلسنت کے طریقوں سے بیان ہونے والی روایات کی روشنی میں یہ صراحت کی ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے۔[1]

بنابریں ایک خدائی حکم کے عنوان سے بہتر یہی ہے کہ زراعت اور باغات کے مالکان جب زراعت اور میوہ جات کا محصول اٹھانے لگیں تو ضرورت مند اور صاحبانِ احتیاج افراد کیلئے زکوٰۃ کے علاوہ ایک حصہ ضروری پیشِ نظر رکھیں۔اس حصہ کی شریعت میں حدود معین نہیں ہیں بلکہ یہ ان کی ہمت پر منحصر ہے کہ وہ زیادہ نکالیں یا کم!

اس طرح آیت کا اختتام ایک اخلاقی حکم پر ہوتا ہے جب کہ اس کا آغاز درسِ توحید سے۔

نویں آیت درختوں اور نباتات کی دنیا کے عجائبات کے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ زمین کے بچھانے اور پہاڑوں کی تخلیق کے مسئلہ کے ذکر کے بعد فرماتا ہے ''اور ہم نے زمین میں ہر قسم کے موزوں نباتات کو پیدا کیا'' (وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ)

اگر چہ ''موزون'' کا لفظ ''وزن'' کے مادہ سے لیا گیا ہے، لیکن یہاں پر جچے تلے اور مکمل طور پر ہم آہنگ نظم ونظام کی طرف اشارہ ہے جو نباتات کے ایک ایک ذرے پر حکم فرما ہے۔علاوہ ازیں مفردات میں راغب کے بقول ''وزن'' کے اصل معنی ہر چیز کے اندازہ کی شناخت ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تعبیر سے مراد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہر نباتات کو انسانوں کی ضروریات کے مطابق پیدا کیا ہے۔[2] نیز یہ بھی کہا ہے کہ ''موزوں'' سے مراد یہ ہے کہ پانی، ہوا، مٹی اور دھوپ ایک معین اندازے کے مطابق ملکر کام کریں تا کہ نباتات اگیں۔بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی پیش کیا ہے کہ ''کل شی ء'' کی تعبیر معدنیات کو بھی شامل ہے لیکن چونکہ ''انبتنا'' (ہم نے اگایا)

---

[1] سنن بیہقی جلد ۴ ص ۱۳۲، وسائل الشیعہ جلد ۶ کتاب الزکوٰۃ ابواب غلات الزکوٰۃ، تفسیر المیزان، تفسیر نمونہ اور تفسیر قرطبی میں انہی آیات کے ذیل میں۔

[2] فخر رازی نے اپنے تفسیر میں اس کو پہلے احتمال کے عنوان سے اور دوسری تفسیر کو تیسرے احتمال کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔(جلد ۱۹ ص ۱۷۱)

کا جملہ معدنیات سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا لہٰذا یہ تفسیر بعید معلوم ہوتی ہے۔ البتہ دونوں تفسیروں کو جمع کرنا ممکن ہے اور بعض روایات میں بھی دوسرے معنی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔[1] اس کے فوراً بعد انسان اوران حیوانات کی زندگی کے مختلف وسائل کی طرف اشارہ ہے جو انسان کے بس میں ہوتے ہیں یا اس کے بس سے باہر ہوتے ہیں۔ سب اسی دسترخوان سے روزی پا رہے ہیں۔ فرماتا ہے ''وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ''

''معایش''، ''معیشۃ'' کی جمع ہے اوراس کے بہت وسیع معنی ہیں۔ یہ ہراس چیز کو شامل ہے جو انسانی زندگی کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ ''وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ'' کا جملہ حیوانات اوران دوسری چیزوں کی طرف اشارہ ہے جنہیں روزی بہم پہنچانا انسان کے بس سے باہر ہے اور خداوندِ متعال اس دنیا پر حکم فرما خاص نظم کے تحت ان میں سے ہرایک کیلئے مناسب غذا فراہم کرتا ہے۔ اگر ہم اپنی آنکھیں اور عالمِ نباتات سے حیوانات کی روزی کے حصول کے طریقوں کو غور سے دیکھیں تو اس میں ہمیں معرفتِ الٰہی کے دلائل کی ایک کائنات ملے گی۔

کچھ مخلوقات پھل میوے کھاتے ہیں، کچھ دانے، کچھ پتوں سے استفادہ کرتے ہیں، بعض تنے سے درخت کی چھال کھاتے ہیں بعض پھولوں کے شیریں شیرے سے کام و دہن کی تواضع کرتے ہیں جب کہ بعض وہ ہیں جو جڑوں کو کھاتے ہیں۔

اسی سلسلے کی دسویں اور آخری آیت میں ایک بار پھر نباتات کی دنیا کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے زمین کے اندر دانوں اور گٹھلیوں کے شگافتہ ہونے کا مسئلہ۔ چنانچہ اس آیت میں خداوندِ عالم کا اس طرح تعارف کرایا گیا ہے: ''خداوندِ عالم دانے اور گٹھلی کو شگافتہ کرنے والا ہے۔'' (اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی)

''فالق''، ''فلق'' (بروزن خلق) کے مادہ سے ہے اور مفردات میں راغب کے بقول کسی چیز کے چیرنے یا پھاڑنے اور ایک حصے کو دوسرے حصے سے جُدا کرنے کے معنی میں ہے۔[2] اور ''حَبّ'' کا معنی کھانے کا دانہ ہر قسم کا نباتاتی دانہ ہے اور ''نوٰی'' کا معنی گٹھلی ہے۔ اگر بعض لوگوں نے اس کو کھجور کی گٹھلی سے تفسیر کیا ہے تو اس لئے کہ اُس ماحول میں کھجوریں زیادہ تھیں۔

بہرحال نباتات کا ایک اہم اور دلچسپ ترین مرحلہ دانے اور گٹھلی کے شگافتہ ہونے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ حالت ماں کے پیٹ سے بچے کے متولد ہونے سے ملتی جلتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ نباتات کی سب سے پہلے کونپل نہایت ہی باریک اور ظریف ہونے کے باوجود اس محکم اور مضبوط قلعے کو شگافتہ کرکے اپنا سر اس سے باہر نکالتی ہے اور اندر سے ایک زندہ موجود باہر آتا ہے جو اس لحہ تک دانے یا گٹھلی کے مضبوط اور ضخیم پردوں میں محبوس تھا اور اس کا باہر کی دنیا سے بالکل کوئی رابطہ نہیں تھا۔ یہ پیدا ہوکر فوراً اپنا رابطہ بیرونی دنیا سے استوار کرتا ہے، مٹی کے غذائی سے بہرہ

---

[1] تفسیر نورالثقلین جلد ۳ ص ۶۔ اس روایت میں حضرت امام علیہ السلام نے مختلف معدنیات اوران کی کانوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جنہیں خداوندِ عالم نے پہاڑوں میں بنایا ہے اوران کی خرید و فروخت وزن کے ساتھ ہوتی ہے۔

[2] یہ لفظ کبھی ''تخلیق'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، گویا عدم کا ظلماتی پردہ شگافتہ ہوجاتا ہے اور وجود کا نور اس سے آشکار ہوتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۷ ص ۱۹۶ صبح کی سفیدی کو بھی اسی لئے ''فلق'' (بروزن شفق) کہتے ہیں۔

مند ہوتا ہے، اپنے اطراف میں موجود پانی اور رطوبتوں سے سیراب ہوتا ہے اور بڑی سُرعت کے ساتھ دو مختلف اطراف میں حرکت کرنا شروع کر دیتا ہے، ایک طرف تو جڑ کی صورت میں زمین کے اندر اور دوسری طرف تنے کی صورت میں زمین کے اُوپر۔ زندگی کے اس مرحلہ میں نباتات کی دنیا پر حساب شدہ اور نپے تُلے قوانین حکم فرما ہیں جو یقیناً حیرت انگیز اور پروردگارِ عالم کے علم وقدرت پر زندہ دلیل شمار ہوتے ہیں۔

ان تمام قرآنی آیات سے جو کہ نباتات کی تخلیق اور ان کی مختلف خصوصیات کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہیں، اس بے نشان ذات کی نشانیاں، ربوبیت کی توحید اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی زندہ دلیل ہیں۔ نباتات کے اُگنے سے لے کر ان کی مختلف انواع واقسام کی روئیدگی اور بالیدگی، باروری اور زوجیت، انسانوں اور جانوروں کیلئے مختلف غذائی مواد بننے تک، اور کھجور کے پھلوں کا اُن کے خوشے سے نمودار ہونے، گندہ اور جو کے دانوں کا بالیوں میں ایک دوسرے پر سوار ہونے، ایک ہی مٹی اور پانی سے مختلف الانواع میووں اور زراعت کے پیدا ہونے، تمام مراحل میں ان سب پر یکساں قوانین کے حکم فرما ہونے اور دانے اور گٹھلی کے شگافتہ ہونے، غرض تمام امور میں اس کی ذاتِ اقدس کی نشانیاں موجود ہیں۔

# چند ضروری وضاحتیں

## ا۔ نباتات کی حیرت انگیز ساخت

عام طور پر جو چیز ہماری آنکھوں میں معمول کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے اسرار اور عجائبات بھی نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ سورہ یوسف کی ۱۰۵ ویں آیت وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ کے مصداق ہم ان کے پاس سے سادگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں جب کہ ان میں خالق کی قدرت اور عظمت کی ایک کائنات مخفی ہوتی ہے۔ سب سے پہلے ہم نباتات کی جڑوں سے شروع ہوتے ہیں، جڑیں جو کہ نہایت ہی لطیف اور نرم ونازک ہوتی ہیں، اُن میں حیرت انگیز طاقت پائی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ سخت پتھروں اور سنگاخ زمینوں کے اندر گھستی چلی جاتی ہیں۔ بسا اوقات تو کئی کئی ٹن بھاری پتھروں کے اندر گھُس کر انہیں اوپر اٹھا دیتی ہیں۔ کنکریٹ سے بنی ہوئی عمارتوں اور حوضوں کے اطراف میں درختوں کے اُگنے سے اُن کے اندر دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور وہ ''لرز'' جاتے ہیں۔ جڑوں کا کام ہر طرف سے غذائی مواد اور رطوبتوں کا جذب کرنا ہوتا ہے، گویا وہ اپنے عجیب احساس کے ساتھ رطوبتوں اور غذائی مواد کے مراکز کو پہچان کر اُن کی طرف آگے بڑھتی رہتی ہیں۔

ہر ایک جڑ اپنے طور پر ایک عظیم کارگاہ work shop کی حیثیت رکھتی ہے جو غذا کی نوع کا انتخاب کر کے اسے خصوصی توانائی کے ذریعہ تبدیل کر دیتی ہے اور غذائی مواد میں تبدیلی پیدا کر کے اسے شاخوں کی طرف بھیج دیتی ہے، وہاں سے میووں کی جانب، اور اس بارے میں ہر ایک مرحلے پر نت نئے کیمیکل تغیر وتبدل اور فعل وانفعال وجود میں آتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے تاریک مٹی سے شہد کی طرف میٹھے پھل یا شفا عطا کرنے والی دائیں وجود میں آجاتی ہیں۔

جڑوں کا ایک اہم ترین کام NITROGEN یا AZOTE کی جمع آوری بھی ہوتا ہے جو نباتات کی نشوونما اور ساخت و پرداخت کیلئے

ضروری ہوتی ہے اور نباتات کا کوئی اور جُزا سے جذب نہیں کر سکتی۔ پھر پتوں کی ساخت ہے جو ان سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ اگر ایک پتے کو آفتاب کے سامنے کر کے دیکھیں تو اس میں نہایت ہی باریک باریک رگیں نظر آئیں گی جو منظم صورت میں تمام پتے میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں جن کا کام پتے کے تمام خلیوں تک آب وغذا کا پہنچانا ہوتا ہے۔ درحقیقت ہر ایک پتہ بذات خود ایک شہر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں موجود یہ رگیں اس میں پانی کے نلوں کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں چھوٹے اور بڑے نل ہوتے ہیں اور ان کا تعلق سب سے بڑے نل سے ہوتا ہے۔

باوجود نرم و نازک ہونے کے پتے کے سات طبقے ہوتے ہیں اور ہر ایک طبقہ کی اپنی مخصوص ساخت اور خصوصی پروگرام ہوتا ہے جسے معلوم کر کے انسان ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ پتے کے اوپر کی نازک پوست ایسے ہے جیسے انسان کی جلد ہوتی ہے جس میں نہایت ہی باریک باریک سوراخ ہوتے ہیں اور ہر سوراخ کی ایک حفاظتی چوکی ہوتی ہے جو اس کے کھلنے اور بند ہونے کا کام دیتی ہے۔

پتے انہی سوراخوں سے سانس لیتے ہیں اور ہوا کو اپنے اندر لے جاتے ہیں، جو کاربن CARBON کو اس سے جُدا کر کے اس سے نباتی ''کلوروفل'' بناتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہوا کو صاف ستھرا رکھنے کیلئے آکسیجن اور رطوبت کی صورت میں دو عظیم تحفے عالمِ انسانیت کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔ سائنس دان اس موقع پر جو اعداد و شمار بیان کرتے ہیں وہ بڑے حیرت انگیز ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''نباتات کے ایک پونڈ شکر پیدا کرنے کیلئے تین لاکھ گیلن ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جو پتوں کی ذریعہ اندر جا کر تحلیل ہو جائے''۔

پھولوں اور ان کے بعد پھلوں کی ساخت تو پتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ نر اور مادہ کی تقسیم، نر کے نہایت ہی ظریف اور باریک سفوف کے مادہ کے ساتھ ملنے کی کیفیت، پھر اس خاموش شادی کے نتیجے میں وجود میں آنے والے تخم کی تشکیل اور اس کی پرورش کی کیفیت، غرض ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں عجائبات کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے جس سے انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور دریائے حیرت میں غرق ہو جاتی ہے۔

نباتات، پھولوں اور پھلوں کی جسمانی ساخت کی مکمل تشریح اس مختصر کتاب میں نہیں لکھی جا سکتی۔ دانشوروں اور سائنسدانوں کی طرف سے اس بارے میں بہت سی کتاب لکھی جا چکی ہیں اور اس سلسلے میں علم النباتات BOTANY نامی علم وسیع پیمانے میں وجود میں آ چکا ہے۔ بہتر ہے کہ اس مقام پر ایک ماہر زراعت کی باتوں کو کافی سمجھتے ہوئے اس گفتگو کو یہیں پر ختم کرتے ہیں مشہور ماہر نباتات ''چرالدت'' کہتے ہیں:

''خدا موجود ہے اور یہ اس کے نباتات کی دنیا میں برقرار ثابت اور اسرار بھرے قوانین کو چلانے سے ظاہر ہوتا ہے۔'' اس کی تجلی کا ظہور ان طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ نظم اور ترتیب: جو کہ نباتات کی نشو و نما اور تولید نسل اور خلیوں کی تقسیم اور نباتات کی مختلف اجزاء کی تشکیل میں منظم طور پر انجام دیتا ہے۔

۲۔ پیچیدگی: انسان کے ہاتھوں سے بنی ہوئی کوئی بھی مشینری ایک معمولی سی نباتات کی پیچیدہ اور تعجب خیز مشینری سے قابلِ قیاس نہیں ہے۔

۳۔ خوبصورتی: تنے، پتے اور پھول کی خوبصورتی ایک خداداد چیز ہے، کیونکہ کوئی بھی ماہر مجسمہ ساز اور کوئی بھی نقاش ان جیسا نہ تو کوئی خوبصورت مجسمہ بنا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی دلآویز سینری تیاری کر سکتا ہے۔

۴۔ توارث: نباتات کی ہر قسم اپنی جیسی چیز کو ہی پیدا کرتی ہے اور نسل کی یہ تولید مکمل طور پر مشیت اور پروگرام کے تحت انجام پاتی ہے، خواہ

اُسے کسی جگہ پر کاشت کریں اور جس طرح کاشت کریں تو ''گندم از گندم بروید جو ز جو'' یعنی گندم سے گندم ہی اُگے گی اور جَو سے جو۔ وہ کہتے ہیں ''میرے نظریہ کے مطابق یہ سب کچھ خالقِ کائنات کے وجود اور اس کی حکمتِ کاملہ اور بے انتہا قدرت کے مظاہر ہیں۔''[1]

ٹائیلر یونیورسٹی کے سابق BIOLOGIST مسٹر ''مِنجسٹر'' کہتے ہیں کہ:

''شبدر'' CLOVER کے ایک پودے کی پیشِ نظر لایئے جو سڑک کے کنارے پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی رعنائی دکھارہا ہے۔ اب تک جو مشینیں بھی ایجاد ہوچکی ہیں کیا کوئی ایک مشین بھی اس خودرو پودے کی برابری کرسکتی ہے؟ یہ پودے بذاتِ خود ایک ایسی مشین ہے جو محیر العقول اور تعجب خیز ہے جو ہمیشہ نشوونما کی صورت میں رہتا ہے اور روزانہ ہزاروں کیمیکل اور فزیکل تبدیلیاں انجام دیتا رہتا ہے وہ سب ایک ہی PROTOPLASMA پمادہ کے زیر کنٹرول ہوتے ہیں جس سے تمام طبعی حیات تشکیل پاتی ہے۔ یہ عجیب زندہ مشین کس کی قدرت کا شاہکار ہے؟''[2]

## ۲۔ نباتات کے فوائد اور برکتیں

کرۂ زمین پر نباتات کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے اور باقی تمام زندہ موجودات انہی کے رحم وکرم پر ہیں۔ نباتات کے بہت زیادہ فوائد ہیں جن میں سے بارہ فوائد کو فہرست وار ذکر کیا جاتا ہے۔

## ا۔ بہترین غذائی مادہ

ہم انسانوں کی مناسب ترین غذائیں نباتات، غلے اور میوہ جات سے ہی تیار ہوتی ہیں۔ ہمیں توانائی، قوت اور سلامتی بھی نباتاتی غذائیں کھا کر ہی حاصل ہوتی ہے۔ بہت سے پرندے، چوپائے، رینگنے والے جانور اور مچھلیاں بھی نباتات ہی سے استفادہ کرتی ہیں۔ اسی بنا پر جو ملک بھی زرعی محصولات یعنی پیداوار کے ذریعہ اپنی غذائی ضروریات پورا کرسکتا ہے، وہی درحقیقت خودکفیل ملک کہلاتا ہے۔

## ۲۔ ہوا میں تبدیلی

ہم جانتے ہیں کہ انسان اور بہت سی دوسری زندہ موجودات ہمیشہ آکسیجن گیس استعمال کرتی اور اُسے جلاتی رہتی ہیں۔ اگر اس کمی کو پورا کرنے کیلئے کوئی منبع اور مرکز نہ ہوتا تو بہت کم عرصے میں زمین کی فضا میں موجود تمام آکسیجن ختم ہوجاتی اور سانس لینے والی تمام مخلوق دم گھٹ کر مرجاتی۔ لیکن حکمت کے مالک خدا نے اس نقصان کو پورا کرنے کا کام نباتات کے ذمہ لگادیا ہے۔ وہ انسانوں کے سانس لینے کے برعکس سانس لیتی ہیں۔ وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو استعمال کرتی ہیں اور اس کا تجزیہ کر کے اسے آکسیجن کی صورت میں واپس لوٹاتی ہیں۔

---

[1] کتاب ''جہان گلہا'' (اختصار اور تلخیص کے ساتھ)

[2] کتاب ''جہان گلہا'' (اختصار اور تلخیص کے ساتھ)

یہی وجہ ہے کہ باغات اور کھیتوں کی ہوا مسرور کن اور کیف ونشاط سے معمور ہوتی ہے۔ اسی لئے حفظانِ صحت کے اصولوں کے طور پر اس بات کی سفارش کی جاتی ہے کہ ہر شہر میں درختوں پر مشتمل پارک بنائے جائیں اور ماہرین فی نفر مربع میٹر کے حساب سے ہر شخص کا ایسے پارکوں میں حصہ پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

## ۳۔لباس اور پوشاک

ہمارے لباس کا عمدہ حصہ نباتاتی ریشوں سے تیار کیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی پوشاک کا کبھی ختم نہ ہونے والا منبع پہلے درجہ میں نباتات ہی ہیں۔

## ۴۔گھر اور اس کا اثاثہ

اگر ہم اپنے اطراف میں نگاہ دوڑائیں تو ہمیں اس کے بہت سے در، دروازے، کھڑکیاں، الماریاں، روشندان وغیرہ درختوں کی لکڑی ہی سے بنے ہوئے نظر آئیں گے، اور وہ بھی اس طرح کہ اگر ہم چاہیں کہ انہیں اپنی زندگی کے حصے سے حذف کر دیں تو ہمارے لئے زندہ رہنا دوبھر ہو جائے۔ بعض علاقوں میں تو لوگ اپنے تمام گھروں کو لکڑی سے بناتے ہیں اور اس قسم کے گھروں کو خصوصیات حاصل ہوتی ہیں۔ آج کے دور میں ہماری زندگی کے اہم وسائل میں سے ٹائر یا ربڑ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ وہ ''کاوَچو'' CAOUTCHOUE نامی درخت کے شیرے سے حاصل ہوتا ہے۔

## ۵۔نباتاتی دوائیں

گذشتہ زمانے میں اکثر دوائیں جڑی بوٹیوں ہی سے حاصل کی جاتی تھیں اور آج بھی ان کا عمدہ حصہ انہی جڑی بوٹیوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ کیمیکل دواؤں کے نامطلوب ردِعمل اور منفی اثرات کی وجہ سے اُن کے خلاف اور نباتی دواؤں کے حق میں تحریک شروع ہو چکی ہے اور ایسے دوا خانے اور میڈیکل سٹورز ہیں جو نباتات کی دوائیں بناتے ہیں۔

## ٦۔چلتی ریت کے آگے رکاوٹ

جو شہر رتیلے بیابانوں اور صحراؤں کے نزدیک واقع ہیں اُن کیلئے سب سے بڑا خطرہ چلتی پھرتی ریت ہے کہ جو بعض اوقات تو اچھی خاصی آبادیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اس قسم کی ریت کے آگے رکاوٹ کھڑی کرنے کا بہترین راستہ یہ ہوتا ہے۔

## ۷۔کاغذ کی تیاری

ہم جانتے ہیں کہ کاغذ کی ایجاد کا انسانی تمدن اور اس کے علم ودانش کی ترقی اور پیش رفت میں بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کا اصل

منبع یہی نباتات ہیں۔

## ۸۔موسم میں اعتدال

نباتات سے ملائم اور معتدل رطوبتیں پیدا ہو کر فضا میں پھیلتی رہتی جن کی وجہ سے سردی کی شدت اور گرمی کے دباؤ پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ درختوں سے معمور علاقوں کی آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔

## ۹۔ذرائع آمدورفت

زمانہ ماضی اور حال میں بھی بڑے بڑے بحری جہازوں اور کشتیوں کو لکڑی ہی سے بنایا جاتا ہے جو انسان کے ذرائع آمدورفت اور حمل و نقل کا بہت اہم ذریعہ ہیں، ماضی میں بھی اور اب بھی۔

## ۱۰۔خوبصورتی اور تروتازگی

درختوں، پودوں اور پھولوں کی یہ دلکش اثر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے جن کی زیبائی اور خوبصورتی سے انسانی روح کو فرحت، دل کو سکون اور زندگی کے سخت دباؤ کے موقع پر ذہنی سکون ملتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ہسپتالوں کو مختلف درختوں اور پودوں سے مزین کرتے ہیں، تا کہ مریضوں کو تسکین حاصل ہو۔عمومی حالت میں بھی تھکاوٹ دُور کرنے کیلئے ہمیشہ انسان کو درختوں باغوں اور لہلہاتے کھیتوں کی فطری آغوش میں ہی پناہ ملتی ہے۔

## ۱۱۔توانائی کا اہم منبع

ماضی اور حال میں ENERGY یعنی توانائی اور حرارت و گرمی پیدا کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ درختوں کی لکڑی پتے، اوران کی دوسری چیزوں ہیں۔حتیٰ کہ پتھر کا کوئلہ بھی جوانرجی پیدا کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔درختوں اور دوسری نباتات سے حاصل شدہ مادہ ہے۔درختوں کی لکڑی اور پتوں سے حاصل ہونے والی حرارت زیادہ مناسب ہے اور ماحولیات کے لئے ان کی آلودگی بہت کم ہوتی ہے، حتیٰ کہ درختوں کے جلنے سے حاصل ہونے والی راکھ بھی انہی درختوں کیلئے کھاد کا کام دیتی ہے جن سے دوبارہ استفادہ کیا جاتا ہے۔

## ۱۲۔مختلف عطریات اور کیمیکل مواد

ہم جانتے ہیں کہ روح اور جان کو ہشاش بشاش رکھنے کیلئے ماضی سے لے کر اب تک پھولوں کے نچوڑ سے بہترین عطریات تیار کی جاتی رہی ہیں، حتیٰ کہ خود ایسے درخت اور دوسری نباتات جو معطر اور خوشبودار ہیں، وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔اس کے علاوہ بھی مختلف مصنوعات میں استعمال کیلئے نباتات ہی سے کیمیکل مواد لیا جاتا ہے۔

بزرگ ہے وہ خدا جس نے اس قسم کی مخلوق میں اس قدر فوائد اور برکتیں پیدا کی ہیں اور انہیں اپنے علم وقدرت کی آیات میں سے ایک عظیم آیت قرار دیا ہے ۔ جو جامع تعبیرات ہم آیات بالا میں پڑھ چکے ہیں ان میں سے ایک جملہ یعنی ''معایش'' کی تعبیر بھی ہے جو ''معیشہ'' کی جمع ہے جس کا معنی وسیلۂ زندگی ہے، جس میں یہ تمام فوائد جمع ہیں ۔

## ۳۔نباتات کی بے شمار قسمیں

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے نباتات کی اقسام اس قدر زیادہ ہیں جن کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی ، یہاں تک کہ درخت خرما کی تین ہزار قسمیں ہیں، برگد یا انجیر ہندی کی سترہ سو اقسام ہیں، اور گلِ ثعلب کی بارہ سو انواع ہیں ۔

''جہان گلہا'' (پھولوں کی دنیا) نامی کتاب کے مصنف مسٹر ''فرڈینالڈن'' نے مخفی دانے والی نباتات کی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ قسمیں بتائی ہیں ۔نباتات شناسی BOTANY کی بعض کتابوں میں نباتات کی اٹھارہ ہزار سے زیادہ اقسام کی تشریح اور توضیح کی گئی ہے ۔[۱]

کھمبیوں کی ایک لاکھ اقسام شمار کی گئی ہیں ''جب کہ'' ALGAE کی چالیس ہزار سے زیادہ سیب کی چار ہزار اور گندم کی پینتیس ہزار اقسام پر تحقیقات کی گئی ہیں ۔[۲]

نباتات میں کچھ ایسی قسمیں بھی پائی جاتی ہیں جو خوردبینوں ہی کے ذریعہ سے دیکھی جاسکتی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کی لمبائی پچاس میٹر تک جا پہنچتی ہے ۔کچھ نباتات ایسی ہیں جو پتھروں کے درمیان سے اگتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پانی کے درمیان تیرتی رہتی ہیں بعض وہ ہیں جن کی جڑیں پانی کے اندر اور پھول پانی سے باہر ہوتے ہیں ۔ بہر حال قسم کوئی بھی ہو ہر ایک کا اپنا مقام، اپنی خصوصیت اور مخصوص منظر ہوتا ہے جو اپنی دنیا میں توحید کے نغمے الاپ رہی ہے ۔

## ۴۔نباتات کی بوالعجبیاں

جو کچھ نباتات کے بارے میں عام طور پر بیان کیا گیا ہے، اگر ہم ان سے گزر کریں تو نباتات کی دنیا میں ہمیں بڑے عجائبات نظر آئیں گے جن میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو اسقدر عام ہیں اور ہمارے لئے عادی بن چکے ہیں اور ہم انہیں فراموش کر چکے ہیں ۔عظیم درختوں کے تنے اور شاخیں کشش ثقل کے قانوں کے خلاف روزانہ لاکھوں کروڑوں ٹن پانی زمین سے اٹھا کر اوپر لے جاتے ہیں اور پھر بخارات کی صورت میں اسے فضا میں پھیلا دیتے ہیں ۔اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ کون قانون ہے جو نباتات کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کشش ثقل کے قانون جس کے تحت ہر چیز نیچے کو کھینچتی ہے ۔ خاص کر پانی ۔۔۔۔۔وہ اس کے خلاف اسے اوپر لے کر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتی ہیں؟

---

[۱] تاریخ علوم ص ۳۵۲

[۲] شناخت خدا ص ۲۹۱ و ص ۲۹۲

سورج مکھی کے پھول سورج کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے رہتے ہیں۔صبح کے وقت ان کا رُخ مشرق کی طرف ہوتا ہے توغروب کے وقت مغرب کی جانب۔اس قسم کے دوسرے پھول بھی کم نہیں ہیں۔نباتات کی دنیا میں گوشت خور پودے تو بہت ہی محیرالعقول ہیں۔''فرانسیسی طبعی تاریخ کے قومی عجائب خانہ'' کے ڈائریکٹر پروفیسر''لئون برٹین'' نے اس عجیب قسم کی نباتات کے بارے میں کافی ریسرچ کی ہے۔وہ کہتے ہیں''سائنسدانوں نے اب تک گوشت خور نباتات کی چار سو قسمیں دیکھی ہیں جن میں سے دس تو صرف فرانس میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل قسمیں زیادہ مشہور ہیں:

''آلڈرووند'' جو اس ملک کے مغربی صوبے''جیرونڈ'' میں اوقیانوسِ اطلس کے ساحلوں میں اُگتا ہے،اس کے دو مخصوص پتے ہوتے ہیں جو کتاب کے دو صفحوں کی مانند آمنے سامنے کھلے ہوتے ہیں جو نیچے کی طرف سے ایک مخصوص نلی کے ذریعہ آپس میں چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور پتوں کو حساس قسم کی مخمل نے چھپایا ہوتا ہے۔جب کوئی بدبخت مکھی اس کے قریب پھٹکتی ہے اور اسکا پاؤں یا جسم کا کوئی حصہ اس سے چھوجاتا ہے تو دونوں صفحے جلدی سے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور یہ بیچاری اس میں گرفتار ہو جاتی ہے اور آخرکار ایک مخصوص شیرے کے ذریعہ جو پتوں سے ٹپکتا ہے بتدریج حل ہو کر اس پودے کا جزو بن جاتی ہے۔

''دروزرا'' اس قسم کی ایک اور نباتات ہے جس کے پتے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں،جن پر باریک باریک بال ہوتے ہیں۔جب کوئی حرماں نصیب مکھی اپنا راستہ گم کر کے ادھر آ پہنچتی ہے اور ان پتوں کو خلوت اور سکون کا مقام سمجھ کر ستانے کیلئے ان پر بیٹھتی ہے تو وہ باریک بال فوراً اس کے سامنے سے اوپر کو اُٹھ جاتے ہیں۔اسے دست بستہ پتے کے اندر بھیج دیتے ہیں اور وہ اس کے لیسدار مادہ کے درمیان پھنس کر اس کے اندر ہضم اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔

''نیانٹس'' گوشت خور نباتات کی عجیب ترین قسم ہے۔اس کی باریک شاخوں کے آخر میں چھوٹے کوزے کی مانند ایک چیز ہوتی ہے جس کا منہ اُوپر کو ہوتا ہے اور اس کا مخصوص دروازہ ہوتا ہے جو عام طور کھلا ہوتا ہے۔یہ کوزہ بے احتیاط اور لاابالی قسم کے حشرات کیلئے خطرناک دام ہوتا ہے۔اس کوزہ کے اندر ہمیشہ شہد کی مانند لیسدار اور شیریں مادہ ہوتا ہے جو''شکم پرست'' حشرات کو اپنی طرف بلاتا ہے۔''خوش ذوق'' حشرات کیلئے کوزے کا خوبصورت اور شفاف رنگ بھی کشش کا باعث ہوتا ہے۔اگر کوئی حشرہ ہوائے نفس کا اسیر ہو کر اس کے اندر آجائے تو وہ فوراً اپنے منہ کو بند کر لیتا ہے اور وہ ایسے زندان کے اندر چلا جاتا ہے جس سے کبھی بھی چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔بہرحال یہ کوزہ اس نباتات کیلئے معدہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اندر موجود شیرہ بھی معدوں میں موجود شیروں کی مانند ہوتا ہے جو حشرات کو جذب ہونے کے قابل بنا دیتا ہے۔سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ پودا حشرات کا شکار اس لئے کرتا ہے کیونکہ اس کے ریشے آکسیجن AZOTE کے جذب کرنے پر قادر نہیں ہوتے لہٰذا وہ اپنی کمی اس طریقے سے پوری کرتے ہیں۔

سائنسدانوں نے اس اُمید کا اظہار کیا ہے کہ شاید ایک دن ایسا آئے کہ اس قسم کے پودوں کی گھروں میں اور دوسرے اہم مقامات پر پرورش کیا جائے اور اس صحیح وسالم اور طبعی ذریعہ سے مکھیوں اور دیگر موذی جانوروں کو تلف کیا جا سکے۔سیاحوں کی یادداشتوں میں آدم خور درختوں کی بھی عجیب وغریب داستانیں ملتی ہیں۔بعض سائنسدان کہتے ہیں یہ درخت ان حشرہ خوار پودوں کی ہی ایک قسم ہو جو زیادہ قابل

زمینوں میں پروان چڑھ کر اس خصوصیت کے حامل ہو چکے ہوں اور بڑے بڑے جانوروں کو اپنی شاخوں اور پتوں میں گرفتار کر کے بتدریج چٹ کر جاتے ہوں۔ (لیکن اس نظریہ کی تائید یا اسے قبول کرنا آسان نہیں ہے) [1]

نباتات کا عجیب ترین اور دلچسپ ترین حصہ پھل اور میووں کی ساخت ہے۔ اُن کے سینکڑوں دلچسپ نکات میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں بہت سے میووں میں نہایت ہی شیریں اور لذیذ جُوس چھوٹے چھوٹے مخصوص پیکٹوں میں نہایت ہی خوبصورت اندازہ میں اُن کے اندر بھر دیا گیا ہے کہ ہمارا ترقی یافتہ دور میں کی جائے والی پیکٹ بندی ابھی ابتدائی کوشش معلوم ہوتی ہے۔

ایک مالٹے کو کھول کر دیکھئے گو یا اس کی ایک قاش سینکڑوں چھوٹی چھوٹی شیشیوں سے بھری ہوتی ہے ،جس میں نہایت ہی لذیذ اور خوشبودار جوّس ہوتا ہے ،اور شیشیاں بھی ایسی کہ جو کسی فاصلے کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ (اگر ان میں فاصلہ اور خلا ہوتا تو وہ بہت جلد خراب ہو جاتیں)

لیکن یہ شیشیاں کبھی نہیں ٹوٹتیں اور پوری طرح حمل ونقل کے قابل ہوتی ہیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے اندر موجود مواد کے ساتھ کھانے کے قابل ہوتی ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی اور باریک شیشیوں کا ہر ایک مجموعہ ایک ضخیم پوست میں بند کیا گیا ہے جو ایک ڈبہ CARTON کی حیثیت رکھتا ہے اور قاش کی صورت اختیار کئے ہوتا ہے (یہ ڈبہ بھی اپنے اندر موجود مواد سمیت کھانے کے قابل ہوتا ہے ، بلکہ ہاضمہ کے لئے بہت مفید ہوتا ہے)

یہ چھوٹے چھوٹے ڈبے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ جڑے ہوتے ہیں جن کے درمیان نہ تو کسی قسم کا فاصلہ ہوتا ہے اور نہ ہی ہوا کا گزر ،اور حفاظت و بچاؤ کیلئے چند مختلف لفافوں میں لپٹے ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر ایک بنڈل کی صورت میں میں دور ترین فاصلوں تک لے جانے کیلئے حمل ونقل کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی صورتِ حال بلکہ اس سے بھی لطیف اور ظریف صورت میں انگور ،انار اور انجیر میں دیکھی جا سکتی ہے

خوب غور کیجئے کہ اگر ان میوہ جات میں سے کسی ایک کے جوس کو کھلی فضا میں رکھ دیا جائے تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر اس میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی اور بسا اوقات چند گھنٹوں میں خراب اور بدبودار ہو جائے گا۔ لیکن قدرتی طور پر ان کی پیکنگ اس طرح سے منظم طریقہ پر کی گئی ہے کہ ان کے اندر ہوا کے نفوذ کی اجازت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پھل کئی کئی مہینوں تک خراب نہیں ہو پاتے۔ یہ بات تو صرف سادہ طریقہ پر پیکنگ کے بارے میں ہے ،لیکن ان میں سے ہر ایک پھل کی کیمیکل ترکیب ،غذائی اور طبی خواص وٹامنز کی اقسام اور ان کے حیاتی مواد کی انواع کی بجائے خود اپنی ایک نہایت مفصل داستان ہے جو ماہرین غذا کی بحث کا موضوع ہے اور اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ہم ان مسائل کی تفصیل میں پڑ جائیں تو تفسیری کتاب کی صورت میں نکل جائیں گے اور پھر کئی کتابوں کی ضرورت ہوگی۔

---

[1] کتاب ''نظری بہ طبیعت واسرار آن'' ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۴ مؤلفہ لٹون برٹین (کچھ تلخیص کے ساتھ)

# ۵۔توحیدِ مفضل میں نباتات کی تخلیق کے اسرار

توحیدِ مفضل میں نباتات میں ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی یوں پڑھتے ہیں:

''اے مفضل! اس نباتات اور اس کے مختلف فوائد کے بارے میں غور کرو۔ اس کے پھل، میوے، انسانوں اور بسا اوقات جانوروں کی غذا کا کام دیتے ہیں۔ ایندھن آگے جلانے کیلئے اور لکڑی مختلف مصنوعات کے کام آتی ہے۔ اس کی چھال، پتے، ریشے اور مختلف قسم کی گوند غرض ان میں سے ہر ایک کے اپنے مخصوص فوائد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ہماری زندگی میں کس قدر مشکلات پیدا ہوتیں۔ علاوہ ازیں ہم اُن کے روح پرور اور جاذبِ نظر مناظر سے جو لذت اٹھاتے ہیں، دنیا میں کوئی منظر اس کی برابری نہیں کر سکتا۔''

''اے مفضل! ذرا سوچو کہ بعض اوقات ایک دانے سے سو یا کم و بیش دانے وجود میں آتے ہیں جب کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایک دانہ سے صرف ایک ہی دانہ پیدا ہو۔ یہ صرف اور صرف اس لئے ہے کہ انسان کیلئے وسعت پیدا ہو اور وہ اگلے سال تک اپنی خوراک کو پورا کر سکیں۔

''اچھی طرح غور کرو! عدس، ماش، باقلا جیسے غذائی دانے کس قسم کی پوست اور تھیلیوں میں رکھ کر آفات سے بچائے جاتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جنین کی ایک باریک سی جھلی میں حفاظت کی جاتی ہے۔ پھر گندم اور اس جیسے دوسرے غلات کی بالیوں پر نظر ڈالو کہ اس خصوصیت کے علاوہ ہر بالی کے سر پر نیزوں کے مانند سیخیں ہوتی ہیں تاکہ وہ پرندوں کے حملوں سے بچی رہیں۔

''درختوں اور دوسری نباتات کی تخلیق کے بارے میں اچھی طرح غور و فکر کرو۔ ان سب کو بھی غذا اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہیں حالانکہ وہ خود حرکت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کی جڑیں زمین کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہیں تاکہ وہ غذائی مواد کو وہاں سے حاصل کر کے ہر ایک حصے تک پہنچائیں۔ یہ جڑیں غذائی مواد کو زمین سے چوستی ہیں، جیسا کہ شیر خوار جانوروں کے بچے ماں کے پستانوں سے دودھ چوستے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جڑوں کے ریشے خیمہ کی طنابوں کی مانند زمین کے اندر ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں تاکہ بلند قامت درختوں کو سیدھا اور برقرار رکھیں؟ اگر جڑیں نہ ہوتیں تو کھجور کے اس قدر بلند اور بالا درخت اپنی بڑی بڑی اور ہر طرف پھیلی ہوئی شاخوں کے ساتھ طوفانوں اور جھکڑوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتے؟

''اے مفضل! پتوں کی آفرینش کے بارے میں بھی اچھی طرح غور و فکر سے کام لو۔ ان میں تم نہایت ہی باریک اور ظریف ریشے دیکھو گے جس طرح جسم کی نرم و نازک رگیں ہوتی ہیں، جن میں سے کچھ تو ضخیم اور نہایت ہی لمبے ہوتے ہیں اور کچھ بالکل ہی ظریف اور پتلے۔ اگر انسان ان میں سے کسی ایک پتے کو بنانا اور اس لطافت اور ظرافت کے ساتھ اس کا تانا بانا بننا چاہے تو ایک سال تک بھی ایسا نہیں کر پائے گا اور کس قدر اوزار اور آلات کی ضرورت پیش آئے گی؟ لیکن بہار کے چند دنوں میں درختوں پر اسقدر پتے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ کوہ صحرا اور زمین کے کئی دوسرے علاقے ان سے بھر جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ پروردگارِ عالم کے ناقابلِ تردید ارادے اور کائنات میں اس کے واجب الاطاعت امر سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔''

امام علیہ السلام سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے پھل میووں اور گٹھلیوں کے عجائبات بیان فرماتے ہیں، ہر سال نباتات کی زندگی اور موت کا فلسفہ ارشاد فرماتے ہیں، نباتات کی باروری کا طریقہ ذکر کرتے ہیں کہ کیونکر نر حصہ سے مادہ حصہ کی آمیزش ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں کہ

صحت عطا کرنے والی دوائیں کس طرح جڑی بوٹیوں سے حاصل کی جاتی ہیں۔ پھر جانوروں کی غذا بننے والی اناجوں اور دوسری نباتات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ہرایک کی دلچسپ تشریح فرماتے ہیں۔ اگر اختصار مطلوب نہ ہوتا تو ان سب کو یہاں پر ذکر کیا جاتا۔ ضرورت مند حضرات مندرجہ بالا طویل حدیث کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔[1]

اس لمبی چوڑی بحث کو ہم مجبوراً یہاں پر سمیٹ رہے ہیں اور اُسے توحید پر مبنی چند خالص اشعار کے ساتھ ختم کر رہے ہیں۔ اگر عنان قلم کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس بارے میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

آفرینش همه تنبیهِ خداوند ِ دل است
دل ندارد که ندارد به خداوند اقرار
کوه ودریا ودرختان همه درتسبیحند
نه همه مستمعی ِ فهم کنداین اسرار
عقل حیران شوداز خوشهٔ زرین عنب
فهم عاجز شوداز حقهٔ یاقوتِ انار
بندهائی راطب ازنخل فروآویزند
نخل بندانِ قضاوقدرِ شیریں کار
تانه تاریک بودسایه انبوه ِ درخت
زیر هر برگ چراغی بنهد ازگلِ نار
ژاله برلاله فرودآمده نزدیک ِ سحر
راست چون عارض گلبوی عرق کرده یار
گونظر بازکن خلقتِ نارنج جبین
ایکه باورنکنی "فی الشجر الاخضر نار"
پاک وبے عیب خدائی که به تقدرعزیز
ماه وخورشید مسخرکندولیل ونهار [2]

---

[1] بحارالانوار جلد ۳ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۶ (تلخیص کے ساتھ)

[2] "کلیات سعدی" حصہ قصائد، ص ۴۴۳

ترجمہ : ان سب چیزوں کی تخلیق درحقیقت دلوں کے مالک خدا کی تنبیہ ہے ۔جو شخص خدا کا اقرار نہیں کرتا اس کا دل ہی نہیں ہے۔ پہاڑ ا، دریا، سمندر اور درخت سب خدا کی تسبیح میں مشغول ہیں، لیکن یہ ایسی اسرار بھری تسبیح ہے جسے ہر سننے والا نہیں سمجھ سکتا۔

انگور کے سنہری گچھے کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور یاقوتی انار کی ڈبیہ کو دیکھ کر فہم انسانی عاجز ہو جاتی ہے۔

کھجوروں کے پھل اس کے خوشوں کے نیچے جھکے ہوئے ہیں، قضاوقدر کے مشتاق ہاتھوں نے اس میں شیرینی بھردی ہے۔

جب تک درختوں کے انبوہ کے سائے تاریک اور گھنے نہ ہوں اس وقت تک ہر پتے کے نیچے گلِ انار کے چراغ روشن نہیں ہو سکتے۔

بوقت سحر گلِ لالہ پر شبنم کے قطرے یوں آ کر بیٹھتے ہیں جیسے گل رُخِ محبوب کے رخساروں پر پسینہ آیا ہوا ہو۔ جو لوگ ''فِی الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا'' کو نہیں مانتے اُن سے کہو کہ وہ اپنی آنکھیں کھولیں اور نارنگی کی تخلیق کو دیکھیں۔

پاک اور بے عیب ہے وہ خدا جس نے اپنی غالب تقدیر کے ذریعہ سورج چاند اور لیل ونہار کو مسخر کیا ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# ١٦۔عمومی رزق کی پیدائش میں خالقِ کائنات کی نشانیاں

## اشارہ:

ہر زندہ موجود کو اپنی زندگی کی بقاء کیلئے کچھ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، یا بالفاظ دیگر زندگی کی سرگرمیاں توانائی پیدا کرنے والے مواد چاہتی ہیں جو ہمیشہ اس زندگی موجود کو ملتے رہیں جو ضائع ہو جانے والے مواد کی تلافی کریں۔ صحیح معنی میں اور ہر لحاظ سے ان مواد کو اس زندہ موجو کے مناسب ہونا چاہیئے تا کہ وہ ان سے کما حقہٗ استفادہ کر سکے۔

عالمِ تخلیق میں رزق اور روزی کا نظام، اس کے تیار کرنے کی کیفیت ک، پھر اس کا ہر زندہ چیز کے اختیار میں ہونے کا طریقہ کار اور اسی طرح ان سے استفادہ کرنے کا انداز نہایت ہی ظریف، پیچیدہ بلکہ اسرار آمیز ہیں جن میں خداوندِ عالم کی توحید، علم اور قدرت کی اہم نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے مختلف آیات میں کئی بار انہی چیزوں پر زور دیا ہے۔ اس مختصر سے اشارے کے ساتھ ہم قرآن کی طرف لوٹتے ہیں اور مندرجہ ذیل آیات کو جان و دل سے سماعت کرتے ہیں۔

١۔۔۔يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ (فاطر/٣)

٢۔۔۔اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾ (روم/٤٠)

٣۔۔۔أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (نمل۔٦٤)

٤۔۔۔أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ (ملک/٢١)

٥۔۔۔أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (روم/٣٧)

۶...اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (ذاریات/۵۸)

۷...وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (هود/۶)

۸...قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبا/۲۴)

۹...وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ﴿ق/۹تا۱۱﴾

۱۰...فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝۲۴ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝۲۵ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝۲۶ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝۲۷ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝۲۸ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝۲۹ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝۳۰ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝۳۱ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝۳۲ (عبس/۲۴تا۳۲)[1]

## ترجمه

۱...اے لوگو! خدا کی اپنے اوپر نعمت کو یاد کرو، کیا خدا کے علاوہ کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دے؟ اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے تو پھر تم باطل کی طرف کیوں رُخ کرتے ہو؟

۲...خداوندِ عالم وہی تو ہے جس نے تم پیدا کیا، پھر تمہیں روزی دی، پھر تمہیں موت دے گا، پھر زندہ کرے گا کیا جو خدا تم نے بنا رکھے ہیں، ان کاموں میں سے کوئی کام انجام دے سکتے ہیں؟ وہ پاک و پاکیزہ اور برتر ہے اس سے کہ جو تم اس کے شریک قرار دیتے ہو۔

۳...یا وہ جس نے تخلیق کا آغاز کیا اور پھر اس کی تجدید کرے گا اور وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لے آؤ!

---

[1] اس بارے میں اور بھی بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جو مندرجہ بالا آیت سے ملتی جلتی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ آیات ہیں۔ یونس/ ۳۱، بقرہ/ ۱۷۲، روم/ ۲۸، شوریٰ/ ۱۹، رعد/ ۲۶، شوریٰ/ ۱۲، بقرہ/ ۲۲، ابراہیم/ ۳۲، نحل/ ۷۳، عنکبوت/ ۱۷، مؤمن/ ۱۳۔

۴۔۔۔یا وہ کہ جو تمہیں روزی دیتا ہے، اگر وہ اپنی روزی کو روک لے ( تو پھر تمہاری ضروریات کو کون پورا کرے گا ) لیکن وہ لوگ سرکشی اور حقیقت سے فرار کرنے میں ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔

۵۔۔۔کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خداوندِ عالم جس کیلئے چاہے روزی کشادہ کردے اور جس کیلئے چاہے تنگ کردے؟ اس بارے میں اُن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان لے آئے ( اور حق قبول کرنے کو تیار ہیں )

۶۔۔۔خداوندِ عالم ہی تو روزی رساں اور صاحب قدرت وطاقت ہے۔

۷۔۔۔زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی روزی خدا پر ہے، وہ ان کے ٹھکانے اور آنے جانے کی جگہوں کو جانتا ہے، یہ سب کچھ ( خداوندِ عالم کے علم ) کی واضح کتاب ہے۔

۸۔۔۔کہہ دو! کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ کہو! اللہ!! اور ہم تمہارے ساتھ ہدایت پر ہیں یا کھلم کھلا گمراہی میں!

۹۔۔۔اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا، اور اس کے ذریعہ باغات اور اُن دانوں کو اُ گایا جو وہ کاٹتے ہیں اور بلند قامت کھجوروں کو کہ جن کے پھل ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ بندوں کو روزی عطا کرنے کیلئے ہے۔

۱۰۔۔۔انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی غذا کی طرف دیکھے۔ ہم نے فراوانی کے ساتھ پانی کو آسمان سے بھیجا ہے۔ پھر زمین کو شگافتہ کیا ہے۔ اور اس میں فراوان صورت میں دانے اُ گائے۔ اور انگور اور بہت سی سبزیاں۔۔۔۔۔۔ اور زیتوں اور بڑی مقدار میں کھجور۔۔۔۔۔۔ اور درختوں سے لدے پھندے باغات۔۔۔۔۔ اور میوہ اور چراگاہ۔۔۔۔ تا کہ وہ خود تمہارے اور تمہارے جو پاؤں کیلئے بہرہ مندی کا ذریعہ بنیں۔

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''رِزْق'' کے بارے میں راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں مسلسل عطا اور بخشش، خواہ وہ دنیاوی ہو یا اُخروی، نصیب اور حصہ کو بھی رزق کہتے ہیں۔ اسی طرح اس غذائی مواد کو بھی رزق کہا جاتا ہے جو انسان کے پیٹ کے اندر جاتا ہے۔

''ابن امنظور'' کتاب ''لسان العرب'' کہتے ہیں کہ ''رزق'' کی دو قسمیں ہیں، ایک جسمانی رزق، جیسے مختلف قسم کی غذائیں ہیں

اور دوسرے دل وجان کیلئے روحانی رزق جیسے مختلف علوم ومعارف۔

کتاب ''التحقیق''میں بھی آیا ہے کہ رزق کے معنی ہیں ''وہ خاص عطاو بخشش جو فریق ثانی کے حال کے مطابق اور اس کی ضروریات کے پیشِ نظر ہوتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے۔''

قرآن مجید میں بھی دونوں معانی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورہ ملک کی پندرھویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ:

''هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ''''وہ وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کردیا ہے، لہٰذا تم اس کے شانوں پر چلتے رہو۔اور خدا رزق کھاتے رہو۔''

اور سورہ آلِ عمران کی ۱۶۹ ویں آیت میں شہداء کے بارے میں اشاد ہوتا ہے:

''بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ''وہ تو زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے روزی پاتے ہیں۔

لیکن عام طور پر اس کا استعمال مادی رزق کیلئے ہوتا ہے، ہر چند کی معنوی روزی کیلئے بھی اس کا استعمال کم نہیں ہے۔اور چونکہ مختلف مادی اور معنوی روزیوں کا عطا کرنے والا خدا ہے لہٰذا ''رزق'' کا لفظ اس کی خصوصی صفات میں سے ہے۔[۱]

''طعام''میں مصدر اور اسم مصدر دونوں قسم کے معنی پائے جاتے ہیں، یعنی ''غذا کھانے'' کو بھی اور خود ''غذا'' کو بھی طعام کہتے ہیں۔ کبھی یہ لفظ خاص طور پر گندم پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث ہیں ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ زکوٰۃ فطرہ ایک صاع (تین کلو) ''طعام'' سے، یا ایک صاع ''شعیر'' (جو) سے ادا کیا جائے۔(اس مقام پر طعام بمعنی گندہ ہے جو کہ جُو کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے)

''لسان العرب''میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ طعام ایک ایسا جامع اسم ہے جو ہر قسم کی کھانے کی چیزوں پر بولا جاتا ہے لیکن خود لسان العرب میں اور راغب کی کتاب مفردات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ لفظ پینے کی چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے، جیسے سورہ بقرہ آیت ۲۴۹ میں ہے:

''فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ''جو اس سے پئے گا وہ مجھ سے نہیں اور جو نہیں پئے اوہ مجھ سے ہے۔خلیل بن احمد نے بھی اپنی کتاب ''العین'' میں کہا ہے۔

''کلامِ عرب میں عام طور پر طعام خصوصی طور پر گندم کو کہا جاتا ہے (لیکن ظاہراً یہ اس لئے ہے کہ غالباً اصل غذا روٹی ہوتی ہے اور وہ بھی گیہوں سے تیار کی جاتی ہے وگرنہ بہت سے اربابِ لغت نے تصریح کردی ہے کہ طعام کا مفہوم عام ہے)۔[۲] بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ طعام بمعنی خرما ہے۔یہ بھی بظاہر اس لئے ہے کہ اس درو اور ماحول میں خرما (کھجور) ایک اصل غذا تھی۔

---

[۱] لسان العرب، مفرداتِ راغب، مجمع البحرین اور التحقیق فی کلمات القرآن الکریم۔

[۲] لسان العرب، مفردات، العین اور نہایہ ابن اثیر

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## ہے اس خوانِ نعمت پہ دشمن و دوست!

ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ عرب کے مشرکین کبھی بھی بتوں کو اپنا خالق نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ اس کائنات کے چلانے ،انسانوں کی مشکلات کے حل کرنے اور انہیں نعمتیں عطا کرنے میں ان کا دخل ہے، کیونکہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع ہیں یا یہ کہ اس حصے میں کائنات کا چلانا ان کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ اسی لئے مندرجہ بالا آیات میں اس خرافاتی عقیدہ کی نفی کیلئے مختلف تعبیرات کے ساتھ اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ خالق اور رازق ایک ہی ہے اور ہر قسم کی روزی اسی کی طرف سے ہے۔

واضح سی بات ہے کہ جب کسی شخص کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور دسترخوان پر رنگ برنگے کھانے چنے جاتے ہیں تو وہ اپنا اولین فریضہ یہی سمجھتا ہے کہ اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرے۔ اسی لئے وہ اپنے میزبان کو تلاش کرتا ہے تا کہ اسے پہچانے ،کائنات میں تخلیقِ عالم کے دسترخوان سے بڑھ کر بھی کوئی دسترخوان ہوسکتا ہے؟ کیا ایسا دسترخوان جس پر دوست اور دشمن بیٹھ کر بہرہ ور ہوتے ہیں اس کے مالک کو نہ پہچانا جائے اور جس کی نعمتیں سر سے پاؤں تک اور ظاہر اور باطن کے طور پر ہمیں ڈھانپے ہوئے ہیں اس کا شکریہ ادا نہیں کرنا چاہئے؟ یہی وجہ ہے کہ ''معرفتِ الٰہی'' اور اسی طرح اس کی شناخت کی راہوں میں سے ایک یہی رزق اور روزی ہے۔ اسی لئے سب سے پہلی آیت میں تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ''اے لوگو! اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو'' (یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ)

''کیا خدا کے علاوہ کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی بہم پہنچاتا ہے؟'' (هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ)

آسمان سے تمہارے لئے آفتابِ عالمتاب کی زندگی عطا کرنے والی روشنی ،بارش کے حیات عطا کرنے والے قطرے اور نسیم کے روح پرور جھونکے بھیجتا ہے اور زمین سے مختلف نباتات ،میوے اور دوسرا غذائی مواد اُگاتا ہے۔ زمین کے اندرونی ذخائر اور کانین ان کے علاوہ ہیں۔ اسی لئے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ''اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں اور تمہاری عبادت کی لائق بھی صرف وہی ہے۔ پھر تم راہِ راست سے منہ کیوں موڑتے ہو اور اس عظیم خالق اور روزی رساں کی طرف پشت کر کے بتوں کے آگے کیوں سجدہ کرتے ہو؟'' (لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ)[1]

دوسری آیت میں توحیدِ ربوبیت (خدا کی وحدانیت) نیز توحیدِ عباس کے اثبات کیلئے چار چیزوں پر زور دیا گیا ہے،یعنی انسانی تخلیق

---

[1] ''تؤفکون''، ''افک'' (بروزن صفت) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا اصلی حالت سے دگرگوں ہونا۔ اس لئے جھوٹ، تہمت اور حق سے باطل کی طرف انحراف کو بھی ''افک'' کہتے ہیں۔ اسی طرح ان ہواؤں کو ''مؤتفکہ'' کہتے جو اپنے مقررہ راستوں سے ہٹ کر چلتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو مفردات راغب)

،اسے روزی عطا کرنے ،موت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے جیسے مسائل ہیں۔ یہ تمام امور خدا کی طرف انجام پاتے ہیں، کیونکہ ان میں سے ہرایک کا اپنا مخصوص اور پیچیدہ نظام ہے اور وہ علم وقدرت کے مبداء سے وجود میں آتا ہے۔ارشادفرماتا ہے:

''خداوندِ عالم وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر روزی عطا کی، اس کے بعد تمہیں مارے گا اور جلائے گا۔'' (اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ یُحۡیِیۡکُمۡ)

''کیا جن لوگوں کو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو ان میں سے کوئی بھی اس طرح کے کاموں کی قدرت رکھتے ہیں۔'' (ھَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ)

اسی لئے تمہیں اس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ ''وہ اس بات سے پاک و پاکیزہ اور برتر ہے کہ تم اس کا شریک قرار دو۔'' (سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ)

جب ہم یہ جان لیں گے کہ ہماری پیدائش، روزی، موت اور حیات غرض سب کچھ اسی کے پاس ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کریں اور اس کے غیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ پیدائش اور تخلیق کا مسئلہ رزق، موت اور حیات کو شامل ہے کیونکہ ہر قسم کے رزق کی بازگشت خدائی تخلیق کی طرف ہی ہے۔ اسی طرح حیات بھی خداوندِ عالم کی خلقت اور روزی کی طرف لوٹ جاتی ہے، جب کہ موت، زندگی کے واپس لے لئے جانے کا نام۔ بنابریں ان تین چیزوں پر ہی اکتفا کرنا اس لئے کافی ہے کہ یہ تخلیق کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، بلکہ اس کلی موضوع کے اہم مصداق ہیں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا، اگرچہ مشرکین عرب کے نزدیک قابلِ قبول نظریہ نہیں تھا، لیکن یہ آیت اس استدلال کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ پہلی تخلیق اور اوائل کار میں حیات کی نعمت بروزِ قیامت اس کے تکرار کی روشن دلیل ہے۔ بلکہ اگر ہم اچھی طرح غور وفکر سے کام لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ موت وحیات کا مسئلہ تو اسی دنیا میں بھی مستقل طور پر جاری وساری ہے۔ ہر سال اور ہر مہینے میں بلکہ ہر روز اور ہر گھڑی انسانی وجود موت اور حیات کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ ہزار ہا خلیے مر رہے ہیں تو ہزار ہا پیدا ہو کر اُن کے جانشین بن رہے ہیں اور معاد کا مسئلہ دائمی صورت میں اسی دنیا میں موجود ہے۔ پھر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آخرت میں تمام مردے نئی زندگی کی طرف آئیں گے تو اس میں تعجب کیسا؟

تیسری آیت میں جو کہ توحیدی آیات کی لڑی میں واضع ہوئی ہے اور آسمان وزمین میں توحید کی نشانیوں کا پتہ بتا رہی ہے، ایک بار پھر تین چیزوں کو تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، تخلیق کا آغاز، اس کی بازگشت اور آسمان وزمین سے انسان کو روزی کی فراہمی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ''کیا تمہارے معبود بہتر ہیں یا وہ جس نے تخلیق کا آغاز کیا اور پھر اسے پلٹا دے گا؟'' (اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ)[1] اور وہ

---

[1] اس جملے کا ایک محذوف ہے کہ جو سابقہ (اسی سورت کی ۵۹ ویں آیت) کے قرینہ سے واضح ہوتا ہے اور تقدیری طور پر یوں ہے ''امن یبدؤالخلق ثم یعیدہٗ۔۔۔۔خیرام مایشرکون'' (کیا جس خدانے آفرینش کا اغاز کیا ہے۔۔۔۔بہتر ہے ان کے معبود؟)

جواس آغاز اوراس کے بازگشت کے درمیانی وقفہ میں آسمان اورزمین سے تمہیں روزی عطا کرتا ہے ۔''(وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ) آخر میں فرماتا ہے''پھر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟''(ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰه)''آپ کہہ دیں کہ میں نے تو خدا کی الوہیت کی دلیل پیش کردی ہے۔اگرتم سچ کہتے ہوتواپنی دلیل لے آؤ''(قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ)

بالفاظ دیگر''یہ وہ برکتیں ہیں جن کا براہِ راست تعلق خداوندِ عالم کی پاک ذات سے ہے۔لیکن ہرخوبی سے عاری بتوں سے کسی خیراور برکت کی اُمید نہیں رکھی جاسکتی،ان کالائق عبادت ہوناتو دور کی بات ہے۔''

اس آیت میں''خیر''(بہتر) کی تعبیر جو کہ اس میں محذوف ہےاورسابقہ آیات کےقرینہ کی رو سے معلوم ہوتی ہے،اس لئے نہیں ہے کہ بتوں میں کسی قسم کا فائدہ اورخیروخوبی پائی جاتی ہے جوخدا کے مقابلے میں کم ہے۔بلکہ یہ تعبیراس جگہ پربھی استعمال ہوتی ہے جہاں پرکسی قسم کی خیروخوبی کا سروکار نہیں ہوتا،مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں غذا سے پرہیز کروتاکہ صحیح سالم رہو،کیاتندرستی بیماری سے بہترنہیں ہے؟''ظاہری بات ہے کہ بیماری کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے جس سے تندرستی بہتر ہو۔قرآن مجید میں بھی ہے''وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ''(مومن بندہ ،مشرک اور بت پرست سے بہتر ہے۔بقرہ/۲۲۱)

ایک اورجگہ فرماتا ہے''قُلۡ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ''(کہہ دوکہ آیادوزخ کے دردناک عذاب بہتر ہیں یاجاودانی بہشت؟)(فرقان/۱۵)

خلاصہ کلام لفظ''خیر''اگرچہ''افعل التفضیل''کا صیغہ ہےاوراس کودوچیزوں کے بارے میں استعمال ہوناچاہیےجن میں سے ایک خوب ہوتی ہےاوردوسری خوب تر،لیکن بہت سے مقامات پرمقصدیہ ہوتا ہے کہ مخاطب کوغوروفکر میں ڈال دیا جائے اوراسے باورکرایا جائے کہ اس نے جس چیز کاانتخاب کیا ہےاس میں کسی قسم کی اچھائی اورخوبی نہیں ہے۔

معاد کے مسئلہ پرزیادہ تاکید جب کہ مشرکین اس پرایمان نہیں رکھتے تھے،اس لئے ہے کہ پہلی تخلیق،معاد کی دلیل ہے۔

چوتھی آیت میں یہی بات ایک اورطریقے سے بیان کی گئی ہے۔ارشادہوتا ہے''اگرخداوندِعالم اپنارزق تم سے روک لےتوپھرکون ہے جوتمہیں روزی دے؟(اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ يَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ)[1]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرخدا کےحکم سے ایک سال آسمان سے بارش نہ برسےتوزمین سے کسی قسم کی نباتات نہ اُگنے پائے گی،خشک اورقحط سالی ہرجگہ کواپنی لپیٹ میں لے لے گی۔کیا یہ بت یاکوئی اورچیزاس بات پرقادرہوگی کہ تمہیں روزی بہم پہنچائے؟ یااگرآسمانی روحانی،یامعنوی روزی منقطع ہوجائےتوتمہیں کون ہدایت کرسکتا ہے؟ ظاہری بات ہے کہ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ پھر بت پرست اس بیہودہ عقیدہ پرکیوں اڑے ہوئے ہیں؟ کیا یہاں ہٹ دھرمی،ضداورتعصب کےعلاوہ کوئی اورعامل ہے؟اس لئےتوآیت

---

[1] اگرچہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں محذوف موجود ہے لیکن بظاہر موجودنہیں ہےاوراس کے معنی یوں ہیں۔''ان امسك اللہ رزقه ،من هٰذا الذی یرزقکم''اور یہاں پر''ام''،''بل''کے معنی میں ہوگا۔(غورکیجئے گا)

کے آخر میں فرماتا ہے ''بلکہ وہ تو سرکشی اور حقیقت سے فرار پر اڑے ہوئے ہیں۔'' (بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ)[1]

پانچویں آیت میں رزق کے مسئلے کے بارے میں ایک اور نکتے کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بات ذہن نشین کرائی جارہی ہے کہ رزق کی کشادگی یا تنگی خدا کی منشاء کے مطابق ہوتی ہے۔ فرمایا ہے ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خداوندِ عالم جس کے لئے چاہے روزی کو کشادہ کردیتا ہے اور جس کیلئے چاہے تنگ کردیتا ہے۔'' (اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ)

یہ ٹھیک ہے کہ انسان کی کوشش وتلاش، لیاقت اور شائستگی بھی رزق وروزی کے حصول میں بڑی حد تک موثر ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور جو لوگ اس کی تلاش میں لگے رہتے ہیں انہیں اس کا کافی حد تک حصہ ملتا ہے جب کہ سُست اور کاہل افراد اس سے کمتر حصہ پاتے ہیں لیکن پھر بھی اس سلسلے میں مستثنیات زیادہ ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپاہج اور بے دست وپا افراد کو بڑی حد تک روزی ملتی ہے جب کہ روزی کی لگن میں افراد کو بڑی حد تک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور عرب کے مشہور شاعر کے بقول:

کم عاقل عاقل اعییت مذاهبه
وجاهل جاهل تلقاه مرزوقاً

کتنے عقلمند اور زیرک انسان ایسے ہیں جن پر زوری کی رائیں مسدود ہیں جب کہ بہت سے بے عقل اور نالائق افراد مختلف قسم کی روزی سے بہرہ مند ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ انسان صرف عالمِ اسباب ہی میں کھو کر نہ رہ جائے اور اسے معلوم جانا چاہیے کہ اس کے پیچھے دستِ قدرت بھی کارفرما ہے جو تمام طاقتوں سے بالاتر ہے۔ نیز صاحبانِ ثروت اور تمام وسائل سے بہرہ مند ہونے والے لوگ بھی مغرور نہ ہوں اور سرکشی اور غرور کی رائیں نہ اپنائیں، اسی طرح تنگدست افراد مایوس اور ناامید نہ ہوں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی بھی وقت خدا کے ارادے اور مشیت سے حالات پلٹا کھالیں۔

باالفاظ دیگر ہر انسان کو رزق اور روزی فراہم کرنے کیلئے بیسیوں اسباب باہم جمع ہوں تا کہ انہیں روزی میسر ہو جن میں سے ایک انسان کی اپنی سعی وکوشش بھی ہے۔ بلکہ سعی وکوشش پر اس کی قدرت بھی اور اس کا موجب بھی خدا ہے۔ اس مقام پر انسان روزی کی تنگی یا وسعت کا مسئلہ خدا کی ذات کی طرف لے جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآنِ مجید اس آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔'' (اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ)

وہی جو اپنے ایمان کی وجہ سے حق کے قبول کرنے کی آمادگی رکھتے ہیں اور ان آیات کو دیکھ کر روز بروز خدا سے زیادہ آشنا ہوتے جاتے ہیں۔ درحقیقت مندرجہ بالا آیت جس کا مضمون اور مواد قرآن کی دس آیات میں دہرایا گیا ہے اس بات سے ملتی جلتی ہے جو حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ: ''عَرَفْتُ اللّٰهَ سُبْحَانَه بِفَسْخِ الْعَزَآئِمِ وَحَلِّ الْعُقُوْدِ وَنَقْضِ

---

[1] ''لجوا''، ''لجاجت'' کے مادہ سے ہے اور ''عتو'' کا معنی سرکشی ہے اور ''نفور'' کا معنی کسی چیز سے دوری اور فرار ہے۔

الْهِمَمْ ''میں نے اللہ سبحانہ،کوارادوں کوٹوٹنے ،گرہوں کے کھلنے اور ہمتوں کے ناکارہ ہوجانے کی وجہ سے پہچانا۔[1]

اس بات سے بھی ملتی جلتی ہے جسے بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ایک عالم سے پوچھا گیا کہ خداوندِ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے وجود کی کیا دلیل؟اس نے فرمایا:

''تین دلیلیں ہیں ،یعنی (۱) بہت سے عقلاء کی ذلت ورسوائی۔(۲)لائق اورشائستہ افراد کی غربت وتنگدستی اور۔(۳)حکیموں کی بیماری۔یعنی ''ذُلُّ اللُّبِيْبِ وَفَقْرُ الْاَدِيْبِ وَسَقُمُ الطَّبِيْبِ''[2]

''اَوَلَمْ يَرَوْا''(آیاانہوں نے نہیں دیکھا)کی تعبیراس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرانسان لوگوں کی زندگی کے بارے میں تھوڑاساغوروفکر کرے تواس طرح کے نشیب وفراز کا بخوبی مشاہدکرسکتاہے۔اس نکتے کو بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ خدا کی مشیت اوراس کے ارادے سے روزی کی تنگی یاوسعت یاتعلق ایسی مشیت کے معنی میں ہے جس میں اس کی حکمت کارفرما ہوتی ہے، ورنہ نہ تو یہاں اورنہ ہی کسی اورموقعہ پرغرض کہیں بھی اس کی مشیت،حکمت اورحساب سے خالی نہیں ہوتی ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی بتاتے چلیں کہ اس آیت میں(اور دوسری دس آیات میں )روزی کی تنگی کا مطلب روزی سے مطلقاً محرومی نہیں ہے ، تاکہ سورہ ہودکی چھٹی آیت وغیرہ کے اس کا تضاداورمنافات نہ ہو،جس میں فرماتا ہے''وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللهِ رِزْقُهَا''(زمین پر ہرچلنے والے کی روزی کا ذمہ خدا پر ہے)،بلکہ یہاں پرروزی کے وجود کے ساتھ ہی اس میں محدودیت اورقلت مراد ہے۔

چھٹی آیت میں پہلے تواس نکتہ پرتاکید کرتاہے کہ خداوندِ عالم کو بندوں کی ضرورت نہیں ہے۔اگروہ انہیں اپنی بندگی اوراطاعت دیتاہے تواس لئے نہیں کہ اسے ان کی عبادت واطاعت کی ضرورت ہے(سورہ ذاریات/۵۶۔۵۷)فرماتا ہے کہ صرف خداوندِ عالم ہی روزی عطا کرنے والااورصاحبِ قوت وقدرت ہے''(اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ)

''رزّاق''مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت زیادہ روزی دینے والا،اور یہ صرف خداوندِ عالم کی ذات پاک پر ہی صادق آتاہے جواس وسیع کائنات کے ہرگوشے اورکنارے میں ، پہاڑاوں کی بلندوبالا چوٹیوں پر، پتھروں کے دلوں کے اندر، پہاڑکے درّوں اورتاریک غاروں میں ،سمندروں کی گہرائیوں میں ،غرضیکہ کائنات کے ایک ایک گوشے میں ہرزندہ موجودکوروزی بہم پہنچاتاہے اوروہ اس کے فیضِ عام سے بہرہ مندہورہے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی عطااوربخشش اور بے حدوحساب احسان وفضل کیلئے بے انتہا قدرت اورمکمل قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی لئے اس وصف کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ وہ ''ذوالقوّۃ''(قدرت)اور''المتین''(بہت بڑی طاقت)کا مالک ہے۔

''متین''،''متن'' کے مادہ سے ہے جس کا معنی وہ دوطاقت ورپٹھے ہیں جو پیٹھ کے مہروں کے دنوں طرف واقع ہیں اورانسان کی

---

[1] نہج البلاغہ کلمات قصار جملہ ص ۲۵۰

[2] تفسیر روح البیان جلد ۷ ص ۳۹

پشت کو بھاری کاموں کے انجام دینے کیلئے محکم کرتے ہیں۔ یہاں پر حد سے زیادہ قدرت اور طاقت سے کنایہ ہے۔ یہ جملہ درحقیقت روزی عطا کرنے کے طریقوں میں اس کی پاک ذات کی توصیف بیان کر رہا ہے، کیونکہ یہ صفت صرف اسی ہی کی پاک ذات کے ساتھ خاص ہے۔ دوسروں کے پاس جو کچھ بھی ہے اُسی سے لیا ہوا ہے۔اگر بعض لوگوں یا طبعی اسباب کو ''روزی رسان'' کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے تو درحقیقت وفیض کے انتقال میں واسطہ کے معنی میں ہوتے ہیں نہ کہ خود فیاض اور نعمت آفرین۔

ساتویں آیت میں ایک اور نکتے کو بیان کیا گیا ہے وہ ہے خدا کی رزق کی ہر چلنے پھرنے والے تک رسائی، اور یہ وہ کام ہے جو کائنات کی تمام چیزوں کو مکمل طور پر جانے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔میزبان پہلے ہی سے مہمانوں کی تعداد، ان کی ضرورت کی مقدار اور ان سے برتاؤ کے طریقوں کا علم رکھتا ہو، تا کہ مناسب طور پر اُن کی خاطر تواضع کر سکے۔اسی لئے اس آیت میں فرماتا ہے ''روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اور روزی خدا کے ذمہ نہ ہو۔'' (وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا)

اس تعبیر سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس نے تمام بندوں کی روزی اپنے ذمہ لی ہوئی ہے تا کہ اس طرح ایک تو کچھ لوگوں کے حرص اور لالچ کا سد باب کیا جاسکے اور دوسرے کچھ لوگوں کا بعض دوسرے افراد پر ظلم وستم، اُن کے حقوق کا غصب، ذخیرہ اندوزی، مصنوعی قلت کی ایجاد یا کم از کم خدا کے اس وسیع دستر خوان سے استفادہ کرنے کیلئے تلاش وکوشش کا ترک کر دینا۔غرض یہ ایسے عوامل اور اسباب ہیں جو تو اکیلے اور فی نفسہ یا دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر کچھ لوگوں کی ان کی رزق وروزی سے محروم ہو جانے کا موجب بن جاتے ہیں، وگرنہ خدا نے تو ہر چلنے والے کی روزی اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ چونکہ انہیں روزی کا پہنچانا، ان کے ٹھکانوں اور ان خصوصیات کو مکمل طور پر جانے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا فرماتا ہے ''وہ ان ٹھکانوں اور آنے جانے کی جگہوں کو اچھی طرح جانتا ہے'' (وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا)

''یہ سب کچھ ایک واضح اور آشکارا کتاب (لوح محفوظ، لوحِ علمِ پروردگار) میں درج ہے'' (كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ)

''دابّة''، ''دبیب'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی آہستہ آہستہ چلنا ہیں۔ یہ لفظ (دابہ) چلنے والوں، جانوروں اور حشرات الارض پر بولا جاتا ہے۔ ہر چند کہ بعض تعبیرات میں خاص طور پر گھوڑے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن مسلم ہے کہ یہاں پر اس کے وسیع معنی مراد ہیں جو تمام چلنے والوں کو شامل ہے۔[1]

''مستقر'' کے لفظ کا معنی رہائش گاہ اور مستقل ٹھکانہ ہے۔ یہ دراصل ''قُرّ'' (بروزن حُر) کے مادہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی سخت سردی ہیں جس سے انسان گھر میں دبک کر بیٹھ جاتا ہے۔

''مستودع'' کا معنی ''غیر مستقل ٹھکانہ ہے'' جو ''ودیعة'' کے مادہ سے لیا گیا ہے، جس کے اصل معنی کسی چیز کا ترک کرنا اور اسے چھوڑ دینا ہیں، اسی لئے ناپائیدار امور کو ''مستودع'' کہا جاتا ہے۔

یہ تعبیرات اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ تم یہ نہ سمجھو کہ خداوندِ عالم مخلوقات کی روزی صرف ان کے گھروں میں ہی انہیں بہم

---

[1] تفسیر فخر رازی جلد ۱۷ ص ۱۸۵

پہنچاتا ہے بلکہ وہ جہاں بھی ہوں اور زمین وآسمان کے جس کسی کونے میں بھی رہتے ہوں، خدا ان کی ہر ہر جگہ کو جانتا ہے، انہیں دیکھتا ہے اور ان کی روزی وہیں پر ان کے حوالے کرتا ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے ذیل میں بعض مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی (اور وہ بیابان اور طور وادی میں اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ تھے) جس میں انہیں حکم ملا کہ وہ فرعون کے پاس جائیں، لیکن اس وقت ان کی توجہ اپنے بیوی بچوں کی طرف تھی کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ خداوندِ عالم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا عصا چٹان پر ماریں۔ چنانچہ چٹان شگافتہ ہوئی جس سے ایک اور چٹان ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اس پر پھر عصا مارا تو وہ بھی شگافتہ ہوگئی۔ اس کے اندر سے تیسری چٹان نکلی جس پر انہوں عصا مارا تو دیکھا کہ اس کے اندر چیونٹی کے برابر ایک کیڑا ہے جس کے منہ غذا جیسی چیز ہے جسے وہ کھا رہا ہے۔ اس وقت خداوندِ عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کانوں سے پردے اٹھا دیئے تو انہوں نے سنا کہ کیڑا یوں کہہ رہا ہے:

''سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ ,وَیَسْمَعُ کَلَامِیْ, وَیَعْرِفُ مَکَانِیْ, وِیَذْکُرُنِیْ وَلَایَنْسَانِیْ'' پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے، میرا کلام سن رہی ہے، میری رہائش کی جگہ کو جانتی ہے، مجھے یاد رکھتی ہے اور مجھے فراموش نہیں کرتی۔[1]

نیز ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایک تلوار تھی جس پر یہ چار جملے لکھے ہوئے تھے: ''اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ وَالْحَرِیْصُ مَحْرُوْمٌ ,وَالْبَخِیْلُ مَذْمُوْمٌ, وَالْحَاسِدُ مَغْمُوْمٌ'' رزق تقسیم شدہ ہے، لالچی شخص محروم ہے، بخیل قابل مذمت ہے اور حاسد مغموم ہے۔[2]

اس گفتگو کو ہم شعرائے عرب میں سے ایک شاعر کے دو اشعار پر ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں ؎

کیف اخاف الفقر واللّٰہ رازقی
ورازق ھٰذا الخلق فی العسر والیسر
تکفل بالارزاق للخلق کلھم
وللضب فی البیداء وللحوت فی البحر

میں فقر و تنگدستی سے کیوں ڈروں جب کہ خدا میرا بھی روزی دینے والا ہے اور دوسری تمام مخلوقات کا بھی روزی دینے والا ہے، سختی میں بھی اور آسانی میں بھی۔ وہ تمام مخلوق کی روزی اپنے ذمہ لئے ہوئے ہے، حتیٰ کہ سوسمار کو خشک صحرا میں اور مچھلی کی سمندر و دریا میں روزی دیتا ہے[3]

آٹھویں آیت میں گویا مشرکین کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ان کے عقیدہ کے باطل ہونے کو کائنات کی ہر چیز کو روزی

[1] تفسیر فخر رازی جلد ۱۷ ص ۱۸۶، تفسیر روح البیان جلد ۴ ص ۹۷، تفسیر روح المعانی جلد ۱۲ ص ۲

[2] تفسیر روح المعانی جلد ۴ ص ۹۷

[3] سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۵۱۸ مادہ ''رزق''

پہنچانے کے ذریعہ روشن اور واضح کرتا ہے اور توحید ربوبیت کو آشکارا کرتے ہوئے فرماتا ہے،''ان سے پوچھو کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون روزی عطا کرتا ہے''(قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ)

سورج کی روشنی سے، بارش کے زندگی بخش قطروں سے، اس زندگی آفرین ہوا سے اور اسی طرح مختلف غذائی مواد سے جو تاریک مٹی کے دل میں چھپے ہوتے ہیں اور میووں، غلوں اور انواع واقسام کی سبزیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر ان کے کسی قسم کے جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے''کہہ دو کہ خدا ہے جو ہمیں یہ سب روزیاں عطا کرتا ہے''(قُلِ اللّٰہُ)

''بنابریں، ہم یا تم میں سے ایک ہدایت پر اور دوسرا واضح گمراہی پر ہے۔''(وَاِنَّاۤ اَوۡ اِیَّاکُمۡ لَعَلٰی هُدًی اَوۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ)

کیونکہ دو متضاد عقیدے باہم اکٹھے نہیں ہو سکتے اور چونکہ تم بتوں کے برکات کا سرچشمہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں رکھتے، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور تم کھلم کھلا گمراہی میں ہو۔ اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس مقام پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جواب کے انتظار میں نہیں بیٹھتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واقعاً ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، سوائے شرمساری بھرے سکوت کے، اسی لئے اس قسم کے مقامات پر ایک فصیح مقرر کو از خود سلسلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے جواب بھی خود دینا چاہیے۔

فنون فصاحت میں سے ایک فن یہ بھی ہے کہ بعض مقامات پر مدِ مقابل کے ساتھ سربستہ گفتگو کی جاتی ہے اور اس کا فیصلہ خود انہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی فرماتا ہے''کہہ دو ہم یا تم میں سے ایک ہدایت پر ہے اور دوسرا آشکار گمراہی پر۔''یقینی بات ہے کہ یہاں پر گمراہ شخص بھی معین تھا اور ہدایت یافتہ بھی معین تھا۔ اور کس قدر بہتر بات ہے کہ ظاہری عبادت سربستہ راز رہے تاکہ ان کی ہٹ دھرمی کی حس بھی نہ بھڑکے اور نتیجہ نکالنا بھی انہی کے ذمہ رہے۔

تعجب کی بات ہے کہ بعض مفسرین نے اس جملہ کو''تقیہ''پر محمول کیا ہے جب کہ یہاں پر تقیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور بات ------بڑی لطافت کے ساتھ---------بیان کردی گئی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پہلے تو فرماتا ہے''ہم''اور پھر کہتا ہے''تم''اور اس کے بعد فرماتا ہے''ہدایت''پر یا''گمراہی''پر ہیں۔ یہ ترتیب بھی بات کو مزید واضح کر رہی ہے۔

نویں آیت میں پہلے تو آسمان سے بابرکت پانی نازل ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر روزی کے تین عمومی فوائد پر تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے''ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا اور اس کے ذریعہ باغات اور اناج اُگائے جو تم کاٹتے ہو''(وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ) اور بلند قامت کھجوروں کو بھی کہ جن کے میوے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔(وَالنخل باسقاتٍ لها طلعٌ نضیدٌ[1]

''یہ سب کچھ بندوں کی روزی کیلئے ہے''(رِزۡقًا لِّلۡعِبَادِ)

---

[1] ''حصید'' کا معنی کٹا ہوا (یا کٹنے کے قابل) ہے۔''باسقات''م''باسقۃ'' کی جمع ہے جس کا معنی بلند ہے۔''طلع''کے معنی درخت خرما کا وہ پھل ہوتا ہے جو آغاز پیدائش میں ہوتا ہے۔ اور''نضید'' کا معنی جڑا ہوا اور کثیر تعداد میں'' ہے جو خاص طور پر درخت خرما پر ہی قابلِ دید ہوتا ہے۔

درحقیقت اس آیت میں خاص طور پر میوہ جات اور غذائی اناجوں پر خاص طور پر تاکید کی گئی ہے جو انسانی غذا کا اہم ترین اور صحیح وسالم ترین حصہ ہیں، پھل میووں میں سے خرما پر زیادہ تاکید کی گئی ہے کیونکہ اس میں غذائی مواد سب سے زیادہ ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم بڑی تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔[1]

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ رزق اور روزی کی ان تین قسموں پر زیادہ زور اس لئے دیا گیا ہے کہ ان میں کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کیونکہ بعض نباتات ایسی ہیں جو ہر سال پھل دیتی ہیں اور نئے سرے سے بیج ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسے کئی پھلدار درخت ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کے لئے ہر سال بیج ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔، جیسے دانے دار غذائی نباتات (مثلاً گندم، جو، چاول اور مکئی وغیرہ) اور کچھ ایسی ہیں جو ان دونوں کے درمیان درمیان ہیں، جیسے خرما کا درخت، جس کا اصل تو ثابت اور برقرار ہے لیکن ہر سال ''گردہ ڈالنے POLLINATION کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ نر کے سفوف یا گردے POLLEN کو لے کر مادہ کے ثمر پر چھڑک دیتے ہیں تا کہ وہ مکمل طور پر بارور ہو جائے، البتہ ایسا کئے بغیر بھی ان کا بارور ہونا ممکن ہے (ہواؤں اور حشرات کے ذریعہ سے) لیکن صحیح معنوں میں بارور نہیں ہوں گی۔ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ''رِزْقًا لِّلْعِبَادِ''[2] کی تعبیر اس حقیقت کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ خدائی نعمتوں کو اس کی بندگی اور عبادت کی راہوں میں کام میں لانا چاہیئے۔ یہ تمام موجودات بطور کامل انسان کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے اس کے تابع فرمان ہیں تا کہ وہ رزق حاصل کر کے غفلت کے ساتھ نہ کھائے۔ بقول شاعر ؎

خوردن برای زیستن وذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

کھانا جینے اور خدا کو یاد کرنے کیلئے ہے۔ تو نے سمجھ رکھا ہے کہ جینا کھانے کیلئے ہے۔ اسی سلسلے کی دسویں اور آخری آیت میں ان مختلف غذاؤں پر زیادہ تاکید کی گئی ہے جنہیں خداوند متعال نے انسانوں اور جانوروں کے اختیار میں دے رکھا ہے اور انسان کو ان کے بارے مطالعہ کی دعوت دی ہے تا کہ ایک تو اس کی شکر گزاری کی حس کو اجاگر کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ ہی منعم حقیقی کی پہچان اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت کیلئے آمادہ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے'' (فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ)

ذرا دیکھو تو سہی سورج، زمین، ہوا اور بارش جیسے مختلف عوامل ایک دوسرے سے مل کر رزق وروزی کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ یہ سب نعمتیں انسان کے اختیار میں آتی ہیں۔ اور یہ بھی دیکھے کہ کس طرح ''ہم نے آسمان سے زیادہ مقدار میں پانی نازل کیا ہے، پھر زمین کو شگافتہ کیا ہے اور اس سے کھانے کے اناج بڑی مقدار میں پیدا کئے ہیں؟'' (أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا)

---

[1] تفسیر نمونہ جلد ۱۳ میں سورہ مریم کی ۲۵ آیت کا مطالعہ کریں

[2] ''رزقًا''، ''مفعول لہ'' ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ''مفعول مطلق'' یا ''حال'' کا احتمال بہت بعید ہے۔

''اسی طرح انگور اور بڑی تعداد میں سبزیاں'' (وَعِنَبًا وَّقَضۡبًا) [۱]

اور زیتوں اور نخل اور درختوں بھرے باغات اور میوہ اور چراگاہ (وَزَیۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا وَّ فَاکِہَۃً وَّاَبًّا) [۲]

اگرچہ ''فاکھۃ'' بمعنی ''میوہ'' ہے جو ہر قسم کے میوں کو شامل ہے اور ''حدائق'' کا معنی ''باغات'' ہے، جس میں ہر قسم کے باغات شامل ہیں۔ تاہم ''انگور''، ''زیتون'' اور ''خرما'' کا خصوصی ذکر اس لئے ہے کہ ان تین میوؤں کے بہت اہم خواص ہیں اور آج علمِ غذا شناسی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

اگرچہ ''طعام'' عام طور پر جسمانی طعام کے معنی ہے، خاص کر اس آیت میں، کیونکہ اس کے بعد مادی غذا اور میوہ جات اور خورا کی اناجوں کا ذکر آیا ہے، لیکن جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے طعام کے وسیع معنی ہو سکتے ہیں جو کہ معنوی طعام کو بھی شامل ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اچھی طرح نگاہ کرے کہ وہ جس علم و دانش کو حاصل کرنا چاہتا ہے کس سے حاصل کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں زہریلی تعلیمات نہ ہوں۔

اس آیتِ شریفہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ ''فلینظر'' (چاہیے کہ دیکھے) کا جملہ ہوسکتا ہے کہ مبدأ اور معاد کے اسرار پر غور کرنے کو بھی شامل ہو اور خبیث و ناپاک سے پاک و پاکیزہ کو ناجائز سے جائز کو اور مضر اور نقصان دہ سے مفید اور فائدہ مند نوع کو انتخاب کرنے کو شامل ہو۔ ان آیات کی تشریح میں کچھ بتایا گیا ہے اس سے مجموعی طور پر بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ خداوندِ عالم کی خداداد مختلف روزیاں اس کی آیت اور اس کی عظمت کے آثار ہیں۔ ان کی ساخت میں استعمال ہونے والا محیر العقول نظم، ہر ایک پر حکم فرما خصوصیت، ہر ایک میں موجود حیاتیاتی مواد اور اسی طرح ان رزقوں کو ضرورت مندوں تک پہنچانا اور ان کی ضروریات کی تشخیص کرنا، غرض ان میں سے ہر ایک اس کی ذاتِ پاک کی حکمت اور عظمت کی ایک ایک آیت اور نشانی ہے۔

# چند ضروری توضیحات

## ۱۔ رزق کی دنیا میں محیر العقول کارنامے

یہ حقیقت ہے کہ اگر ہم دنیا میں موجود چیزوں کے طبعی منابع سے روزی حاصل کرنے کے بارے میں قدرے غور و فکر سے کام لیں تو پروردگارِ عالم کی قدرت کے بڑے دلچسپ اور حیرت انگیز نکتے ہم پر روشن ہوں گے۔ سب سے پہلی بات جو دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ روئے زمین پر موجود غذائی مواد محدود ہونے کے باوجود ہزاروں، لاکھوں سال سے انسانوں اور جانوروں کے استفادہ کے باوجود کم نہیں ہوتا، آخر کیوں

---

[۱] ''قضب'' (بروزن جذب) جس کا معنی کاٹنا اور چننا ہے اور مفسرین نے اس کی تفسیر ان سبزیوں سے کی ہے جنہیں کئی بار چنا جاتا ہے۔

[۲] ''حدائق''، ''حدیقہ'' کی جمع ہے جس کا معنی وہ باغات ہیں، جس کے اطراف میں دیوار کھینچ کر اسے محصور کر دیا جائے۔ ''غلب''، ''اغلب'' کی جمع ہے جو ''غلبہ'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہٹا کٹا اور موٹا تازہ ہیں، اور ''اب'' کا معنی خودرو گھاس یا طبعی چراگاہیں ہے یا وہ میوے ہیں جنہیں سکھا یا ار محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

؟ یہ بے دریغ جوانِ نعمت جو ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، ختم ہونے میں نہیں آتا، آخر کس لئے؟

جب ہم اچھی طرح غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا غذائی مواد اپنی ایک مخصوص صورت رکھتا ہے کہ اگر کروڑوں اربوں سال تک بھی اس سے استفادہ کیا جاتا رہے تو پھر بھی سوئی کی نوک کے برابر اس میں کمی واقع نہ ہو اور یہ سب کچھ اس کی ''دورانی گردش'' کی وجہ سے ہے۔ مثلاً پانی، سمندر سے بخارات میں تبدیل ہوکر بادل اور بارش کی صورت اختیار کرلیتا ہے اس کا ایک حصہ پھر سمندر میں چلا جاتا ہے، ایک حصہ انسانوں جانوروں اور نباتات کے بدن کا جزٔ بن جاتا ہے اور وہ بخارات میں تبدیل ہوکر فضا میں منتشر ہوجاتا ہے۔ دورانی گردش کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ درخت زمین سے غذائی مواد کو حاصل کرتے ہیں جس سے اُن کی شاخیں اور پتے پروان چڑھتے ہیں، پتے جھڑتے ہیں تو گل سڑ کر کھاد کی شکل اختیار کرلیتے ہیں اور پھر انہی درختوں کیلئے غذائی مواد کا کام دیتے ہیں۔ جانور غذائی مواد سے استفادہ کرتے ہیں اور پھر مٹی بن کر زمین کے غذائی مواد میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

انسان اور جانور سانس کے ذریعہ ''آکسیجن'' اپنے اندر لے جاتے ہیں اور ''کاربن ڈائی آکسائیڈ'' خارج کرتے ہیں جب کہ درخت اس کے برعکس عمل کرتے ہیں۔ وہ ''کاربن ڈائی آکسائیڈ'' استعمال اور ''آکسیجن'' خارج کرتے ہیں اور یہ باہمی تبادلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ یہیں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا یہ بچھایا ہوا دسترخوان ہمیشہ سے بچھا ہوا ہے اور آئندہ بھی بچھا رہے گا۔ تمام زندہ مخلوق اس خوانِ نعمت پر بیٹھی اپنا رزق کھا رہی ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی وجود میں نہیں آتی۔ مختلف نباتات کی روزی کے حصول کا طریقہ کار بھی عجیب ہے بعض نباتات، غذائی مواد اور رطوبتیں زمین سے حاصل کرتی ہیں بعض پانی سے (جیسے تیرنے والی گھاس)، بعض ہوا سے اور بعض دوسری نباتات کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے (جیسے آکاس بیل وغیرہ)

سمندر کی گہرائیوں میں رہنے والے جانور ایسی جگہ زندگی بسر کرتے ہیں جہاں گھاس وغیر کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ کیونکہ سورج کی شعاعیں زیادہ سے زیادہ چھ یا سات سومیٹر تک مکمل طور پر مٹ جاتی ہیں اور اس کے بعد مکمل پر سمندر کے پانی پر تاریک اور جاودانی رات کی حکمرانی ہوتی ہے، لیکن خداوندِ عالم ان کی روزی کا بھی بندوبست کرتا ہے، وہ اس طرح کی سطح سمندر پر وہ تیار ہوتی ہے اور سمندر کی گہرائیوں میں بھیج دی جاتی ہے جو نباتات بڑی تعداد میں موجوں کے درمیان اور سورج کی روشنی کے مقابل پرورش پاتی ہیں، جب وہ قابلِ استفادہ ہوجاتی ہیں تو سطح سمندر میں موجود زندہ مخلوق کو ان کا حصہ دیتی ہیں اور باقی بوجھل ہوکر اس کی گہرائیوں میں ازخود چلی جاتی ہی، اسی طرح سطح سمندر پر باقی رہ جانے والی زندہ مخلوق بھی آسانی فائدہ کی صورت میں سمندر کی گہرائیوں میں موجود زندہ مخلوق کی طرف بھیج دی جاتی ہے۔

کبھی ہوا کے پرندوں کو دریا کی مچھلیوں کے نصیب میں کردیا جاتا ہے تو کبھی دریا کی مچھلیوں کو ہوا کے پرندوں کے نصیب میں کبھی نباتات کو حیوانات کی غذا قرار دیا جاتا ہے تو کبھی گوشت خور نباتات کیلئے جانوروں کو اُن کی غذا بنایا جاتا ہے، کبھی ایک مخلوق کی بچی ہوئی اور اس کیلئے مشکل پیدا کردینے والی غذا کو دوسری مخلوق کیلئے لذیذ غذا بنادیتا ہے (مثال کے طور پر بعض سمندری مگرمچھ، مچھلیاں کھاتے ہیں۔ اس غذا سے ان کے دانتوں میں کچھ بچ رہتی ہے۔ پھر وہ ساحل پر آجاتے ہیں اور اپنی غار نما منہ کھول دیتے ہیں۔ ساحلی پرندوں کا ایک دستہ ان کے منہ کے اندر چلا جاتا ہے اور وہ ان کے دانتوں میں بچے کھچے گوشت کو کھانا شروع کردیتے ہیں جو ان کی لذیذ غذا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ان کیلئے

مسواک کا کام دیتے ہیں اور وہ بھی ان کے اس تعاون کی قدر کرتے ہیں جب تک آخری پرندہ ان کے منہ سے باہر نہیں آ جاتا اپنا منہ بند نہیں کرتے۔ جب تمام کام مکمل ہوجاتا ہے اور مشکل پیدا کرنے والی غذا مکمل طور پر ختم ہوجاتی ہے۔ جب پرندے بھی اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں تو وہ جانور اپنا منہ بند کر کے دوبارہ پانی کے اندر چلا جاتا ہے۔[1]

قصہ مختصر یہ کہ ہم جس قدر اس مسئلہ کی گہرائی میں جائیں خالقِ کائنات کے علم وحکمت اور رزق رسانی کی تدبیر کے سلسلے میں اسی قدر تازہ ترین نکات ہمیں حاصل ہوں گے، اور وہ بھی اس طرح کہ ''اچانک'' ہر قسم کے احتمال کی نفی کریں گے۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم انسان کے تین ادوار کے بارے میں دورِ جنین (دورِ رضاعت یا دودھ پینے کا دورانیہ اور غذا کھانے کا دورانیہ) غور وفکر کریں کہ کس طرح خداوندِ عالم اس کے حال کے مطابق ان تین حساس مراحل میں بغیر کسی کمی وپیشی کے اسے غذا بہم پہنچاتا ہے۔ جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو PLACENTA بند ناف اور ماں کے خون سے مستقیم پیوند کے پیچیدہ سسٹم کے ذریعہ، اور پیدا ہوجانے کے بعد جب نہ تو غذا چبانے کیلئے اس کے دانت ہوتے ہیں اور نہ ہی غذا کے ہضم کرنے کیلئے مضبوط معدہ آنتیں تو اس وقت ماں کے دودھ بھرے پستان اس کے اختیار میں دے دیتا ہے، جو تمام حیاتیاتی مواد سے بھرپور ہوتے ہیں، نہ سرد ہوتے ہیں نہ گرم، نہ زیادہ میٹھے نہ کھاری، نہ جنہیں چبانے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی معدے کو ہضم کرنے کیلئے زیادہ فعالیت کی ضرورت۔

تیسرے مرحلہ پر ''خوشگوار'' غذا اس کے اختیار میں دے دیتا ہے۔ درحقیقت اگر انسان اور دوسرے جانوروں کیلئے ''خوشگوار'' غذا کا بندوبست نہ ہوتا اور کڑوی دوا کی مانند اسے استعمال کیا جاتا تو انسانی زندگی میں کتنی مشکل درپیش ہوتی، اور کیا اکثر لوگ صحیح غذا نہ ملنے کی وجہ سے نیست ونابود نہ ہوجاتے؟ پھر یہ کہ انسان کے اندر بھوک اور پیاس کا احساس پیدا کردیا تاکہ خودکار صورت میں جب بھی اسے ان دو حیاتیاتی مواد کی ضرورت درپیش آئے تو ان کی طرف متوجہ ہوجائے۔ ذرا سوچیئے تو سہی کہ اگر یہ احساس اس کے اندر نہ ہوتا تو کیا صورتِ حال ہوتی؟ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مشہور حدیث توحید مفضل میں فرماتے ہیں:

''اے مفضل! ان کاموں میں اچھی طرح غور کرو جو خدا نے انسان کے اندر قرار دیئے ہیں؟ مثلاً کھانا کھانا، سونا، جنسی ملاپ اور جو تدبیر ان میں کارفرما ہے۔ خداوندِ عالم نے ان میں سے ہر ایک کیلئے انسانی طبع میں محرک اور عامل قرار دئے ہیں تاکہ وہ اس کی طرف حرکت کرے۔ بھوک، انسان کو کھانے کی طرف بھیجتی ہے، جس میں جسم کی حیات اور استواری ہے۔ تھکاوٹ نیند کا تقاضا کرتی ہے جس میں جسم کی راحت اور تروتازگی ہے۔ اور شہوت جنسی اسے جنسی ملاپ کی دعوت دیتی ہے جس میں نوع انسانی کی بقاء ہے۔ اگر انسان میں ایسے عوامل اور محرکات نہ ہوتے اور وہ سوچ وبچار کے ذریعہ ہی اپنی ساری ضرورتیں پوری کرتا رہتا تو ان اُمور کو تاہی برتنے کی وجہ سے تھوڑے عرصے ہی کے اندر ہلاک ہوجاتا۔ لیکن خداوندِ بزرگ وبرتر نے ان اہم ترین ضرورتوں کے پورا کرنے کیلئے انسانی طبع میں کچھ محرک پیدا کئے ہیں جو اُسے اُن کی طرف

---

[1] فخر رازی اپنی تفسیر میں اس موضوع کی طرف مختصر سا اشارہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس قسم کے پرندوں کے سر پر ''کانٹے'' کی مانند کوئی چیز ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی وقت کوئی مگرمچھ ان پرندوں کو نگلنے کا ارادہ کرتا بھی ہے تو وہ کانٹا اسے ایسا نہیں کرنے دیتا۔ (تفسیر فخر رازی جلد ۲۴ ص ۱۱

لے جاتے ہیں۔[۱]

یہی وجہ ہے کہ تندرست انسان کیلئے کس قسم کی رغبت، خاص کر اس کی غذا کی طرف، بدن کی ضرورت کی دلیل ہے، نیز اسی وجہ سے اس قسم کے لوگ ایسی اندرونی رغبت کا مثبت جواب دیتے ہیں مشہور روسی دانشور ''پالوف'' کہتے ہیں:

''طبعی اور مفید غذا وہ ہوتی ہے جو لذت اور بھوک کے ساتھ کھائی جائے۔''اسی لئے ان غذاؤں کے مقابلے میں جن کی انسان کو خواہش ہوتی ہے، کسی خاص قسم کے چارت کے مطابق غذا کا استعمال ایک تندرست اور صحیح سالم انسان کیلئے بے معنی سی بات ہے کیونکہ انسان کا غذاؤں کی طرف رغبت کرنا ہی بدن کی ضرورت کی ایک بہترین دلیل ہے۔ آخر یہ کون سی تشکیلات ہیں جو اس قدر منظم اور حساب و کتاب کے تحت کام کر رہی ہیں۔ جو خود ہی اپنی ضروریات کی تعین کر رہی ہیں، ادھر ذرا سی کمی محسوس ہوئی اور اُدھر راز بھرے مواصلاتی ذریعہ نے انسانی طبع کو بیدار کر دیا اور اس کیلئے اسے روانہ کر دیا۔ کیا اس قسم کے امور کو ''اتفاق'' کا شاخسانہ اقرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا عقل اور وسیع تدبیر کے بغیر ایسا منظم کام کرنا ممکن ہے؟

## ۲۔ کیا روزی تقسیم شدہ ہے؟

مندرجہ بالا آیات میں سے بعض آیات میں یہ نکتہ آیا ہے کہ ہر چلنے والے کا رزق خدا پر موقوف ہے اور خدا ہی ان کی کفالت کرتا ہے، جیسے ارشاد ہوتا ہے۔ ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔۔۔۔'' (ہود/ ٦) جب کہ بعض دوسری آیات میں آیا ہے کہ رزق کی وسعت اور تنگی خدا کی منشاء کے مطابق ہوتی ہے، جیسے سورہ روم کی ۳۷ ویں آیت میں اور اس کے علاوہ دوسری بہت سی آیات ہیں۔

روایات میں بھی اسی چیز کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''وقدر الارزاق فکثرها وقللها وقسمها علی الضیق واسعة'' خداوندِ عالم نے روزیوں کو مقدر کر دیا ہے، زیادہ اور کم بنایا ہے اور معیشت کو تنگی اور وسعت کی بنیادوں پر تقسیم کیا ہے۔[۲] اور آپؑ ہی تحصیل علم کا شوق دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان طلب العلم اوجب علیکم من طلب المال، اَنَّ الْمَالَ مقسوم مضمون لکم قد قسمه عادل بینکم وضمنه وسیفی لکم، والعلم مخزون عند اهله قد امرتم بطلبه'' تم پر علم کا طلب کرنا مال کے طلب کرنے سے زیادہ واجب ہے، کیونکہ رزق تقسیم شدہ ہے اور اس کی ضمانت دی جاچکی ہے اور وہ اس کو پورا کرے گا لیکن علم و دانش اہل علم کے پاس ہے اور تم کو اس کے طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[۳]

---

[۱] بحار الانوار جلد ۳ ص ۷۸،۷۹، توحید مفضل

[۲] نہج البلاغہ، خطبہ ۹۱

[۳] معالم (الدین فی) الاصول ص ۹

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعاً ایسا ہے تو پھر روزی اور معاش کے حصول اور معاشرہ کی اقتصادی بہبود کیلئے منصوبہ بندی کے کیا معنی؟ لیکن باقی دوسری آیت اور روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم ان کو آپس میں ملا کر دیکھیں تو اس سوال کا جواب روشن ہو جائے گا کہ خداوندِ عالم کی طرف سے روزی اور رزق کی ضمانت، اس کی طرف سے روزی کی کفالت اور تقسیم سے مراد وسائل کا فراہم کرنا اور ان کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔ ان میں سے کچھ تو انسانی وجود سے باہر ہیں اور کچھ اس کے اندر جب یہ سب آپس میں مل جائیں تو انسان کو اپنی روزی کا حصہ مل جاتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیئے جیسے کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہیں اس ادارے کے سربراہ کے ذریعہ مقرر ہوتی ہیں، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کی یہ تنخواہیں ان کو گھر بیٹھے مل جائیں اور وہ کوئی کام نہ کریں۔ نہیں! بلکہ انہیں کام کرنا ہوگا۔ ذاتی طور پر حاضر ہو کر تنخواہ رجسٹر پر دستخط کرنا ہوں گے اور خود تنخواہ وصول کرنا ہوگی۔ یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ خداوندِ عالم بسا اوقات ایسے لوگوں کو رزق عطا کرتا ہے جو قطعاً محنت نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کو محروم کر دیتا ہے جو سعی و کوشش میں لگے رہتے ہیں، تاکہ لوگ "عالم اسباب" میں گم ہو کر روزی کی صرف تلاش و کوشش میں ہی محدود نہ سمجھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ اس سب کچھ کے پیچھے کوئی اور قدرت ہے جو اس انظام کو چلا رہی ہے۔ (لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ چند استثنائی مثالیں ہوتی ہیں، اصل بنیاد جب کہ تلاش اور کوشش ہی ہے)

شاید اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"واعلموا ان الرزق رزقان تطلبونه ورزق يطلبكم ،فاطلبوا ارزاقكم من حلال ،فانكم ان طلبتموها من وجوهها اكلتموها حلالاً وان طلبتموها من غيروجوهها اكلتموها حراما" جان لو کہ رزق دو قسموں پر ہے، ایک رزق وہ ہے جس کے پیچھے تم جاتے ہو اور دوسرا وہ ہے جو تمہارے پیچھے آتا ہے۔ اسی لئے رزق کو حلال راہوں سے طلب کرو کیونکہ اگر تم حلال طریقوں سے طلب کرو گے تو حلال کر کے کھاؤ گے اور اگر غلط طریقوں سے طلب کرو گے تو اسے حرم کر کے کھاؤ گے۔[1]

رزق کی ان دو قسموں پر تقسیم درحقیقت ان آیات اور روایات کو جمع کرنے کی دلیل ہے جن میں روزی کی تقسیم اور ضمانت کی بات کی گئی ہے اور جس کے نقطہ مقابل میں روزی کا حصول جد و جہد اور سعی و تلاش کے ساتھ مشروط بتایا گیا ہے۔[2]

علاوہ ازیں رزق کی ان دو قسموں میں تقسیم سے آگاہی اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ حریص اور لالچی لوگ حرص اور لالچ سے باز رہیں، مؤمنین زیادہ رزق کے حصول کیلئے اپنے آپ کو حرام کاموں سے آلودہ نہ کریں اور رزق سے محروم لوگ مایوسی و نا اُمیدی کا شکار نہ ہو جائیں۔

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۲۹

[2] ان روایات سے مطلع ہونے کیلئے کتاب وسائل الشیعہ جلد ۱۲ کتاب التجارہ صفحات ۹، ۱۶، ۱۸، ۲۲، ۲۴، اور ۲۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

## ۳۔۔۔۔۔۔پھر یہ بھُو کے کیوں ہیں؟

آیات بالا میں یہ حقیقت اچھی طرح بیان کی گئی ہے کہ خداوندِ عالم نے تمام زندہ مخلوق کی روزی اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور وہ جہاں بھی ہوں روزی انہیں وہیں پر مل کر ہی رہتی ہے۔لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس دنیا میں تاریخی طور پر کچھ لوگ بھوک کی وجہ سے مر چکے ہیں اور مر رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ !ان کی روزی کی ذمہ داری نہیں لی گئی تھی؟

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل نکات کی طرف توجہ کرنی چاہیے ۔

اولاً: روزی کی ضمانت اور ذمہ داری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے عقلمند اور باشعور افراد کیلئے فراہم کر دیا گیا ہے اور ان کے گھروں میں بھیج دیا جاتا ہے، یا لقمہ بنا کر ان کے منہ میں دیا جاتا ہے۔نہیں بلکہ اس کیلئے راہیں ہموار ہوتی ہیں اور انسان کی تلاش اور کوشش اس کے حصول کی شرط ہے، حتیٰ کہ جناب حضرت مریم سلام اللہ علیہا جو ایک خاموش بیابان میں وضعِ حمل کی سخت تکلیف میں مبتلا تھیں اور خداوندِ عالم نے اس بیان میں موجود خرما کے ایک درخت پر تازہ کھجوروں کے پھل ظاہر کر دیئے، انہیں بھی تحرک کرنے کا حکم ملا اور اس جملہ سے انہیں خطاب ہوا ''وَهُزِّىٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ...''(اے مریم! تم اس درکت خرما کو ہلاؤ تا کہ تم پر تازہ کھجوریں گریں۔)

ثانیاً: اگر کچھ لوگ ماضی یا حال میں دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالیں اور انہیں غصب کریں تو یہ خدا کی طرف سے روزی کی عدم ضمانت کی دلیل نہیں ہے۔بالفاظ دیگر سعی اور کوشش کی شرط کے علاوہ عدالت اجتماعی کا وجود ہونا بھی ضروری ہے، جو روزی کی منصفانہ تقسیم کیلئے بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔اگر اس مقام پر یہ کہا جائے کہ پھر خداوندِ عالم ظالموں کے ظلم کا ادراک کیوں نہیں کرتا، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ انسانی زندگی کی اساس اس کے ارادے کی آزادی پر ہے تا کہ سب کی آزمائش ہو، نہ کہ جبر و اکراہ پر۔اگر ایسا نہ ہو تو پھر ارتقاء کا امکان مدوم ہو جاتا ہے۔(غور کیجئے گا)

ثالثاً: اس کرّۂِ ارضی میں غذا کے حصول کے کئی منبع (ذرائع) موجود ہیں جنہیں سوچ و بچار اور عقل وشعور کے ذریعہ دریافت کیا جا سکتا ہے۔اگر اس بارے میں انسان کوتاہی کرے تو خود ہی قصوروار ہوگا نہ کہ خدا!

ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ افریقی علاقے جہاں کے باسی بھوکوں مر رہے ہیں، ان میں سے بعض تو دنیا کے دولت مندترین علاقے ہیں لیکن مذکورہ بالا تباہ کن عوامل جن کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے انہیں یہ روز بد دکھا رہے ہیں۔اس اجمالی بحث کو ہم نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۵ سے مولا علی علیہ السلام کے فرمانِ مبارک پر ختم کرتے ہیں۔امامؑ فرماتے ہیں:

''انظروا الی النملة فی صغر جثتها ولطافة هیئتها لاتكادتنال یلحظ البصر ولا بمستدرك لفكر كیف دبت علی ارضها وصبت علی رزقها، تنقل اجثة الی جُحرها وتعدها فی مستقرها، تجمع فی حرها لبردها وفی وردها لصدرها ''اس چیونٹی کو دیکھو جس کا جثہ بہت چھوٹا لیکن اندام بہت نازک ہیں جو اس کے چھوٹا اور لطیف ہونے کی وجہ سے آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے نہ ہی اس بارے میں عقل سے سوچا جا سکتا ہے کہ وہ کیونکر زمین پر چلتی ہے اور کیسے اپنی روزی تلاش کرتی ہے وہ

دانوں کو اپنے بل میں لے آتی ہے، مخصوص جگہ پر انہیں محفوظ کر لیتی ہے اور گرمی کے موسم میں سردیوں کے ایام اور ان دنوں کیلئے جب نکلنا ممکن نہیں ہوتا اسے ذخیرہ کر لیتی ہے۔

## ۳۔ رزق میں وسعت اور تنگی

مندرجہ بالا آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ خداوندِ عالم جس کیلئے چاہے روزی وسیع کر دے اور جس کیلئے چاہے تنگ کر دے یہ اکثر آیات میں بیان ہوا ہے، جس سے ہو سکتا ہے کہ یہ شبہ پیدا ہو کہ روزی کا نظام ایسا نظام ہے جو مکمل طور پر انسان کے بس سے باہر ہے۔ لہٰذا اگر اس دنیا میں کچھ لوگ مالدار اور دولت مند ہیں، یا کچھ غریب اور محروم ہیں تو یہ سب کچھ خدا کی مرضی ہی سے ہے اور اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ نظریہ ان لوگوں کیلئے مناسب وستاویز قرار پا سکتا ہے جو خود مذہب ہی کو شکوک و شبہات کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اُسے استعماری چالوں اور سامراجی سازشوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان آیات و احادیث میں ہی غور و فکر سے کام لیں اور روزی کی وسعت اور تنگی کے اسباب پر غور کریں تو ان آیات کی تفسیر اور احادیث کے اسرار مکمل طور پر روشن ہو جائیں، تمام زہریلا پروپیگنڈا کافور ہو جائے اور ایسے اہم نکات سامنے آ جائیں جو نہایت ہی کار آمد ہوتے ہیں۔ ہم کئی دفعہ کہہ چکے ہیں کہ ''مشیتِ الٰہی'' کا مطلب حد و حساب سے خارج ارادہ نہیں، بلکہ ''حکمت'' بھرا ارادہ مراد ہے۔ خداوندِ عالم کی حکمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جو شخص جتنی سعی و کوشش اور اخلاص و فداکاری سے کام لے گا اتنا ہی اس کی روزی کشادہ اور رزق وسیع ہوگا۔ کیونکہ ''وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی'' (نجم/۳۹) یعنی ہر شخص کا حصہ اس کی کوشش کے مطابق ہے، اور ''وَ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ'' (مدثر/۳۸) یعنی ہر شخص اپنی کوشش اور اعمال کے گروی ہے۔ ''وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّه مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ'' (طلاق ۲۔۳) یعنی جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا خداوندِ عالم اس کے لئے راہیں کھول دے گا اور اسے وہاں سے روزی عطا کرے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔ تقویٰ اجتماعی عدالت کی حکمرانی کا اور اجتماعی عدالت روزی کی وسعت کا موجب ہوتی ہے اس لئے مذکورہ بالا تعلیمات صرف سکون اور ترکِ تلاش کا ہی موجب نہیں بلکہ اس کا ایک مؤثر عامل بھی ہیں۔ اس کی گواہ مولا علی علیہ السلام کی وہ حدیث ہے جسے ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

''ان الاشیاء لما ازدوجت ازدوج الکسل والعجز فنتجا بینهما الفقر'' جب (ابتدائے کار میں) کائنات کی چیزوں نے باہم ازدواج کیا تو ''کاہلی'' اور ''ناتوانی'' نے آپس میں عقد کر لیا۔ اس سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کا نام ''فقر'' ہے۔[1]

حقیقت یہی ہے کہ کسی قوم کی تنگدستی اور غربت ان کی کمزوریوں اس سستیوں کا براہِ راست نتیجہ ہوتی ہے اور خداوندِ کریم کی حکمت اس بات کا موجب بنتی ہے کہ ایسے لوگوں کی روزی تنگ کر دے۔ اسلامی روایات کے مطابق رزق و روزی کی وسعت اور تنگی کے عوامل کے بارے میں غور و فکر اس امر کا ایک اور شاہد ہے۔ چنانچہ انہی روایات کے مطابق جو امور روزی کی وسعت اور اضافے کا موجب بنتی ہیں، ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں: صلہ رحمی

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۲۸

،گھر، برتنوں اور جسم کی صفائی، مسلمان بھائیوں سے مواسات اور ہمدردی، صبح سویرے کام پر جانا، نعمتوں کا شکرادا کرنا، حرص کو ترک کر دینا، جھوٹی قسم سے پرہیز کرنا، گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنا، ہر کام میں نیک نیتی کا اظہار کرنا، ہمسایوں سے نیک کرنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا۔[۱]

معاشرے کو صحیح خطوط پر چلانے، اقتصادی مقاصد کی ترقی کی راہیں ہموار کرنے اور رزق وروزی کے اضافے کیلئے ان میں سے ہر ایک امر کی تاثیر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''طِيبُ الْكَلاَمِ يَزِيْدُ فِي الْاَرْزَاقِ'' پاکیزہ کلام روزی کے اضافے کا موجب ہوتا ہے۔[۲]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''فِيْ سَعَةِ الْاَخْلَاقِ كُنُوْزُ الْاَرْزَاقِ'' روزی کے خزانے وسیع اور کھلے اخلاق میں پوشیدہ ہیں۔[۳]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''كَثْرَ السُّحْتِ يَمْحَقُ الرِّزْقَ'' حرام کی کثرت روزی کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔[۴]

---

[۱] بحار الانوار جلد ۷۳ ص ۳۱۴ اور کے بعد (باب مایورث الفقر والغنی) اور سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۵۱۹ و ۵۲۰

[۲] بحار الانوار جلد ۷۳ ص ۳۱۴ اور کے بعد (باب مایورث الفقر والغنی) اور سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۵۱۹ و ۵۲۰

[۳] بحار الانوار جلد ۷۳ ص ۳۱۴ اور کے بعد (باب مایورث الفقر والغنی) اور سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۵۱۹ و ۵۲۰

[۴] بحار الانوار جلد ۷۳ ص ۳۱۴ اور کے بعد (باب مایورث الفقر والغنی) اور سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۵۱۹ و ۵۲۰

# ۱۷۔ پرندوں کی تخلیق میں خالقِ کائنات کی نشانیاں

## اشارہ

انسان ہمیشہ سے اور تاریخی طور پر پرندوں کو دوست رکھتا چلا آ رہا ہے، ان کی زندگی سے لطف اندوز ہوتا چلا آ رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ وہ بڑے خوبصورت انداز میں اوپر آسمان کی بلندیوں میں محور پرواز ہیں۔ یہ چیز اس کے تعجب کا سبب بنی ہوئی ہے کہ ایک بھاری بھرکم جسم زمین کی کشش کے برخلاف آسانی کے ساتھ آسمان کی طرف کیونکر اٹھتا اور تیزی کے ساتھ پرواز کرتا ہے؟

صرف یہ خصوصیت ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی خصوصیات ہیں۔ مثلاً پرندوں کے رنگ برنگے پر، ان میں سے بعض کا پیارے انداز میں آوازیں نکالنا اور چہچہانا، گھونسلے اور آشیانے بنانا، اپنے نومولود بچوں کی پرورش اور انہیں غذا کھلانا، کچھ پرندوں کا لمبی مدت کیلئے ہجرت کر جانا اور اس طرح کے کئی دوسرے امور انسان کے تعجب کے سبب بنے ہوئے ہیں، اگرچہ ایسے حالات کا تکرار اس بات کا موجب بنا ہے کہ کچھ لوگ انہیں عام اور معمولی باتیں سمجھتے ہیں۔

قرآنِ مجید نے توحیدی آیات کے حصے میں اس مسئلہ کی نشاندہی کی ہے اور ساتھ ہی سب لوگوں کو پرندوں کی دنیا کے مطالعہ کی دعوت بھی دی ہے تاکہ خداوندِ عالم کی آیات اور نشانیوں کو ان کے اپنے ہر ایک مقام پر دیکھیں۔ اس مختصر سے اشارے کے ساتھ اب ہم مندرجہ ذیل آیات کو گوشِ جان سے سماعت کرتے ہیں:

۱۔۔۔اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (نحل/۷۹)

۲۔۔۔اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ (ملک/۱۹)

۳۔۔۔اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (نور/۴۱)

۴۔۔۔وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (انعام/۳۸)

## ترجمہ

۱۔۔۔کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان کی بلندیوں میں مسخر ہیں، جنہیں خدا کے علاوہ کسی نے نہیں روکا ہوا، اس میں اُن لوگوں کیلئے (خداوندِ عالم کی عظمت اور قدرت کی) نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں

۲۔۔۔کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے سروں پر اپنے پروں کو پھیلاتے اور سمیٹتے ہیں، خداوندِ رحمان کے علاوہ انہیں آسمان کی بلندیوں پر اور کوئی نہیں روکتا، کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

۳۔۔۔کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خداوندِ عالم کیلئے ہر وہ تسبیح کرتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ پرندے جو پرواز کے وقت آسمان کی بلندی میں پر پھیلائے ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے اور خداوندِ عالم اس چیز کو جانتا ہے جو وہ انجام دیتے ہیں

۴۔۔۔زمین پر کوئی چلنے والا اور کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے پرواز کرتا ہے کچھ نہیں ہے مگر تمہاری مانند امتیں ہیں۔ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو فروگذاشت نہیں کیا، پھر سب کو اپنے پروردگار کی طرف محشور ہونا ہے۔

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''طیر''،''طائر'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ جانور جس کے پروبال ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں حرکت کرتا ہے اور اس کا مصدر''طیران'' ہے [۱] ''تطیر'' اس بدشگونی کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں پرندوں کی وجہ سے لیا کرتے تھے لیکن بعد میں ہر قسم کی بدفالی اور بدشگونی کو''تطیر'' کہا جانے لگا۔

''تطایر'' کا لفظ بھی پھرتی سے چلنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۲]

''صافّات''،''صف'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی چیزوں کو ایک مساوی خط میں قرار دینے کے ہیں، جیسے وہ لوگ یا درخت جو ایک خط میں قرار پاتے ہیں۔ جب یہ لفظ طیر کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے۔''وَالطَّیْرُ صَآفَّاتٍ'' تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ آسمان میں حرکت کے وقت اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہیں جب کہ اس کے مقابل میں نقطہ''یقبضن'' ہے، جس کے معنی ہیں وہ اپنے پروبال کو جمع کرتے اور سمیٹتے ہیں۔

---

[۱] کبھی اس فعل کے مصدر کو بھی''طیر'' کہتے ہیں اور''طیور'' جمع کی جمع ہے۔(طیر کی جمع) اور بعض حضرات نے''طیور'' کو''طائر'' کی جمع بتایا ہے۔

[۲] مفردات راغب، لسان العرب، کتاب العین اور مجمع البحرین۔

''اصطفات'' کا لفظ تسلیم محض اور مکمل خضوع واطاعت سے کنایہ ہے جوان نوکروں چاکروں اور خدمت گاروں کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو ایک صف میں کھڑے ہوکر خدمت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔[1]

یہ احتمال بھی ہے کہ ''طیر صافات'' کے ذریعہ ان پرندوں کی طرف اشارہ ہو جو اجتماعی صورت میں ایک یا کئی صفوں میں پرواز کرتے ہیں اور ان کی ہم آہنگی بڑی دلچسپ ہوتی ہے لیکن ''یقبضن'' کا جملہ اس تفسیر سے مانع ہے۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## پرندے تو تسبیح پڑھیں اور میں ۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اس سلسلے کی سب سے پہلی آیت میں اس بات پر تاکید کی گئی ہے کہ زمین کی کشش ثقل کے باوجود پرندوں کی آسمان پر بلندیوں میں پرواز خداوندِ عالم کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ارشاد ہوتا ہے''کیا انہوں نے ان پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان کی بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں۔''(اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ)۔[2]

چونکہ اجسام کی فطرت میں زمین کی طرف کھنچنا ہوتا ہے،فضا کی بلندیوں میں پرندوں کا محوِ پرواز ہونا تعجب انگیز ہوتا ہے اسے معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیئے۔یقیناً اس موقعہ پر پرندوں میں کچھ خاص قسم کی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ مختلف اور پیچیدہ فطرت قوانین کے ذریعہ آسمان میں آسانی کے ساتھ پرواز کر سکتے ہیں۔اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے کہ ان عجائبات اور قوانین کا خالق ایسا قادر ہے جو پوری طرح حکمت کا مالک ہے اور تمام علوم کے اسرار و رموز سے پوری طرح باخبر ہے۔بلکہ علوم ان قوانین کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اس نے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔اسی لئے تو آگے فرماتا ہے''خدا کے علاوہ کوئی اور انہیں آسمان میں نہیں روکتا''(مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ)

آیت کے آخر میں فرماتا ہے''اس امر میں خداوندِ عالم کی عظمت اور قدرت کی ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور حق کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں۔''(اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

انشاء اللہ العزیز ان آیات کے آخر میں ''ضروری وضاحتوں'' کے ضمن میں ہم بتائیں گے کہ وہ کون سے ایسے پیچیدہ قوانین ہیں جو اگر باہم مل جائیں تو ''طیران'' (پرواز) نامی عمل وجود میں آئے۔اسی لئے تو قدم قدم پر ہمیں اس مبدائے بزرگ و تر کی نت نئی نشانیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔

---

[1] التحقیق فی کلمات القرآن الکریم،مفردات راغب

[2] ''جو'' کے لفظ کو بعض مفسرین نے زمین سے دور کی فضا کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے اس کے معنی ''فضا'' لیا ہے۔خواہ وہ زمین کے نزدیک ہو یا دور۔لیکن جو بات روزمرہ کے استعمالات سے ذہن میں آتی ہے وہ پہلا معنی ہے اور آیت بالا سے بھی یہی معنی مناسبت رکھتا ہے۔

دوسری آیت بھی کئی لحاظ سے پہلی آیت سے ملتی جلتی ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کئی طرح کے فرق بھی دیکھنے میں آتے ہیں ۔ان آیات میں انسانوں (خصوصاً مشرکین ) کو پرندوں کے حالات کے مطالعہ کی دعوت دی گئی ہے، ایسی مخلوق جو زمین کی کشش ثقل کے باوجود زمین سے اٹھتی ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ ،نہایت ہی تیزی کے ساتھ کئی ہفتے حتیٰ کہ کئی مہینے تک مسلسل (اور وقفہ کے بغیر) آسمان کی بلندیوں میں اڑتی پھرتی ہے، ایسی پرواز جو نرم بھی ہوتی ہے اور تیز بھی ،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پرواز میں کسی قسم کی کوئی مشکل درپیش نہیں آتی ہے ۔

ارشادفرماتا ہے"ان لوگوں نے اپنے سروں پراڑنے والے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جواپنے پروبال پھیلاتے ہیں اورسمیٹتے ہیں۔"(اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَھُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ)[1]

"کوئی بھی خداوندِرحمان کے علاوہ،جس کی رحمتِ عامہ تمام موجودات پر چھائی ہوئی ہےانہیں ایسی حالت میں نہیں روک سکتا"(مَا یُمۡسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ)

درحقیقت یہ خداوندِعالم ہی ہےجس نے پرواز کےتمام وسائل انہیں عطافرمائے ہیں اورساتھ ہی انہیں اس کےراہ ورسم بھی سمجھائے ہیں۔نیز ایسے قواعد وقوانین مقررفرمائے ہیں جن سے استفادہ کرکے وہ پرواز کے قابل ہوتے ہیں۔"کیونکہ وہ توہرچیز کی ضروریات سے اچھی طرح باخبر ہے اورہرچیزکودیکھتاہے"(اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ)

ایٹمی ذرات سے لے کر منظومہ شمسی اور دوسرے کئی منظوموں تک ،خوردبینوں کی مدد سے دیکھی جانے والی نباتات اور حیوانات سے لے کر غول پیکر موجودات تک ،غرض سب کچھ اسی کی تدبیر سے چل رہا ہے،ایسی تدبیر جو ہر مرحلہ پر ہمیں نئی آیات قدرت سے آشنا کرتی ہے۔ ہر قسم کے"اتفاق"اور"اچانک"وجود میں آجانے کی نفی کرتی ہےاوراس کے ایمان اورعشق سے دلوں کومعمور کردیتی ہے۔

"صٰفّٰت"اور"یقبضن" کی تعبیر شاید اس لئے ہے کہ یہ پرندوں کی اس کیفیت کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی تو وہ اپنے پروں کو پھیلاتے اور کبھی سمیٹتے ہیں اور وہ ان دو طریقوں سے پرواز کرنے پر قادر ہوتے ہیں ۔یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بات شاید پرندوں کی قسموں کی طرف اشارہ ہے، ایک قسم تو وہ ہے جس کے پروبال فضا میں عموماً کھلے اور پھیلے ہوتے ہیں اور وہ ہوا کی موجوں پر سوار بڑی تیزی کے ساتھ اِدھراُدھر چلتے پھرتے رہتے ہیں، گویا کوئی مخفی طاقت ہے جوانہیں متحرک رکھتے ہوئے ہےاور وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔

پرندوں کی دوسری قسم وہ ہے جو ہمیشہ اپنے پر پھڑ پھڑاتے رہتے ہیں یعنی پھیلاتے اور سمیٹتے رہتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ان دوقسموں کے درمیان

---

[1] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اگر"رویت"کو"الی"کے ساتھ متعدی ہوتواس کا معنی"حسی مشاہدہ" ہے اور اگر"فی"کے ساتھ متعدی ہوتو اس سے قلبی اور فکری مشاہد اور مطالعہ ہے(روح البیان جلد ۱۰ ص ۹۱)

درمیان ہیں۔[۱]

تیسری آیت میں پرندوں کی زندگی سے متعلق امور میں توحید کی نشانیاں بتائی گئی ہیں آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے ''کیا آپؐ نے ان سب کو نہیں دیکھا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، خدا کی تسبیح کرتے اور اس کو ہر نقص وعیب سے پاک و پاکیزہ جانتے ہیں'' (اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اسی طرح وہ پرندے ہیں جو آسمان میں پَر پھیلا کر پرواز کرتے ہیں۔(وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ)

وہ پرندے جو صف در صف آسمان کی بلندیوں میں محو پرواز ہیں اور اس قدر شکوہ وعظمت وزیبائی اختیار کئے ہوئے ہیں کہ آنکھ ان کے مشاہدہ اور دیدار سے کبھی سیر نہیں ہوتی، اس قدر منظم انداز میں صف باندھے اور مختلف ہندسی شکلیں اختیار کر لیتے ہیں جس سے انسان محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سینکڑوں یا ہزاروں پرندے باہم پرواز کرتے ہیں، ایک مخفی فرمان کے ذریعہ اپنی راہیں تبدیل کرتے رہتے ہیں اور اس بارے میں ان کے درمیان کسی قسم کا تصادم بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی آیت میں فرمایا ہے ''ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے'' (كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ)[۲]

جی ہاں! ان میں سے ہر ایک کیلئے اپنے طور پر نماز، راز ونیاز اور دعا ہوتی ہے، اور ہر ایک کی اپنی تسبیح وتقدیس اور حمد وستائش ہوتی ہے ۔اصولی طور پر ان میں سے ہر ایک کے وجود کا ذرہ، ذرہ، ان کے مختلف اعضاء کی ساخت، حرکات وسکنات ایسے عظیم مبداء کا پتہ دیتی ہیں جو تمام صفاتِ کمال کا جامع اور ہر قسم کے نقائص سے منزہ ومبرا ہے جو اپنی زبانِ حال سے ہمیشہ اس کی حمد وثنا میں مشغول ہیں۔

بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ ان کی حمد وتسبیح اور نماز آگاہانہ طور پر انجام پاتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کیلئے عقل وشعور کے قائل ہیں حتیٰ کہ ان چیزوں کیلئے جنہیں ہم جامد اور بے روح سمجھتے ہیں، ہر چند کہ ہم اس سے ناواقف ہیں، جیسا کہ سورہ اسرار کی ۴۴ ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں:

---

[۱] ''صافات'' اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ''یقبضن'' فعل مضارع کی صورت میں آیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس بارے میں مفسرین نے کئی تفسیریں ذکر کی ہیں جن میں سے سب سے بہتر یہ تفسیر ہے کہ یہ کہا جائے کہ جب پرندہ پر کھولتا ہے تو اس کی کیفیت ایک جیسی ہوتی ہے، جب کہ پروں کے سمیٹنے اور پھیلانے کی صورت میں یہ عمل مسلسل دہرایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ فعل مضارع سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ ایک اور تفسیر کتابِ تفسیر کشاف میں مذکورہ موئی ہے اور کچھ مفسرین نے بھی اس کی پیروی کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ اس لئے بیان ہوا ہے کہ پہلی صورت پرندوں کی پرواز کی اصلی حالت ہوتی ہے جب وہ پرواز کرتے ہیں جب کہ دوسری حالت عارضی ہوتی ہے، لیکن مفہوم پھر بھی روشن نہیں ہے

[۲] اس مقام پر آیا علم میں ضمیر ''اللہ'' کی طرف لوٹ رہی ہے یا ''کل'' کی طرف، اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے لیکن آیت کی کیفیت سے جوابات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ''کل'' کی طرف لوٹ رہے ہے جو یاں پر ''کل واحد'' کے معنی میں ہے، یعنی زمین وآسمان میں موجود ہر مخلوق اور پرندے ہر ایک اپنی اپنی نماز اور تسبیح بخوبی جانتے ہیں۔

''وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ '' ہر ایک شے خدا کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن تم نہیں سمجھتے۔

ان دونوں میں سے جو تفسیر بھی صحیح ہو ہمارے اس دعویٰ کی شہادت دیتی ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز، خاص کر آسمان کی بلندیوں پر محو پرواز پرندے، خالقِ کائنات کے علم وقدرت کی نشانیاں ہیں۔ آیت کے آخر میں فرماتا ہے ''خداوندِ عالم ہر اس چیز سے آگاہ ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔(وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ)

وہ تمام اعمال، سب پروگراموں اوران کی ضروریات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس آیت میں صرف پرندوں کے پروں کے پھیلاؤ پر ہی کیوں زور دیا گیا ہے جیسے ''صافّات'' ہے؟ جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں یہ شاید اس لئے ہے کہ ان کی یہ حالت سب سے زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہے کہ پروں کے ہلائے بغیر بڑی تیزی کے ساتھ آسمان کی بلندیوں میں حرکت کرتے ہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے ان پرندوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو اجتماعی طور پر حیرت ناک طریقے سے آسمان میں حرکت کرتے رہتے ہیں، ایسی حرکت جو منظم اور سلیقے پر مبنی ہوتی ہے اور مکمل طور پر ہم آہنگ، جب کہ بظاہر ان کا کوئی رہبر اور لیڈر بھی نہیں ہوتا۔ اسی سلسلے کی چوتھی اور آخری آیت میں پرندوں کے ایک اور حیرت انگیز نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''زمین پر نہ کوئی چلنے والا ایسا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا پرندہ ہے جو اپنے دو پروں کے ساتھ پرواز کرتا ہے مگر یہ کہ وہ تمہاری مانند امتیں ہیں''(وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ)

''اُمَم'' جو ''امت'' کی جمع ہے، کی تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے لحاظ سے عقل وشعور رکھتے ہیں اور ''امثالکم'' (تمہارے جیسے) کی تعبیر اسی بات کی تاکید ہے، کیونکہ انسان جیسا ہونا صاحب درک وشعور ہونے کی دلیل ہے۔ یہ آیت، سابقہ آیت کی تفسیر کی تاکید ہے یعنی وہ بھی اپنے طور پر آگاہی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ خدا کی حمد وتسبیح بجالاتے ہیں۔[1]

پرندوں اور دوسرے جانوروں میں موجود قرائن بتاتے ہیں، بلکہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ان میں ہوش اور شعور موجود ہے۔

اوّلاً بہت سے حیوانات، گھونسلہ بنانے، دانہ دنکا اکٹھا کرنے، نومولود بچوں کی تربیت کرنے، ان کی حفاظت کرنے اور زندگی کی دوسری ضروریات کو پیدا کرنے کیلئے اس قدر ماہرانہ اور زیرکانہ عمل کرتے ہیں کہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام عقل وشعور کی وجہ سے عمل میں نہیں آیا۔ وہ ایسے حوادث کے مقابلہ میں بھی مناسب ردِّعمل کا اظہار کرتے ہیں جن کے بارے میں انہیں کسی قسم کا تجربہ نہیں ہوتا، مثلاً جس بکری نے زندگی بھر بھیڑیئے کو نہیں دیکھا اس کے خطرات سے ضرور آگاہ ہے اور اس کے مقابلے میں ہر ممکن صورت میں اپنا دفاع کرتی ہے۔

بہت سے جانوروں کو اہم مقاصد کیلئے سدھایا جاتا ہے جیسے چٹھی رساں کبوتروں اور بازار سے سودا سلف خرید کرلانے والے جانوروں کی تربیت، یا شکاری جانورں کی تربیت کتوں کو منشیات کا پتہ چلانے اور مجرموں کا پیچھا کرنے اور اس قسم کے دوسرے کاموں کیلئے

---

[1] مفسرین نے ان کی انسان کے ساتھ مشابہت کے بارے میں بہت سے احتمالات ذکر کئے ہیں لیکن ہم نے جو اوپر بیان کیا ہے وہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ہر چند کہ ان احتمالات میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے۔(ملاحظہ ہو تفسیر المنار جلد ۷ ص ۳۹۲ اور تفسیر قرطبی جلد ۴ ص ۲۴۱۷

تربیت کی جاتی ہے اور وہ بھی اس انداز میں بسا اوقات وہ انسان سے بھی زیادہ زیرکانہ اور بہتر انداز میں اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ آج جب کہ جرائم کا پتہ چلانے کیلئے نت نئے انداز اختیار کئے جا رہے ہیں، انسان اس قسم کے کتوں کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

بعض پرندے ایسے ہیں جن کی زندگی نہایت پر اسرار اور بہت دقیق ہے جسے غریزہ کی پیداوار نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ غریزے عمومی طور پر ایک ہی نوعیت کی طرز کے ہوتے ہیں جب کہ ان حیوانات کی زندگی اس طرح نہیں ہے ان کے اعمال نسبتاً عقل و شعور کی غمازی کرتے ہیں، مثلاً شہد کی مکھیاں، چیونٹیاں، دیمک اور بعض اس قسم کے پرندے ہیں، مثلاً مہاجر پرندے اور بعض بحری جانور مثلاً آزاد مچھلیاں ہیں جو انڈے دینے کے وقت ہزاروں کلومیٹر بحری راستے طے کر کے اپنی اصل زادگاہ کو جا پہنچتی ہیں۔ تفسیر ''روح المعانی'' کے مصنف کہتے ہیں:

''مجھے یہ بات کہنے میں باک نہیں ہے کہ حیوانات کیلئے نفسِ ناطقہ، عقل اور شعور بھی ہے۔ وہ بھی انسان کی طرح ادرک کے مراتب میں ایک دوسرے مختلف ہیں، لیکن وہ کسی بھی طرح انسان کی حیثیت کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس بات کے کئی دلائل ہیں اور ان دلائل کے مقابے میں کوئی ایسی قطعی دلیل بھی موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ان دلائل کی توجیہہ یا تاویل کی جا سکے۔ [۱]

بظاہر شواہد سے ان کی مراد وہ اشارے یا تصریح ہے جو ''ہدہد اور سلیمان'' اور ''چیونٹی اور سلیمان'' کی داستان میں قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ نیز وہ روایات بھی ہیں جو اسی آیت کی تفسیر میں نقل ہوئی ہیں کہ قیامت میں حیوانات کا بھی حشر و نشر اور حساب و کتاب ہوگا۔ [۲]

لیکن اس سے مراد خواہ ان کے اعمال اور کردار ان کے عقل و شعور کی وجہ سے ہوں یا ان کے غریزے کی بنا پر یہ بات ہماری بحث میں مؤثر نہیں ہے، بلکہ ہر حالت میں حق کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کے علم وقدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ آیت کے آخر میں فرماتا ہے ''ہم نے اس آسمانی کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا'' یعنی خدا کی عظمت کی جو جو بھی اور کائنات کے کسی بھی گوشے اور کنار میں موجود نشانیاں ہیں ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے۔ (مَا فَرَّطْنَا [۳] فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ)

''پھر وہ سب اپنے پروردگار کی طرف محشور کئے جائیں گے۔'' (ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ)

''حشر'' کی تعبیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات بھی ایک طرح کے عقل و شعور کے حامل ہیں۔ مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ مختلف جہات کے پیش نظر پرندے بھی حق کی نشانیوں میں سے ہیں اور یہ نہایت ہی ظریف، پیچیدہ اور اسرار بھری مخلوق قطعاً اندھے اور بہرے اتفاقات یا بے شعور طبیعت کا معلول نہیں ہو سکتے۔

---

[۱] تفسیر روح المعانی جلد ۷ ص ۱۲۷

[۲] تفسیر مجمع البیان جلد ۳ ص ۲۹۸

[۳] ''فرطنا'' کا لفظ ''تفریط'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں کام انجام دینے میں کوتاہی کرنا اور اسے طرح ضائع کر دینا کہ وہ پھر ہاتھ نہ آئے (صحاح اللغہ) یہ احتمال بھی ہے کہ اس آسمانی کتاب میں عدیم تفریط سے مراد یہ ہے کہ قرآن ایک جامع مفہوم کا حامل ہے جس میں تمام انسانی ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن مندرجہ بالا مفہوم آیت کے ذیل میں پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

# چند ضروری توضیحات

## ۱۔ پرواز کا پیچیدہ فن

سالہا سال سے انسان اس سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ وہ کون سی مخفی طاقت ہے جو پرندوں کے کسی حد تک سنگین جسم کو کشش ثقل کے باوجود آسانی سے اوپر لے جاتی ہے۔ نرمی، آسانی اور چابکدستی کے ساتھ انہیں آسمانی بلندیوں پر اڑائے پھرتی ہے۔ بڑی تیزی کے ساتھ انہیں اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہے؟ لیکن ہوائی جہاز کی ایجاد اور اس کی تکمیل کے ساتھ ہی یہ بات سامنے آئی کہ ایک طاقت موجود ہے جس کا نام ''اوپر لے جانے والی طاقت'' ELEVATOR FORCE ہے اور یہ صرف پرندوں ہی کو نہیں بلکہ نہایت ہی بھاری اجسام کو بھی آسمان میں اڑا سکتی ہے جس کی وضاحت ہر قسم کی فنی اصطلاحات سے ہٹ کر نہایت ہی سادہ لفظوں میں یوں کی جا سکتی ہے۔

اگر کسی جسم کی دو مختلف سطحیں ہوں (جیسے پرندوں یا ہوائی جہازوں کے پَر ہوتے ہیں اور ان کے اوپر کی سطح منحنی اور ابھار والی ہوتی ہے) اور اس قسم کا جسم افقی صورت میں حرکت کرے تو اس میں ایک خاص طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے اوپر کی طرف چلاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہوا کا دباؤ اس کی اوپر کی سطح کی نسبت اس کی نچلی سطح پر زیادہ ہوتا ہے (کیونکہ اوپر کی سطح نیچے کی سطح سے زیادہ ہوتی ہے)

اس قانون سے استفادہ ہی ہوا میں سنگین اجسام کی پرواز کا اصل مرکز تشکیل دیتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم پرندوں کے پروں کو خوب غور سے دیکھیں تو ہمیں یہ فزیکل قانون واضح طور پر نظر آئے گا۔ لیکن یہ پرواز بیسیوں اہم مسئلوں میں صرف ایک مسئلہ ہے اور اس کی تکمیل میں مندرجہ ذیل امور کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ اوپر لے جانے والی طاقت کی ایجاد کیلئے ابتدائی رفتار (ہوائی جہاز یہ رفتار حاصل کرنے کیلئے کافی دیر تک زمین پر چلتے ہیں، لیکن پرندے تھوڑی دیر کیلئے دوڑتے ہیں یا فضا میں ایک تیز رفتا جھٹکے سے یہ مقصد حاصل کرتے ہیں)

۲۔ نیچے اترنے کیلئے اس طاقت کو ختم کرنے کی کیفیت (یہ صورتِ حال پرندوں اور ہوائی جہازوں میں رفتار کو کم کرنے اور پروں کی صورت کو تبدیل کرنے سے حاصل ہوتی ہے)

۳۔ بوقتِ پرواز راستہ تبدیل کرنے کی کیفیت۔ (یہ صورتِ حال بھی عام طور پر ہوائی جہاز کی دم کی حرکتوں اور پرندوں کی دُم کے مخصوص پروں کے ذریعہ عمل میں آتی ہے اور پرندہ جدھر کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح کو لے جاتی ہے)

۴۔ پرواز کیلئے مناسب صورت اختیار کرنا، اس طرح کہ پرندے کے جسم کیلئے ہوا کی مزاحمت کم سے کم ہو سکے۔ (پرندوں کیلئے یہ بات ان کی THREAD SPUN ON A SPINDLE کی صورت میں جسم، گول اور بیضوی سر اور لمبی اور تیز چونچ کی صورت میں حاصل ہوتی ہے اور ہوائی جہاز کی شکل وصورت میں بھی پرندوں کی تقلید کی گئی ہے)

۵۔ پرواز سے ہم آہنگ کیفیت۔ (یہ کیفیت پر وبال کا لباس پہننے سے حاصل ہوتی ہے، جس سے وہ ہوا کے دوش پر ہوتے ہیں

،حاملہ ہونے کے کی بجائے انڈے دیتے ہیں تا کہ ان کا جسم سنگین نہ ہونے پائے، تیز بین نگاہیں ہوتی ہیں تا کہ وہ دور سے اپنی منزل مقصود، غذا یا شکار کو دیکھ سکیں، وغیرہ)

٦۔ایک مدت تک سائنسدانوں اس بات پر سوچ رہے تھے کہ ہوائی جہاز کے پہیے" WHEEL ایک تو اس کی رفتار میں کمی کا باعث بنتے ہیں دوسرے پرواز کے دوران خطرے سے خالی بھی نہیں ہیں۔لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ پرواز کے آغاز کے وقت پرندے اپنے پاؤں سکیٹر لیتے ہیں اور زمین پر اترنے سے ذرا پہلے اپنے پاؤں کھول دیتے ہیں، تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ہوائی جہازوں کیلئے متحرک پہیوں سے استفادہ کرنا چاہیے تا کہ جب وہ بلندی پر پہنچ جائے تو پہیے اکٹھے ہو جائیں اور جب زمین پر اترنے لگے تو لینڈنگ سے کچھ دیر پہلے کھل جائیں۔

اصولی طور پر اگر آپ تعجب نہ کریں تو ہم آپ کو یہ بات بھی بتاتے چلیں کہ ایک طویل عرصے سے سائنسدان پرندوں کی مختلف انواع کے بارے میں مطالعات کرتے چلے آرہے ہیں کہ ان کی پرواز کی کیا کیفیت ہے، وہ زمین پر کیسے اترتے ہیں، اُن کے پروں اور دُموں کی کیا کیفیت ہے، وغیرہ وغیرہ ،انہی مطالعات کی روشنی میں وہ پرندوں کی مختلف انواع کی تقلید کرتے ہوئے ہوائی جہاز تیار کر چکے ہیں۔(غور کیجئے گا)

پرواز کے جو اصول ابھی بتائے جا چکے ہیں کیا ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب اندھی اور بہری فطرت (نیچر) کا عطیہ ہیں؟ کیا یہ سب کچھ مبداء آفرینش کیلئے بے مثال علم وقدرت کا شاہکار نہیں ہے؟ کیا ''مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ'' پرندوں کو خداوند رحمان کے علاوہ کوئی اور ہستی روکے ہوئے نہیں، ان تمام اصولوں کی طرف لطیف اور خوبصورت اشارہ نہیں، خصوصاً جب کہ اس کے بعد فرماتا ہے ''اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيۡءٍۢ بَصِيۡرٌ''(بے شک وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے) اس معنی کی تکمیل نہیں کرتا؟

## ٢۔ پرندوں کے ''عجائبات'' اور عجیب'' پرندے

پرندوں کے مختلف قسمیں ہیں اور ساری عجیب۔لیکن اُن میں کچھ ایسی قسمیں بھی ہیں جو دوسروں سے زیادہ عجیب ہوتی ہیں۔بعض دانشور کہتے ہیں کہ اب تک کبوتروں کی ٢٨٩ قسمیں، کبک کی ٢٠٩ قسمیں اور پروانوں کی ایک لاکھ قسمیں دیکھی جا چکی ہیں۔[1]

عجیب اور استثنائی پرندوں میں سے ''چمگاڈر'' کا نام لیا جا سکتا ہے۔وہ دوسرے پرندوں کے برخلاف سورج کی روشنی سے بیزار ہوتی ہے اور رات کی ظلمت اور تاریکی میں بڑی شجاعت کے ساتھ اور بے کانہ طور پر ہرسُو پرواز کرتی ہے۔اس کے جسم پر ایک ''پَر'' بھی نہیں ہے بلکہ اس کے پَر گوشت کی نازک جھلی کے بنائے ہوئے ہیں۔حاملہ ہوتی ہے۔اس کے پستان ہیں عورتوں کی طرح ''ایام'' دیکھتی ہے اور گوشت کھاتی ہے، کہتے ہیں کہ تمام پرندے اس کے دشمن ہوتے ہیں اور وہ دوسرے تمام پرندوں کی مخالف ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ تنہائی میں رہتی ہے۔

[1] ''اسرار زندگی حیوانات'' نامی کتاب کے صفحہ ١٣٢ تا ١٩٦، مجلہ ''شکار وطبیعت'' مجریہ مرداد ١٣٥٣ ہجری شمسی کا مطالعہ فرمائیں۔

رات کی تاریکی میں کسی رکاوٹ سے ٹکرائے بغیراس کی تیز اور بے باک پرواز حیرت انگیز ہے۔ بہت سے پیچ وخم کے درمیان سے بڑی آسانی کے ساتھ گزر جاتی ہے، کسی چیز سے بھی نہیں ٹکراتی اور اپنا راستہ بھی نہیں کھوتی۔ اپنی خوراک کو بھی اچھی طرح تلاش کر لیتی ہے خواہ وہ کہیں بھی چھپی ہوئی ہو۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس کے پاس ''ریڈار'' RADAR کی مانند مشینری سیٹ ہوتا ہے۔

وہ اپنے کان سے ''دیکھتی'' ہے (جی ہاں کان سے) کیونکہ وہ اپنے نرخرے سے مخصوص لہریں WAVES ایجاد کرتی اور اپنی ناک کے ذریعے انہیں باہر بھیجتی ہے۔ یہ لہریں ہر اس رکاوٹ سے جا ٹکراتی ہیں جو اس کے اطراف میں ہوتی ہے، ٹکرا کر فوراً واپس آجاتی ہیں، وہ اپنے کانوں سے لہروں کے ردعمل کو حاصل کرتی ہے، اپنے اطراف میں موجود صورت حال کا جائزہ لیتی اور ان رکاوٹوں کا پوری طرح ادراک کر لیتی ہے۔

اس کے نرخرے، ناک اور کان کی ساخت بھی واقعاً عجیب ہوتی ہے اور اس کے اندر بے انتہا غور وفکر کی طاقت ہوتی ہے جو کسی بھی دوسرے پستان دار جانور میں نہیں ہوتی۔ وہ جو لہریں باہر بھیجتی ہے وہ ماوراءِ صورت (ریڈیائی لہریں) ہوتی ہیں جسے ہم نہیں سن سکتے۔ جب کہ وہ یہ لہریں ایک سیکنڈ میں ۳۰ سے ۶۰ بار اپنے اطراف میں پھیلاتی اور اس کے ردعمل کر دریافت کرتی ہے۔

چمگاڈر کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس بارے میں بے انتہا مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں جن میں خداشناسی کے درس کی ایک دنیا پنہاں ہے۔ اسی لئے تو حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں جس کا نام ہی ''خطبہ خفاش'' (چمگاڈر پر مبنی خطبہ) ہے، اس جانور کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے اور اس کے وجود کی باریکیوں اور ظرافتوں کو فصیح وبلیغ انداز اور زوردار بیان کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''خداوندِ عالم نے اپنی ذات کی صفت کے عجائبات اور اپنی تخلیق کی محیر العقول حکمت کے پیچیدہ اسرار ہمیں چمگارڈ کے وجود میں دکھائے ہیں۔'' پھر اس کی بلیغ انداز میں توصیف فرمائی ہے۔[۱]

بہت کم جانور ایسے ہیں جو اپنے بچے کو اپنی آغوش میں لے کر چلتے پھرتے ہیں۔ اگر آپ تعجب نہ کریں تو ان نادر جانوروں میں سے ایک چمگاڈر بھی ہے جو بوقت پرواز رات کی اس تاریکی میں اپنے نونہال کو اپنے پروں میں لے کر یا اپنے منہ میں اُٹھا کر اِدھر اُدھر اڑتی پھرتی رہتی ہے، اور اڑتے ہوئے بھی اسے دودھ پلاتی رہتی ہے۔[۲]

اس طرح ایک اور پرندہ بھی ہے جس کا نام ''طاؤس'' (مور) ہے۔ اس کا شمار بھی عجائبات خلقت میں ہوتا ہے۔ اس کے ایسے خوبصورت پر ہوتے ہیں کہ جب انسان ان پروں کے بارے میں غور کرتا ہے تو ان کی رنگ آمیزی پر ششدر رہ جاتا ہے، گویا ابھی ابھی وہ کسی ماہر اور زبردست نقاش کے ہاتھوں سے نکل کر باہر آیا اور رنگ سے رنگا گیا ہے۔ زیبا، دل انگیز، مسرور کن، پختہ، پائیدار اور صاف وشفاف لیکن دلکش رنگ، اور پھر ان پروں کا ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو قرار پانا، پھر مور کا ان پروں سے چھتری بنانا جو عجیب بھی معلوم ہوتی

[۱] نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۵

[۲] سفینۃ البحار جلد ا ص ۴۰۳

ہے اورنا قابل فراموش بھی۔ یہ سب کچھ خدائی تخلیق کی آیات میں سے ایک اورآیت ہے۔اسی لئے توتوحیداور خداشاسی کےعظیم معلم علی بن ابی طالب علیہ السلام نہج البلاغہ کے ایک اورخطبہ میں جس کا نام ''طاؤس''(مور پر مبنی خطبہ) ہے،اسی چیز پر زوردے دے کرفرماتے ہیں:

''ومن اعجبها خلقا الطاووس الذی اقامه فی احکم تعدیل......''تخلیق کے لحاظ سے پرندوں میں سے ایک پرندہ ہے جسکا نام مور ہے، جسے خداوندِعالم نے موزوں ترین شکل میں پیدا کیا ہےاورمختلف رنگوں کے ساتھ عالی ترین صورت میں رنگ آمیزی کی ہے۔ اپنی مادہ کی طرف بڑھتے وقت اپنے پروں کو پھیلا دیتا ہےاورچھتری کی مانند اپنے سر پر سائبان بنالیتا ہے،گویا وہ کسی کشتی کا بادبان ہے جسے ملاح نے اس کے اوپر پھیلا دیا ہےاور ہر لمحہ اسے کسی نہ کسی طرف گھماتا ہے۔وہ اس خوبصورتی اوررنگوں کی زیبائش کی وجہ سے دریائے غرور میں غرق ہوجاتا ہےاوراپنی نازوادا کی چال پراتراتااورفخر کرتا ہے.....۔[1]

''مہاجر پرندے'' بھی پرندوں کی محیرالعقول قسموں میں سے ہیں۔ وہ کبھی کبھار تو قطب شمالی اورقطب جنوبی کے درمیان کی تقریباً تمام مسافت طے کر جاتے ہیں اور پھر اپنی پہلی منزل پر واپس آجاتے ہیں۔اس طرح وہ ایک نہایت ہی طولانی اوردوردراز سفر جو ہزاروں کلومیٹر بنتا ہے طے کرتے ہیں۔اس بارے میں جو قابل غور بات ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس دوردراز کے طویل ترین سفر میں مخفی راہنمائی کے وسائل سے استفادہ ہیں اوراُن کی مدد سے جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں اورصحراؤں میں بھی اپنی راہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔

پھراس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ کبھی تو کئی کئی ہفتے ایک لحہ کا توقف کئے بغیر شب وروزمحو پرواز رہتے ہیں اورغذاوخوراک کی بھی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنا سفرشروع کرنے سے پہلے ایک اندرونی الہام کے ساتھ ہی حد سے زیادہ غذا کھالیتے ہیں جو چربی کی صورت میں ان کے جسموں میں ذخیرہ ہوجاتی ہے تاکہ وہ اپنی طولانی پرواز کے دوران اس ذخیرہ سے اپنے لئے ضروری توانائی حاصل کرتے رہیں۔

کیا وہ اپنی راہوں کاتعین زمین کی مقناطیسی طاقت کے ذریعہ کرتے ہیں یا آسمان میں سورج کی وضعی نوعیت سے، یارات کے ستاروں کی مدد سے؟ اگر ایسا ہے تو پھرانہیں نہایت ہی ماہر اورلائق ستارہ شناس سمجھنا چاہیئے یا کوئی اورصورتِ حال ہے جو مخفی ذریعہ کہلاتا ہے ،جس سے ہم بے خبر ہیں؟

اس سے بھی زیادہ اہم اور باعث تعجب یہ ہے کہ وہ آسمانی بلندیوں میں پرواز کے دوران ہی نیند کرتے رہتے ہیں اوراپنی منزل کی جانب بھی رواں دواں ہوتے ہیں۔ نیز وہ اندرونی الہام کے ذریعہ فضا میں تبدیلی پیدا ہونے کا احساس بھی پہلے سے کر لیتے ہیں۔اسی لئے وہ فضائی تبدیلیوں کے وجود میں آجانے سے پہلے ہی حرکت کرنے پرآمادہ ہوجاتے ہیں۔[2]

شاید آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ مہاجر پرندے اجتماعی صورت میں دوطرفہ قطار بنا کر چلتے ہیں جوانگریزی لفظ وی (V) کی صورت میں ہوتی ہے۔کیا یہ کوئی اتفاقی صورتِ حال ہوتی ہے یااس کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے؟ دانشوروں کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ جب

---

[1] اس گفتگو کا تتمہ نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۶۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] مجلہ ''دانشمند'' شمارہ شہر یور ۶۳ ۱۳ شمسی

کوئی پرندہ فضا میں اپنے پرَ مارتا ہے اور مسلسل اسے اُوپر سے نیچے کرتا رہتا ہے تو اس سے بعد والے پرندے کی پرواز کیلئے آسانی پیدا ہوجاتی ہے۔اسی لئے جب پرندے مذکورہ صورت میں حرکت کرتے ہیں تو بہت کم تھکتے ہیں اور کافی حد تک اپنی توانائی کو ذخیرہ کرتے رہتے ہیں۔اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں یہ سب کچھ کس استاد نے سکھایا ہے؟

مچھلیاں بھی مہاجرت کے دوران اجتماعی صورت میں اور مخروطی شکل میں حرکت کرتی ہیں کہ ان کا سر آگے آگے ہوتا ہے۔ماہرینِ فن نے اس بارے میں جو حسابات اور تخمینے لگائے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ طریقہ اختیار کرنے سے مچھلیوں کی رفتار میں انفرادی طور پر حرکت کی نسبت چھ گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔[۱]

## ۳۔ پرندے، انسانوں اور ماحول کی خدمت میں

کسی دانشور کا قول ہے کہ انسان کی شقاوت، بے رحمی، غفلت اور کم علمی کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ پرندوں کے مارے سے اسے کس قدر عظیم نقصان پہنچتا ہے، کیونکہ پرندوں کو مارنے سے اسے ایسے قیمتی مدگاروں اور دوستوں کی امداد اور دوستی سے محروم ہونا پڑتا ہے جو اس کو چوسنے والے موذی اور نقصان دہ حشرات کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نقصان دہ اور موذی حشرات کے ساتھ نمٹنے کیلئے دو راستے اختیار کرتا ہے۔ایک تو ابتدائی راستہ ہے اور وہ یہ کہ باغات اور زراعت کیلئے نقصان دہ کیڑوں، ٹڈیوں اور سنڈیوں کو پکڑا جائے یا انہیں زہریلی دواؤں کے ذریعہ تلف کیا جائے، اور دوسرا ایک بایولوجیکل سائنسی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وائرس اور طفیلی کیڑوں کی پرورش کی جائے جو موذی کیڑوں کو ہڑپ کر جائیں۔لیکن نمٹنے کے یہ دونوں طریقے ایک تو بہت ہی مہنگے پڑتے ہیں اور دوسرے زبردست مشکلات کا باعث ہوتے ہیں، جب کہ اگر پرندوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور رس چوسنے والے کیڑوں کے دشمن پرندوں مثلاً اُلّو وغیرہ کی نسل کشی کی جائے اور کیڑے کھانے والے پرندوں کی حمایت کی جائے تو نبرد آزمائی اور نمٹنے کی صورت میں آسان بھی ہو اور معمولی بھی۔

ایک سائنسدان بنام ''میشلے'' کہتے ہیں:

''اگر پرندے نہ ہوں تو زمین حشرات الارض کھا جائیں''۔

جب کہ ایک اور سائنسدان بنام ''فیبر'' ان کی تائید میں کہتے ہیں۔

''اگر پرندے نہ ہوں تو قحط سے بنی نوع انسان تباہ ہوجائے، اس موقعہ پر اعداد و شمار ہمارے ساتھ ہمکلام ہیں کیونکہ اگر صحیح صحیح حساب لگایا جائے کہ پرندے سالانہ کس حد تک کیڑے مکوڑے اور دوسرے حشرات الارض کو ہڑپ کر جاتے ہیں تو یہ بات صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے۔''رواتوبے'' نامی ایک پرندہ سالانہ تیس لاکھ موذی اور نقصان دہ کیڑوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔''نیلا سار'' ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو ہر سال ساڑھے

[۱] ایضاً ''شمارہ خرداد ۱۳۶۴ شمسی

چھ ملین (پینسٹھ لاکھ) حشرات کا صفایا خود کر جاتا ہے اور چوبیس ملین (دو کروڑ چالیس لاکھ) حشرات اپنے بچوں کو کھلاتا ہے جو بارہ یا سولہ بچوں سے کم نہیں ہوتے۔ ابابیل روزانہ چھ سو کلومیٹر سفر کرتا ہے اور کئی لاکھ مکھیوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ ''ٹرگلوڈیٹ'' ایک اور پرندہ ہے جو انڈے سے باہر نکلنے کے دن سے لے کر گھونسلے سے باہر نکلنے کی درمیانی مدت میں نو ملین (نوے لاکھ) حشرات کو ''نوش جان'' کر جاتا ہے۔ لوگ کالے کوے کو بڑا سمجھتے ہیں لیکن اگر کسی کوے کو ذبح کر کے اس کے پوٹے کو ٹٹولا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ سفید کیڑوں سے بھرپور ہے۔ [۱]

یہ پرندوں کو کسانوں اور ماحول کی حفاظت کیلئے خدمات کا صرف ایک گوشہ ہے لہٰذا اگر وہ اپنی اس خدمت کے بدلے میں ہمارے اناج یا پھلوں میں سے کچھ کھا پی لیں تو اس میں کیا حرج ہے، کیونکہ یہ تو ان کی مزدوری کا ایک ہزارواں حصہ بھی نہیں بنتا۔ کیا ہم صرف اس بنا پر ایسے خدمتگار پرندوں کو نقصان دہ اور ضرر رساں سمجھیں؟ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ یہ خدمات کس نے پرندوں کے ذمہ لگائی ہیں کہ حیوانات اور حشرات کی دنیا میں توازن کو برقرار رکھنے کیلئے یہ فریضہ انجام دیں اور ان کے اپنے بھی فوائد ہیں۔

## ۴۔ پرندوں کے وجود سے توحید کا درس ملتا ہے

توحید کے عظیم معلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مشہور حدیث ''توحید مفضل'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اے مفضل! پرندوں کے اجسام اور ان کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر کرو۔ چونکہ ان کے مقدر میں یہ تھا کہ وہ ہوا میں پرواز کریں، لہٰذا ان کے جسم کو ہلکا اور خلاصہ کی صورت میں بنایا، چار ستونوں کی بجائے ان کے بدن کے دو ستون ہیں پانچ انگلیوں کی جگہ پر چار انگلیاں ہیں، فضلے کے نکالنے کیلئے دو سوراخوں کی بجائے ایک سوراخ ہے، سینہ ''مُحدب'' بنایا گیا ہے تا کہ آسانی کے ساتھ ہوا کو چیر سکیں جیسے کشتی کا سینہ ہوتا ہے اور وہ پانی کو چیرتی ہے، ان کے دونوں پروں اور دم میں لمبے اور محکم پر ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ پرواز کرنے پر قادر ہوتے ہیں، ان کا پورا بدن بالوں سے ڈھکا ہوتا ہے تا کہ ہوا ان کے اندر داخل نہ ہونے پائے اور اُن کے حجم کی نسبت ان کا وزن کم ہو جائے، چونکہ یہ بات بھی ان کے مقدر میں ہوتی ہے کہ ان کی غذا اناج یا گوشت ہو اور وہ فوراً اسے نگل جائیں اور چبائے بغیر ہی پرواز کر جائیں، لہٰذا ان کے وجود سے دانتوں کو حذف کر دیا گیا ہے اور دانتوں کی بجائے ان کی نوکیلی، پختہ، تیز اور لمبی چونچ ہوتی ہے تا کہ وہ دانہ اٹھانے اور گوشت کو جدا کرنے سے تھک نہ جائیں اور کسی زحمت میں نہ پڑیں۔ چونکہ دانتوں سے محروم ہوتے ہیں، اسی لئے ان کے اندر ایک خاص قسم کی حرارت ہوتی ہے جس کی وجہ سے موٹے موٹے دانے بھی ہضم ہو جاتے ہیں اس طرح ان کا اپنا مخصوص ہاضمہ ہوتا ہے جو انسانی ہاضمے سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ عام طور پر انڈے دیتے ہیں، بچے نہیں دیتے، تا کہ حمل کی وجہ سے ان کا جسم بھاری نہ ہو جائے اور پرواز کرنے پر قدرت رکھیں۔'' پھر امام علیہ السلام نے پرندوں کے بارے میں بہت سے دوسرے دلچسپ اور دقیق نکات بیان فرمائے، جنہیں اختصار کی بنا پر ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ [۲]

---

[۱] کتاب ''نظری بہ طبیعت و اسرار آن'' ص ۱۹۵ تا ۱۹۷ (قدرے تلخیص کے ساتھ)

[۲] بحار الانوار جلد ۳ ص ۱۰۳ اور اس کے بعد

# ۱۸۔شہد کی مکھیوں کی زندگی میں خلاقِ عالم کی نشانیاں

## اشارہ

شہد کی مکھیوں کی زندگی تخلیق کائنات کی دنیا کا عجیب ترین شاہکار ہے، سائنسدانوں کے مطالعات کی روشنی میں اس چھوٹے سے حشرہ کی زندگی کے کئی عجائبات دریافت ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے بعض سائنسدانوں نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ ان کی اجتماعی زندگی انسان کی زندگی سے زیادہ پیش رفتہ اور ترقی یافتہ ہے۔آپ کو دنیا میں کوئی ایسا ترقی یافتہ معاشرہ نہیں ملے گا جس نے ''بیکاری'' اور ''بھوک'' جیسے مسائل کو مکمل طور پر حال کر دیا ہو،لیکن یہ مسائل شہد کی مکھیوں کے ملک (چھتہ) میں مکمل طور پر حل ہو چکے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس سارے شہر میں ایک بھی مکھی بیکار اور بھوکی نہیں ملے گی۔

گھر کا تیار کرنا، پھولوں کے رس کی جمع آوری کا طریقہ،شہد کا بنانا اور ذخیرہ کرنا،نومولود کی پرورش پھولوں سے معمور علاقے کی دریافت اور دوسری مکھیوں کو ان کا پتہ بتانا، ہزاروں چھتوں کے درمیان میں سے اپنے ہی چھتے کو تلاش کرنا، یہ اور اس قسم کی کئی اور باتیں ہیں جن سے ان کی حد سے زیادہ ذکاوت اور عقل و شعور کا پتہ چلتا ہے۔البتہ یہ بات یقینی ہے کہ ماضی میں انسان کو ان چیزوں کا علم نہیں تھا،لیکن قرآنِ مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایسی باتوں کا انکشاف کر دیا تھا اور اس کے اندر اسی حشرہ کے نام کی ایک سورہ بھی جس کا نام سورت ''نحل'' ہے،جس میں اس مختصر سے حشرہ کی زندگی کے پیچیدہ اور حیرت ناک پہلوؤں کی طرف کئی اشارے کئے گئے ہیں۔اس اشارے کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل آیات کو گوشِ جان کے ساتھ سماعت کرتے ہیں:

۱۔۔۔وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ (نحل/۶۸)

۲۔۔۔ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخۡرُجُ مِنۡ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ (نحل/۶۹)

## ترجمہ

۱۔۔۔تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی کہ پہاڑوں ،درختوں اوران چھجوں

پر اپنا گھر بنائیں جو لوگ بناتے ہیں۔

۲۔۔۔پھر تمام پھلوں سے کھا، اور ان راہوں پر آسانی کے ساتھ چل جو تیرے پروردگار نے مقرر کر رکھی ہیں۔

اس کے شکم سے خاص قسم کا مشروب نکلتا ہے، جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

اس امر میں صاحبانِ فکر کیلئے (خدا کی عظمت کی) نشانیاں ہیں۔

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''نَحل''، شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور ''نحلہ'' (بروزن قبلہ) بغیر معاوضہ کے بخشش کو کہتے ہیں اور اس کا مفہوم ''ہبہ'' (بخشش) کے مفہوم سے زیادہ محدود ہے، کیونکہ ''ہبہ'' یعنی بخشش بغیر معاوضہ اور عوض کے بخشش کو کہتے ہیں جب کہ ''نحلہ'' صرف اس بخشش کو کہتے ہیں جو بلاعوض ہوتی ہے۔ ''نُحول'' کا معنی لاغری ہے جیسے شہد کی مکھیاں لاغر (نحیف) ہوتی ہیں اور ''نواحل'' ان تلواروں کو کہتے ہیں جو تیز (لاغر و نحیف) ہوتی ہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اصل بنیاد وہی ''نحلہ'' ہے جس کا معنی بخشش ہے۔ اگر زنبورِ عسل کو ''نحل'' کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ عالمِ انسانیت کیلئے شریں عطیہ اور بخشش لاتی ہے۔[1]

''اَوْحٰی''، ''وحی'' کے مادہ سے ہے، جس کے بہت سے معانی ہیں جنہیں ہم نے ''پیام قرآن'' کی جلد اول ''معرفت کے منابع'' کی بحث میں ذکر کیا ہے اور جس کی اصل بنیاد ''سریع اشارہ ہے۔ چونکہ خداوند عالم کا فرمان زنبورِ عسل کی مختلف اور پیچیدہ سرگرمیوں پر مبنی ہوتا ہے جو سریع اشارے یا قلبی الہام سے ملتا جلتا ہے لہذا یہ لفظ شہد کی مکھیوں کے بارے میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ گویا ان تمام پیچیدہ کاموں کو خدا کے ایک سریع اشارے سے انجام دیتی ہیں۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## آیئے شہد کا ملک دیکھیں!!

قرآنِ مجید نے مذکورہ بالا آیت میں شہد کی مکھیوں کی زندگی کے چند مختلف حصوں کو بیان فرمایا ہے جن میں سے ہر ایک دوسرے سے زیادہ جاذب اور عجیب ہے۔ سب سے پہلے تو ان کے گھر بنانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے، ''تیرے پروردگار نے زنبورِ عسل کی طرف وحی کی ہے کہ وہ اپنے گھروں کو پہاڑوں، درختوں اور ان چھجوں سے انتخاب کرے جنہیں لوگ بناتے ہیں۔'' (وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ)

---

[1] مفردات راغب

''اِتخذی'' (تو انتخاب کر) کی تعبیر مؤنث فعل کی صورت میں شاید اس لئے ہے کہ جب شہد کی مکھیاں نیا گھر تلاش کرنے کو نکلتی ہیں تو ایک ''ملکہ'' کے پیچھے چلتی ہیں جو چھتے کی فرمانروا ہوتی ہے۔ بنابریں اصل انتخاب کرنے والی ملکہ ہوتی ہے

''اوحیٰ'' کی تعبیر ایک نہایت ہی خوبصورت تعبیر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوندِ عالم نے ایک مخفی الہام کے ذریعہ اس حیوان کو گھر بنانے کی تعلیم دی ہے جو اس کا ایک ظریف ترین کام ہوتا ہے۔ اس کی باقاعدہ تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔ چنانچہ وہ بھی اسی وحی الٰہی کے مطابق اپنا فریضہ انجام دیتی ہے کبھی پہاڑوں کی چٹانوں میں کبھی درختوں پر اور کبھی غاروں میں وہ اپنا چھتہ بناتی ہے تو کبھی مصنوعی چھتوں اور گھروں کو انتخاب کرتی ہے جنہیں انسان بناتا اور چھجوں پر رکھتا ہے۔ یا خود بھی وہ چھجوں پر اپنا گھر بناتی ہے، اس طرح سے زنبورِان عسل کے مختلف انواع کے گھروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت کی تعبیریں بتاتی ہیں کہ اُن کا یہ گھر بنانا کوئی سادہ سی بات نہیں ہے وگرنہ قرآن اسے وحی سے تعبیر نہ کرتا، اور ہم عنقریب دیکھ لیں گے کہ بات بھی یہی ہے۔

دوسری آیت میں ان مکھیوں کے شہد بنانے کی بات کی گئی ہے کہ'' خداوندِ عالم نے اپنی وحی اسے حکم دیا ہے کہ تمام میوہ جات سے کھا۔'' (ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ)

''اور میٹھا شہد پیدا کرنے کیلئے ان راستوں پر چل جو تیرے پروردگار نے تیرے لئے خاضع اور مسخر کر رکھے ہیں۔'' (فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً)

''سُبُل''، ''سبیل'' کی جمع ہے جس کے معنی آسان راستہ'' ہیں (جیسا کہ مفرداتِ راغب میں آیا ہے۔)

مندرجہ بالا آیت میں راہوں سے کیا مرد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کئی احتمال ذکر کئے ہیں بعض نے کہا ہے کہ وہ راستے مراد ہیں جو شہد کی مکھیاں پھولوں کی طرف طے کرتی ہیں۔ (''ذلل''، ''ذلول'' کی جمع ہے جس کے معنی رام اور سر جھکائے ہوئے ہیں ''ذلل'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راہیں اس حد تک صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک طریقے سے متعین کی گئی ہیں کہ جن کا طے کرنا ان مکھیوں کیلئے آسان اور معمولی سی بات ہے۔

آج شہد کی مکھیوں کے ماہرین بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ وہ کہتے کہ مکھیوں کا جتھ پھولوں کی جگہ کی پہچان کیلئے صبح صبح باہر نکلتا ہے، اس جگہ کے دریافت کرنے کے بعد چھتے کی طرف واپس آجاتا ہے اور آکر اس جگہ کی نشان اور صحیح صحیح پتہ نہایت ہی اسرار آمیز اور حیرت ناک صورت میں دوسرے کو بتاتا ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ راہ میں کچھ نشانیاں چھوڑ جاتا ہے جو ایک مخصوص قسم کا بودار مواد ہوتا ہے جس سے رستے کا تعین خود بخود ہوتا جاتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ کسی قسم کی مشکل محسوس کئے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچ جاتی ہے

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد چھتے تک پہنچنے کی راہیں ہیں کیونکہ بعض اوقات مکھی دور، دراز کا سفر کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے لیکن واپسی پر کسی بھی صورت میں سرگردانی کا شکار نہیں ہوتی بلکہ بلا تکلف اپنے چھتے تک پہنچ جاتی ہے، حتیٰ کہ ایک جیسے سینکڑوں

چھتوں کے درمیان وہ صرف اپنے ہی چھتے کو پہچان لیتی ہے۔[۱]

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پر ''سبل'' کا معنی مجازی ہے اور شہد کی مکھی کے اس طریقہ کار کی طرف اشارہ ہے جو وہ شہد تیار کرنے کیلئے پھولوں کے رس کو چوسنے کیلئے استعمال کرتی ہے، کیونکہ وہ ایک خاص طریقے سے رس کو چوستی ہے اور چوسنے کے بعد اپنے مخصوص ''پوٹے'' یا تھیلی میں ذخیرہ کر لیتی ہے جہاں پر کیمیکل طریقہ سے اس میں تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں اور شہد تیار ہوتا ہے۔ پھر مکھی اسے مخصوص تھیلی میں واپس پلٹا دیتی ہے۔ مکھی اس کام کیلئے ضروری طریقوں کو اختیار کرتی ہے وہ خدائی الہام کے ذریعہ ایسا کرنا بخوبی جانتی اور اس راہ کو طے کرتی ہے۔

چونکہ ان تینوں تفسیروں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے لہٰذا آیت کا ظاہر عام ہے جس سے کہا جاسکتا ہے کہ تینوں تفسیریں اس میں شامل ہیں، شہد کی مکھیاں خداداد شعور یا غریزی الہام کے ذریعہ ان پیچ وخم بھرے راستوں کو بڑی آسانی کے ساتھ طے کرتی ہیں اور ان سے استفادہ کرتی ہیں۔ بعد کے مرحلہ میں ''شہد'' کے اوصاف اور اس کی برکتوں اور فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''ان کے شکم سے ایک خاص قسم کا مشروب باہر آتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔'' (يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ)

''بطون''، ''بطن'' کی جمع ہے (جس کا معنی پیٹ ہے) اس تعبیر کو بعض مفسرین نے مجازی معنی پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے معنی ''افواہ'' (منہ) ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ شہد جو پھولوں کا رس ہوتا ہے، مکھیوں کے منہ میں ذخیرہ ہو کر چھتے میں منتقل ہوجاتا ہے۔[۲] جب کہ بعض کا گمان ہے کہ شہد، زنبورانِ عسل کا فضلہ ہوتا ہے۔[۳]

بعض مفسرین اسے بھی ایسے اسرار آمیز مسائل میں شمار کرتے ہیں جو ابھی تک انسان پر منکشف نہیں ہو پائے۔[۴]

لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں سائنسدانوں کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کوئی نظریہ درست نہیں ہے، بلکہ شہد کی مکھیاں پھولوں کا رس چوسنے کے بعد اسے بدن میں مخصوص تھیلی میں بھیج دیتی ہے جسے ''پوٹا'' کہا جاتا ہے اور پھر وہاں وہ مختلف قسم کی تبدیلیوں کے بعد شہد بن کر واپس ان کے منہ آجاتا ہے۔ ''بطون'' کی تعبیر اسی بات کی گواہ ہے، اور پھر اس سے بھی زیادہ واضح ''کلی''، تو کھا[۵] کی تعبیر ہے کیونکہ عرب کبھی بھی کسی چیز کو منہ میں رکھنے کو ''اکل'' (کھانا) نہیں کہتے۔ اس جملہ کی تفسیر ''اٹھانے'' اور ''پکڑنے'' سے بھی ایک مجازی تفسیر ہے جس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

---

[۱] ''ذللاً''، ممکن ہے کہ ''سبل'' کا حال ہو یا ''نحل'' کا۔ پہلا احتمال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

[۲] مجمع البیان، جلد ۶ ص ۳۷۳

[۳] تفسیر قرطبی، جلد ۶ ص ۲۷۵

[۴] اسی تفسیر قرطبی میں ارسطو کی ایک داستان نقل کی گئی ہے کہ ارسطو نے شیشے کا ایک چھتہ تیار کیا تاکہ وہ یہ جان سکے کہ شہد کس طرح تیار کیا جاتا ہے، لیکن جب مکھیوں نے اپنا عمل شروع کیا تو پہلے انہوں نے شیشے کو سیاہ کر دیا تاکہ ان کا راز کسی پر عیاں نہ ہونے پائے۔

[۵] کتاب ''پرورش زنبور عسل'' مصنفہ محمد مشری ص ۱۱۳ اور کتاب ''نظری بہ طبیعت واسرار آن'' ص ۱۲۶

اب اس جگہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر ''مختلف الوان'' (مختلف رنگوں) سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں بھی مختلف نظریات ملتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس سے یہی ظاہری ''رنگ'' مراد لئے ہیں، جن میں سے یہ شہد ہوتا ہے۔ بعض شفاف سفید ہوتے ہیں، بعض زرد یا سرخ اور بعض سیاہ ہی مائل بھی ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ رنگوں کا یہ فرق شہد کی مکھیوں کے سن کی وجہ سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پھولوں کے مختلف منبع کی وجہ سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ دونوں وجوہات شامل ہوں۔

یہ امکان بھی ہے کہ اس سے مراد خود ''شہد کی کیفیت'' ہو کیونکہ بعض شہد گاڑھے ہوئے ہیں اور بعض پتلے۔ یا پھر مختلف پھولوں کے مختلف شہدوں کا اثر جداگانہ ہوتا ہے اور ہر ایک کے اپنے مخصوص خواص ہوتے ہیں۔ اسی طرح خاص قسم کا شہد ''JELLY'' (چھتے کی ملکہ کے لئے تیار کیا جانے والا مخصوص شہد) سے بہت ہی مختلف ہوتا ہے، کیونکہ مشہور ہے کہ JELLY غذائی نقطہ نظر سے اس قدر قیمتی ہے کہ ملکہ مکھی کی زندگی کے طولانی ہونے کا سبب بنتا ہے اگر انسان بھی اس سے کھالے تو اس کی طولانی عمر کیلئے بھی موثر ہوتا ہے۔

بعض ملکوں میں ایک طرح کے پھولوں کے کھیت ہوتے ہیں اور مخصوص شہد کے چھتوں کی وہاں پرورش کی جاتی ہے جس سے ہر قسم کے پھولوں کی قسم کا مخصوص شہد حاصل کیا جاتا ہے اور خواہشمند افراد اپنی پسند کے پھولوں کا شہد خرید سکتے ہیں۔ اس طرح شہد کے ایک اور ایوانِ مختلف کا سراغ ملتا ہے جو ممکن ہے کہ آیت کے عمومی اور وسیع مفہوم میں شامل ہو۔

''شراب'' (مشروب) کی تعبیر اس لئے ہے کہ بعض مفسرین کے بقول کلامِ عرب میں شہد کے بارے میں ''اکل'' (کھانے) کی تعبیر میں استعمال نہیں ہوتی بلکہ اس سلسلے میں ہمیشہ ''شرب'' (پینے) کی تعبیر استعمال ہوتی ہے (شاید اس لئے کہ وہاں شہد پتلا ہوتا ہے)[1]

آخر میں عَسل (شہد) کی شفاعطا کرنے والی تاثیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''اس میں لوگوں کیلئے خصوصی شفا ہے'' (فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ)

''شفا'' کی تعبیر نکرہ کی صورت میں اس کی بے حد اہمیت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ انشاءاللہ ''توضیح'' کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا شہد میں بہت سے پھولوں اور نباتات کے جیتے جاگتے اور زندہ خواص موجود ہیں۔ دانشوروں نے اس کیلئے خصوصاً دورِ حاضر میں بہت سے خواص کا تذکرہ کیا ہے جس میں حفظانِ صحت کے خواص بھی شامل ہیں اور حفظ ماتقدم کے خواص بھی۔

عَسل بہت سی بیماریوں کے علاج کیلئے حیرت انگیز حد تک مؤثر ہے۔ اس کی وجہ اس کے اندر حیاتیاتی مواد VITAMIN کی موجودگی ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ ''شہد'' انسان کی صحت، سلامتی اور خوبصورتی کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔

آیت کے آخر میں گذشتہ تین حصوں مکھیوں کے گھر بنانے کا مسئلہ، پھولوں کے رس کی جمع آوری وشہد سازاور اس کے طبی (خواص) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، ''ان میں خداوندِ عالم کی عظمت کی نشانیاں ان لوگوں کیلئے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں'' (اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ)

---

[1] روح المعانی جلد ۱۴ ص ۱۶۸

اس طرح شہد کی مکھیوں کی زندگی کے تمام مراحل میں بھی اور اس جفا کش، سمجھدار اور ذی استعداد حشرے کی محنت کے ثمرے میں بھی خالقِ کائنات کی قدرت اور علم کی صرف ایک نہیں کئی آیات نظر آتی ہیں کہ اس نے اس قدر حیرت ناک مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

# چند ضروری توضیحات

## ۱۔ شہد کی مکھیوں کا عجیب تمدن

حیوان شناسی ZOOLOGY اور حیات شناسی BIOLOGY جیسے علوم کی وسعت اور باحوصلہ سائنسدانوں کے وسیع مطالعات کی وجہ سے اس چھوٹے سے حشرہ کی زندگی کے کئی اور عجیب اور نئے مسائل کا انکشاف ہوا ہے، جس سے انسان حیران رہ جاتا ہے اس بات کو ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ ان مکھیوں پر حکم فرمایہ سب نظام وتدبیر اور پروگرام کسی طبعی شعور سے خالی ہے۔ ایک حیات شناس BIOLOGIST سائنسدان ''مترلنگ'' نے زنبورانِ عسل کی زندگی کے بارے میں سالہا سال تک کافی تحقیق کی ہے، وہ ان کے شہر میں حکم فرما عجیب وغریب نظام کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

''شہد کی مکھیوں کے شہر میں ملکہ اس طریقہ پر حکم فرما نہیں ہوتی جس طرح ہم سمجھتے ہیں بلکہ وہ بھی اس شہر کے دوسرے افراد کی مانند ایک طرح کے آئین وقوانین کی پابند ہوتی ہے۔'' پھر کہتے ہیں:

''ہمیں آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ آئین اور قوانین کہاں اور کیونکر تیار ہوتے ہیں۔ ممکن ہے ایک دن ایسا آجائے جس میں ہم یہ معمہ بھی حل کر سکیں اور قانون وضع کرنے والے کو پہچان سکیں لیکن سرِ دست ہم اس کا عارضی نام ''شہد کی جان'' رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ جان کہاں ہے اور اس شہر کے باشندے میں حلول کئے ہوئے ہے؟ البتہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ ملکہ بھی دوسری مکھیوں کی طرح ''شہد کی جان'' کی فرمانبردار ہوتی ہے۔ ''شہد کی جان'' پرندوں کے غریزے کی مانند نہیں ہے اور ایک عادت اور اندھے ارادے کی طرح عمل نہیں کرتی۔ ''شہد کی جان'' اس شہر کے ہر ایک باشندے کیلئے اس کی استعداد کے مطابق علیحدہ علیحدہ فرمان جاری کرتی ہے، کبھی تو کچھ افراد کو گھر بنانے کا حکم دیتی ہے اور کبھی سب کو کوچ اور ہجرت کا فرمان صادر کرتی ہے۔''

''غرض ہم اب تک نہیں سمجھ سکے کہ مکھیوں کے ملک کے قوانین جو ''شہد کی جان'' کے ذریعہ وضع ہوتے ہیں، کس ''اسمبلی'' یا ''پارلیمنٹ'' میں پیش ہو کر منظور کئے جاتے ہیں اور کون ہے جو انہیں ایک مقررہ دن میں حرکت کا حکم جاری کرتا ہے۔ [1]

لیکن قرآنِ مجید نے ان تمام سوالات کا جواب ایک مختصر سے جملے سے دے دیا ہے اور وہ ہے ''وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ'' (تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی ہے) وہی تعبیر جو انبیاء بزرگ کے بارے میں استعمال کی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس

[1] کتاب ''زنبور عسل'' از مترلنگ ص ۳۵ ص ۳۶ (اختصار کے ساتھ)

وحی اور اُس وحی میں بڑا فرق ہے،لیکن تعبیر کا ایک جیسا ہونا اس علم و دانش کی اہمیت کی دلیل ہے جو خداوندِ عالم نے زنبورانِ عسل کو عطا فرمایا ہے ،اور وہ بھی اس حدت تک کہ مفکرین عالم کو اس کے بارے میں مطالعہ کی دعوت دی ہے۔

زنبورِ عسل کا گھر بنانا یقیناً خداوندِ عالم کے الہام کے ساتھ ہے کیونکہ وہ اپنا گھر منظم طور پر مسدس شکل میں بناتی ہے جس پر موم تو بہت کم خرچ آتی ہے لیکن گنجائش بہت زیادہ ہوتی ہے اس کے تمام زاویے استفادہ کے قابل ہوتے ہیں اور دباؤ کے مقابلہ میں اس کی قوت مزاحمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ان کے گھر دومنزلہ ہوتے ہیں۔یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب ان کا چھتہ درختوں یا پہاڑوں پر ہو،لیکن مصنوعی چھتوں میں دو دو کر کے اضافہ کرتی جاتی ہیں،جتنا کہ چھتے بنانے کی گنجائش ہوتی ہے۔

ہر ایک گھر کی گہرائی PYRAMID صورت کی ہوتی ہے جس کی تین سطحیں لوزی (بادامی) شکل کی ہوتی ہیں اور ایک منزل کی راس اور اس کا ابھار دوسری اور نچلی منزل کی تہہ میں ہوتا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ اگر موم کی کسی سطح کو مربع یا کسی دوسرے شکل میں مصنوعی قالبوں کے ذریعہ ڈھالا جائے،جو شہد کی مکھی کیلئے حسبِ منشاء نہیں ہے،اور اس میں مکھی کو چھوڑ دیا جائے تو وہ خدائی الہام کی طاقت کے ذریعہ اس غلط بنیاد کی پیروی نہیں کرے گی بلکہ وہ اسے صحیح شکل میں اوپر لے جائے گی۔

کسی دانشور نے زنبورِ عسل کے گھر کی گہرائی لوزی (بادامی) شکل کا اندازہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس کا بڑا زاویہ ایک سونو درجے اور اٹھائیس منٹ ہے۔پھر اس مسئلے کو جرمنی کے ایک عظیم انجنیئر بنام ''کنیک'' کے پاس بھیج کر اس سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کم سے کم مواد کے ذریعہ بڑی سے بڑی PYRAMID نانا چاہے جس سے لوزی (بادامی) شکل کی تین سطحیں حاصل ہوں تو اس کے زاویئے کس اندازے کے ہوں گے؟

اس نے DIFFERENTIAL حساب کے ذریعہ اس مشکل مسئلے کو حل کر دیا اور جواب میں لکھا ''ایک سونو درجے اور چھبیس منٹ'' حالانکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ سوال شہد کی مکھیوں کے گھر کے بارے میں کیا جا رہا ہے۔اس طرح اس کے جواب میں اور شہد کی مکھیوں کے گھر میں صرف ''دو منٹ'' کا فرق ظاہر ہوا۔

اس کے بعد ایک اور انجنیئر بنام ''میگ لورن'' نے مزید غور کے ساتھ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ''دو منٹ'' کا فرق پہلے انجنیئر کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے ورنہ صحیح جواب وہی ہے جو شہد کی مکھیوں نے انجام دیا ہے۔[1]

بلجیئم کے مشہور سائنسدان مسٹر ''مترلنگ'' اپنی کتاب ''زنبورِ عسل'' میں ایک اور سائنسدان سے نقل کرتے ہیں جس کا نام ''رائٹ'' ہے وہ کہتے ہیں:

الجبراء میں منظم فاصلوں کو تقسیم کرنے،ان کو آپس میں ملانے اور چھوٹی اور بڑی شکلیں بنانے کیلئے صرف تین علمی طریقہ کار ہیں،اور وہ

---

[1] تفسیر ابوالفتوح رازی حاشیہ مرحوم شعرانی جلد ۷ ص ۱۲۳ (قدرے تلخیص کے ساتھ)

ہیں ۔ا۔''مثلث قائم الزاویہ''۔ ۲۔''مربع''اور۔ ۳۔''مسدس''زنبورِعسل کے''حجرے'' کی بناوٹ میں تیسرے طریقے یعنی مسدس سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ شکل کسی مکان کی پائیداری کیلئے بہت ہی مناسب ہے ( کیونکہ اگر ہم تھوڑے سے غور وفکر سے کام لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسدس شکل ہر طرف سے ضربی طاقتوں کی مانند ہوتی ہے جو کہ زیادہ سے زیادہ دباؤ کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جب کہ مثلث اور مربع میں اس قدر صلاحیت نہیں ہوتی )

علاوہ ازیں شہد کی مکھی کا جسم ستون نما CYLENDRICAL ہوتا ہے جو اس قسم کے گھر میں آنے اور جانے کیلئے نہایت ہی موزوں ہوتا ہے۔

بہرحال قرآنِ مجید نے شہد کی مکھیوں کے گھر بنانے کے بارے میں جو اشارہ کیا ہے اس بارے میں ہم جس قدر بھی گہرائی میں جائیں گے اسی قدر حیرت انگیز اور تازہ ترین نکات سے باخبر ہوں گے، اور اس عجیب حشرہ کے خالق موجد اور مربی کی عظمت کے سامنے سرِ تعظیم جھکا دیں گے۔

## ۲۔ پھلوں کے رس سے شہد سازی

دوسری بات جسے قرآنِ مجید نے تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ ہے پھولوں کے رس سے شہد کا تیار کرنا، اور درحقیقت یہ بات ہے بھی حد سے زیادہ حیرت ناک اور تعجب انگیز۔ بعض سائنسدان کہتے ہیں: ''ایک کلوگرام شہد کے حصول کیلئے پچاس ہزار شہد کی مکھیوں کو سفر کرنا پڑتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ صرف ایک گرام پھولوں کا رس حاصل کرنے کیلئے ان مکھیوں کو کتنے پھول چوسنے پڑتے ہیں؟ اس بارے میں بھی سائنسدانوں نے حساب لگایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گرام رس حاصل کرنے کیلئے اوسط حد تک ساڑھے سات ہزار پھولوں کو چوسیں اور ان سے اُن کا رس نکالیں۔ اس حساب کی روشنی میں ایک کلوگرام شہد حاصل کرنے کیلئے انہیں سات ملین (پچھتر لاکھ) پھولوں کو چوس کر اُن کا رس نکالنا پڑتا ہے۔[۱]

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ شہد کی مکھیاں روزانہ سترہ سے چوبیس بار سے بھی زیادہ مرتبہ رس حاصل کرنے کیلئے سفر کرتی ہیں۔ اگر آپ تعجب نہ کریں تو ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ شہد کی کوئی بھی مکھی اپنی ساری زندگی آرام نہیں کر پاتی، بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ عمر بھر نہیں سوتی، یعنی ساری زندگی بیدار رہتی ہے۔[۲]

اس جفاکش حشرہ کے مشقت بھرے کام کا اندازہ لگانے کیلئے اتنا کہنا کافی ہے کہ صرف چار سو گرام شہد کے حصول کیلئے شہد کی مکھی کو چھتے سے صحرا کے درمیان کم از کم اسی ہزار بار چکر لگانا پڑتے ہیں۔ اگر اس آمد و رفت کو پیشِ نظر رکھ کر تخمینہ لگایا جائے اور اوسط طور پر ہر مرتبہ

---

[۱] کتاب ''پرورش زنبور عسل''ص ۱۱۲ وص ۱۱۵

[۲] کتاب ''پرورش زنبور عسل''ص ۱۱۲ وص ۱۱۵

کوایک کلومیٹر حساب کیا جائے تونتیجہ یہ نکلے گا کہ چارسوگرام شہد کے حصول کیلئے شہد کی مکھی جوسفر طے کرتی ہے وہ کرہ زمین کے محیط کا دوگنا سفر ہوتا ہے۔یعنی چارسوگرام شہد کی تیاری کیلئے جس رس کی ضرورت ہوتی ہے اس کے حصول کیلئے یہ محنت کش حشرہ زمین کے گرد دومرتبہ چکرلگانے کے برابر سفر طے کرتا ہے۔[۱]

اس نکتے کی طرف بھی پوری توجہ کی ضرورت ہے کہ بہت سے پھول ایسے ہوتے ہیں جن میں رس سارا دن نہیں ہوتا کہ کسی وقت بھی مکھی جا کراس سے وہ رس چوس لے، بلکہ دن میں صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی مقررہ وقت پر اپنا رس پیش کرتے ہیں۔وقت کے تعین کا تعلق خود پھول سے ہی ہوتا ہے۔بعض پھول وہ ہیں جو صبح کے وقت رس دیتے ہیں،بعض ظہر کے وقت اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بعد از ظہر دیتے ہیں۔عجیب بات تو یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں اُن کے اس طرح کے پروگراموں سے اچھی طرح واقف ہوتی ہیں۔لہٰذا وہ ان کے پاس اس وقت جاتی ہیں جب اُن کے رس دینے کا وقت ہوتا ہے۔اس لئے وہ اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتیں۔[۲]

درحقیقت جب انسان ان اعداد وشمار پر نگاہ ڈالتا ہے اور شہد کے حاصل کرنے کیلئے پروازوں کی تعداد اور پھولوں کی تعداد کو پیشِ نظر لاتا ہے تو اس کا سر شرم سے جُھک جاتا ہے کہ اس حیات بخش مادے کے ایک گرام کیلئے جو اس نے دسترخوان پر رکھا ہوا ہے کہ ابھی اُسے نوشِ جان کرے،کس قدر مشقت اٹھائی گئی ہے۔لیکن اگر اسی وقت اس جفاکش اور محنت شعار حشرے کے خالق اور پروردگار کی عظمت اور اس کے علم وقدرت کے بارے میں سوچ وبچار اور غور وفکر سے کام لے اور اس کے آگے اپنا سر جھکا دے تو اس کی نعمت کا شکر بجالائے گا۔ممکن ہے کہ یہ سب کچھ اسی اعلیٰ مقصد کیلئے ہو!!

اس موقعہ پر آخری نکتہ جو ذکر کرنا ضروری ہے اور تفسیری بحث کی کیفیت سے خارج ہونے سے پہلے اس سلسلے کو ختم کرنا لازمی ہے،وہ یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں کا کام، جہاں پھولوں کے رس کو جمع کرنا ہے وہاں وہ پھولوں کے ''زرد رنگ کے سفوف'' کو بھی اکٹھا کرتی ہیں جس کا نام ''پولین'' POLLEN ہے اور اسے شہد میں ملاتی ہیں۔

زرد رنگ کے اس سفوف کے زبردست خواص ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔اس میں تیزابیت AMINO ACID کی بارہ قسمیں پائی جاتی ہیں، چربی کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں،نشوونما کے ہارمون ہوتے ہیں،شکر SUGAR پائی جاتی ہے وغیرہ۔جن عفونتوں اور ورموں کا انٹی بیوٹک دوائیں علاج نہیں کرسکتیں۔وہاں اس کے اثرات کارگر اور نہایت ہی مفید ہوتے ہیں۔[۳]

شہد کی مکھی کے پچھلے پاؤں کے پنجے کنگھی اور مسواک نما ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ پھول کے اس سفوف کو جمع کرتی اور اس کی ایک گولی بنا لیتی ہے۔نیز انہیں پنجوں کے ساتھ ہی ''ٹوکری'' اور ''چمٹے'' جیسی چیز ہوتی ہے جس سے اس گولی کو پکڑ کر ٹوکری میں رکھ لیتی ہے اور جب

---

[۱] کتاب ''جہان حشرات'' (منقول از کتاب ''شگفتہائے آفرینش'' ۱۴۳

[۲] کتاب ''حواس اسرار آمیز حیوانات'' منصفہ ویٹس دروشر۔ص ۱۵۷ قدرے خلاصہ کے ساتھ

[۳] کتاب ''فطری بہ طبیعت واسرار آن'' ص ۱۲۷

وہ چھتے کی طرف پلٹ کر جاتی ہے تو جہاں پھولوں کا رس اپنے ساتھ لے جاتی ہے وہاں زرد رنگ کی دو گولیاں بھی ساتھ لے جاتی ہے۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول ہوتا ہے۔[۱]

## ۳۔شہد غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے

قرآنِ مجید نے مندرجہ بالا آیات کی تیسری قسم میں بیماریوں کی شفا کے سلسلے میں شہد کی اہم تاثیر کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور مختصر سربستہ تعبیر کا استعمال کیا ہے۔(فیہ شفاء للناس)

آج ماہرین غذا کے مطالعات اور تحقیقات کی روشنی میں اس کے اسرار و موز سے پردہ اُٹھ چکا ہے۔انہوں نے شہد کے ایسے بے شمار خواص اور اسرار ذکر کئے ہیں جنہیں جان کر انسان ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ عَسل ایک ایسا مادہ ہے کہ اگر وہ بالکل صحیح اور خالص ہو تو ہزار ہا سال تک خراب نہیں ہو پاتا کیونکہ وہ کسی بھی قسم کے جراثیم کو قبول نہیں کرتا۔[۲] فراعنہ مصر کی قبروں سے ایسے شہد کے برتن بھی ملے ہیں جس کا تعلق کئی ہزار سال پہلے سے ہے اور یہ شہد بالکل ٹھیک حالت میں صحیح وسالم اور طبعی صورت میں تھا۔ یہ بات مندرجہ بالا دعویٰ کی دلیل ہے۔ چونکہ شہد مختلف پھولوں کے رس سے حاصل کیا جاتا ہے (معلوم ہے کہ ہر ایک پھول کی اپنی مخصوص طبّی خاصیت ہوتی ہے ) اسی لئے شہد میں ان پھولوں کے مجموعی طور پر خواص موجود ہوتے ہیں۔

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ شہد وٹامنز اور دیگر خاصیات کے حامل ہونے کی وجہ سے ایک زندہ مادہ ہوتا ہے۔اس میں چھ وٹامنز یعنی A,B,C,D,E,K پائے جاتے ہیں اور معدنی مواد یعنی پوٹاشیم ،آئرن ،فاسفورس ،سکہ ،میگنیشم،تانبا،سفلر ،سوڈیم اور دوسرے کئی مواد پائے جاتے ہیں نیز تیزابیت کی کئی انواع کا حامل بھی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ ان مواد میں سے ہر ایک کا انسانی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔اسی لئے شہد بھی مندرجہ ذیل خواص کا حامل ہوتا ہے:

شہد،خون بنانے کیلئے مؤثر ہے۔

شہد،عضلات کی تھکاوٹ کے دور کرنے کیلئے کارآمد ہے۔

شہد،معدہ اور آنتوں میں عفونت کو دُور کرتا ہے۔

شہد،اس بات کا موجب بن جاتا ہے کہ حاملہ عورتوں سے پیدا ہونے بچوں کے پٹھے مضبوط ہوں۔

شہد،ان لوگوں کیلئے مفید ہوتا ہے جس کا نظامِ ہضم کمزور ہوتا ہے۔

---

[۱] مجلہ ''تندرست

[۲] کتاب اولین دانش گاہ جلد ۵ ص ۱۲۹ (قدرے اختصار کے ساتھ)

شہد، کا شمار ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جو کمزوری کی تلافی کرتی ہیں۔

شہد، دل کی تقویت کیلئے مؤثر ہوتا ہے۔

شہد، مُسن لوگوں کیلئے کافی حد تک طاقت ایجاد کرتا ہے۔

شہد، معدہ اور انتڑیوں کے زخم کا مؤثر علاج ہے۔

شہد، تنگی نفس (دمہ) کیلئے مفید ہے۔

شہد، پھیپھڑے کی بیماریوں کیلئے بہترین معاون ہے۔

شہد، جوڑوں کے درد کیلئے معالج دوا ہے۔ پٹھوں کی نشوونما کیلئے مفید ہے اور اعصاب کی تکلیف کیلئے مؤثر علاج ہے۔

شہد، اسہال کی تکلیف میں مبتلا افراد کیلئے مفید ہے کیونکہ اس میں جراثیم ختم کرنے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔

شہد، سے ایسی دوائیں بنائی جاتی ہیں جو جلد کی خوبصورتی اور لطافت کیلئے فائدہ مند ہوتی ہیں اور جلد کی ناہمواریوں کو دور کرتی ہے۔

شہد، سے ایسی دوائیں تیار کی جاتی ہیں جن سے منہ کے ورم کو تسکین ملتی ہے اور ان سے خوشبو پیدا ہوتی ہے۔

شہد، جلد کی خشکی، اس کے پھٹنے، جلنے، اس پر پھنسیاں پیدا ہو جانے، جانوروں کے دردناک ڈنک، آنکھ کے ورم اور کھانسی کے علاج کیلئے بھی مفید دوا ہوتی ہے۔

بعض دانشوروں نے پھولوں کے رس ایسی گولیاں TABLETS تیار کی ہیں جن میں شہد جیسے خواص ہیں، جن کا اہم ترین اثر جوانی کی توانائیوں میں اضافہ کرنا، خلیوں کو فعال بنانا خوشگواری پیدا کرنا اور عمر کا لمبا بنانا ہے۔[1]

اسی لئے تو مشہور ہے کہ مشہور دانشور ''فیثاغورث'' PYTHAGORAS اپنے شاگردوں کو ہدایت کرتے ہوئے کہتے تھے ''جتنا ہو سکے شہد اور روٹی کھایا کرو'' اور ''بقراط'' کہا کرتے تھے ''اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری عمر لمبی ہو تو شہد کھایا کرو۔''

شہد کے مقوی اثرات اور طبی خواص وغیرہ اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر سی کتاب میں نہیں سما سکتے حتیٰ کہ بعض دانشوروں نے تو شہد کے غذائی اور طبّی خواص کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ قرآنِ مجید نے ان سب مطالب کو ایک ہی جملہ میں دلچسپ انداز میں بیان فرما دیا ہے: ''فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ''

اگر آپ تعجب نہ کریں تو ہم یہاں پر بھی بتاتے چلیں کہ شہد کی مکھی کا ڈنک اور اس میں موجود زہر بھی بہت سی بیماریوں کے علاج کیلئے مفید ہے، جیسے جوڑوں کا درد، ملیریا، گلٹیوں کا پیدا ہو جانا، اعصاب کا درد، آنکھوں کی بعض بیماریاں وغیرہ۔ یہ ڈنک باقاعدہ پروگرام کے مطابق ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انجام پایا جانا چاہیئے۔ مثلاً پہلے دن ایک ڈنک، دوسرے دن دو، تیسرے دن تین اسی طرح دسویں دن دس ڈنک لگائے جانے چاہئیں جب کہ علاج کا یہ پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ بعد کے مرحلہ کیلئے پروگرام دوسری صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی ذہن

---

[1] کتاب ''اولین دانش گاہ'' جلد ۵ ص ۲۱۲ تا ۲۹۰، رسالہ ''طب و دارو'' اور دوسری کتابیں۔

نشین رہنی چاہیئے کہ ڈنک کے ذریعہ علاج اگر مقررہ حد سے تجاوز کر جائے تو خطرے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ جو لوگ اس سے حساس ALLERGIC ہیں اُن کیلئے کم مقدار میں مضر ہوتی ہے۔

بعض دانشوروں نے اس بارے میں ایک یا کئی مقالے بھی تحریر کئے ہیں اور کئی لوگوں نے تو ''زنبورِ عسل کی زہر کا ماحصل اور اس کے خواص'' کے تحت مقالہ نگاری کرکے ڈاکٹری کی سند بھی حاصل کی ہے۔ (ڈاکٹریٹ کی ہے)[1]

## ۴۔ زنبورِ عسل کی اور خدمات جو شہد سے بھی زیادہ قیمتی ہیں

شہد کی مکھیوں کی زندگی بڑے بڑے عجائبات کی حامل ہے جو کچھ ابھی تک بتایا جاچکا ہے وہ تو صرف اس کا ایک حصہ ہے موم بنانے کی داستان، جو کہ شہد کی مکھیوں کا گھر ہے، بجائے خود ایک مفصل داستان ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ موم صرف ان کے گھر بنانے کے ہی کام نہیں آتی بلکہ بعض اوقات وہ اس سے ایسے حشرات کو بھی ''مومیا'' دیتی ہے جو اس کیلئے مزاحمت کا سبب بنتے ہیں اور اس طرح وہ اُن کے شر سے محفوظ ہوجاتی ہیں۔ زنبورانِ عسل کے ایک ماہر کا کہنا ہے:

''ایک دن چھتے کے اندر موجود ایک گولی نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی جو نسبتاً بڑی سی گولی تھی۔ جب اس نے اُسے کھول کر دیکھا تو اس میں ٹڈی کا ایک ڈھانچہ تھا جو مکھیوں کے ذریعہ ''مومیایا'' جاچکا تھا''۔

بعض دانشوروں کا قول ہے کہ ''موم، شہد کی روح اور شہد پھولوں کی روح ہوتی ہے۔ اور اس قدرت لطیف ہوتی ہے کہ زنبورِ عسل کے شہر کے پانچ سو گھروں کا وزن چند گرام سے زیادہ نہیں ہوتا، اگرچہ ہمارے لئے یہ جاننا مشکل ہے کہ شہد کی مکھیاں اسے کیونکر تیار کرتی ہیں؟ لیکن آج اتنا ضرور جانتے ہیں کہ موم کا مصنوعات میں اہم مصرف ہوتا ہے۔ پھولوں کے بارور کرنے میں شہد کی مکھیوں کا بڑی حد تک دخل ہے اور یہ اُن کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ ایک دانشور کے بقول:

''حشرات کے بغیر ہماری ٹوکریاں، پھل اور میووں سے خالی ہوجائیں کیونکہ جن حشرات کا پھولوں سے واسطہ ہوتا ہے وہ دوسرے تمام عوامل سے بڑھ کر ایک پھول کے سفوف کو دوسرے پھول میں منتقل کرسکتے ہیں۔ جب ایک پھول کا دوست حشرہ اپنی سونڈ کو پھول میں داخل کرتا ہے، یا جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے وہ اپنے بدن کا ایک حصہ پھول کے کاسہ میں داخل کرتا ہے، تو اُس کا بدن پھول کے زرد رنگ کے سفوف سے ڈھکا ہوتا ہے اور وہ فوراً اسے پھول میں پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں پھول کا سفوف ایک مؤثر عامل ہوتا جس کے بغیر نہ تو بیج دانے میں تبدیل ہوسکتا ہے اور نہ ہی تخمدان میوہ میں۔ فلسفی نکتہ نظر سے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ پھولوں کے دوست حشرے اپنی پیدائش کے پہلے ہی دن سے پھولوں سے واسطہ رکھتے ہی۔۔۔ یہ دونوں برابر کی سطح پر بڑھتے اور ارتقاء پاتے رہتے ہیں، اور آج اس مرحلہ تک جاپہنچے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔۔۔ پھولوں کے اہم ترین حشرے، جنہیں یقیناً آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں،

---

[1] اولین دانش گاہ۔ ص ۱۷۴

پروانے ،شہد کی مکھیاں اور بھڑیں ہوتی ہیں ۔۔۔لیکن ان تمام حشرات میں سب سے زیادہ پھولوں کا سفوف منتقل کرنے اور رس حاصل کرنے کیلئے شہد کی مکھیاں زیادہ موثر اور کارگر ہوتی ہیں ۔[1]

یہ بات بھی باقل توجہ ہے کہ جن درختوں کے پھول دو طرح کے ہوتے ہیں ،ایک نر اور دوسرے مادہ ،ان کی دو قسمیں ہیں ،ایک وہ درخت جو از خود پھول نہیں دیتے کیونکہ ان میں اپنے پھولوں کو بارور کرنے کی قدرت نہیں ہوتی اور دوسرے وہ درخت جو پھل دیتے ہیں ،ان میں یہ قدرت ہوتی ہے۔

پہلی قسم کو بارور کرنے کیلئے کسی واسطے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ''واسطہ'' زنبورانِ عسل ہی ہوتی ہیں ۔ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ بارور سازی کا اسّی فیصد عمل شہد کی مکھیوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔شہد کی مکھیوں کے عمل اور سرگرمیوں کو جاننے کیلئے اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ سیب ،ناشپاتی ،چیری ،بادام اور اس قسم کے دوسرے پھلدار درختوں کا شمار پہلی قسم میں ہوتا ہے۔

زنبورانِ عسل کی بجائے کیمیکل ،مکینیکل اور دوسرے ذرائع سے درختوں کی باروری کی تمام کوششیں شکست سے روبرو ہو چکی ہیں ،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں کے حصول کیلئے زنبورانِ عسل کا کس حد تک دخل ہے؟[2]

بعض سائنسدان کہتے ہیں:

''اگر شہد کی مکھیاں ہمیں ایک ہزار روپے کا شہد اور موم عنایت کرتی ہیں ،تو کم از کم دو لاکھ روپے کی ہمیں زراعت میں امداد کرتی ہیں ۔[3]

ہم اپنی اس گفتگو کو ماہرِ حیاتیات مسٹر ''مترلنگ'' کے اس عجیب جملے سے ختم کرتے ہیں ،وہ کہتے ہیں:

''اگر آج شہد کی مکھیاں (خواہ وہ پالتو ہوں یا غیر پالتو) ختم ہو جائیں تو نباتات ،پھولوں اور میووں کی ایک لاکھ قسمیں تباہ ہو جائیں اور معلوم نہیں کہ اصولی طور پر ہمارا تمدن ہی ختم ہو جائے''۔[4]

## ۵۔شہد کی مکھیوں کی جسمانی ساخت بھی عجیب ہے!

شہد کی مکھیوں کی جسمانی ساخت کی بھی بجائے خود ایک طولانی اور حیرت انگیز داستان ہے۔اس میں اس کی آنکھ سب سے زیادہ عجیب ہوتی ہے۔سائنسدان کہتے ہیں ''شہد کی مکھی کی آنکھ ڈھائی ہزار چھوٹے صفحات پر مشتمل ہوتی ہے جن کا ایک دوسرے کا باہمی زاویہ دو سے تین

---

[1] ''نظری بہ طبیعت و اسرار آن'' ص ۱۲۶

[2] پرورش زنبور عسل ۔ص ۲۳۳ و ۲۳۴ (اختصار کے ساتھ)

[3] کتاب جہاں حشرات ۔ سے اقتباس

[4] اولین دانشگاہ جلد ۵ ص ۵۵

درجے ہوتا ہے۔ان آنکھوں میں اس قدر طاقت ہوتی ہے کہ بادلوں کے پیچھے چھپے ہوئے سورج کے اصل مقام کو دیکھ سکیں اور یہ ماورائے بنفش ULTRA.VIOLET شعاعوں کے ذریعہ ہی ہوتا ہے جوان کی آنکھوں پر اثر ڈالتی ہیں۔شہد کی مکھیوں کی زبان اوران کا باہمی مشورہ ایسے علمی حقائق ہیں جوان آخری چند سالوں میں دریافت ہوئے ہیں [1]

شہد کی مکھیاں رنگ برنگے پھولوں کوان کی شکل وصورت میں نہیں دیکھتیں جیسے ہم دیکھتے ہیں، بلکہ وہ انہیں ماورائے بنفش ULTRA.VIOLET روشنی کے ذریعہ دیکھتی ہیں۔یہ روشنی ان کی زیبائش اور جلوؤں میں اوراضافہ کردیتی ہے (اور مکھیوں کوان کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ [2]

افسوس کہ ہماری بحث کی نوعیت ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس بارے میں اس سے زیادہ گفتگو کریں،لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ اس حشرہ کے بارے میں خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا ہے، ہم اس پر جتنا زیادہ غور وفکر کریں گے اتنا ہی زیاداس کے خالق کی عظمت وقدرت کے اسرار ہم پر آشکار ہوتے جائیں گے۔اور''حسن اختتام''کے طور پر ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام کی طرف دل کے کان لگاتے ہیں جوآپ نے''توحید مفضل''میں ارشاد فرمایا ہے:

''اے مفضل! شہد کی مکھی،اس کے شہد کی صنعت اور چھ کونے والا گھر بنانے کی طرف نگاہ کرواوراس کی زندگی اور ہوشیاری کے مختلف گوشوں کی طرف خوب غور کرو۔ اگرتم اس بارے میں خوب اوراچھی طرح غور کروتو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ ایک عجیب اورغریب مخلوق ہے۔۔۔۔اس بارے میں روشن نشانیاں اس بات پر ہیں کہ عسل تیار کرنے کی صنعت میں مندرجہ بالا حکمت شہد کی مکھی کی نہیں بلکہ اس کی ہے جس نے اس مکھی کو پیدا کیا ہے اورانسانی مصلحتوں کے لئے اسے مسخر کیا ہے۔' [3]

---

[1] حواس اسرار آمیز حیوانات ص ۱۳۷، ص ۱۴۰، ص ۱۴۳

[2] ''راز آفرینش انسان''ص ۹۳

[3] بحارالانوار جلد ۳ ص ۱۰۸

# ۱۹۔جانوروں کی تخلیق میں پروردگارِ عالم کی نشانیاں

اشارہ:

کائنات کی زندہ مخلوق کا ایک عظیم حصہ جانوروں پر مشتمل ہے۔حیوانات اپنی مختلف ساخت ،گونا گوں شکلوں ،نوع بہ نوع صورتوں اور عظیم تعجب خیزیوں کی وجہ سے ہر دیکھنے والے کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔ان میں سے ہر ایک جانور کے بارے میں مطالعہ انسان کو ان کے خالق کے بے انتہا علم اور اس کے بے مثال قدرت سے آگاہ کرتا ہے۔اس مسئلہ کی اہمیت اور بھی واضح ہوجاتی ہے جب ہم ان جانوروں کو ایک جگہ پر اور ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ دیکھیں۔مثلاً ہم چڑیا گھر چلے جائیں اور مچھلیوں کی قسموں ،مختلف پرندوں ،بندروں ،شیروں ،چیتوں ،زرافوں اور ہاتھیوں کی مختلف انواع کو یکے بعد دیگرے دیکھیں ،ان میں سے ہر ایک کی حرکات وسکنات ،عادات واطوار اور عجائباتِ تخلیق کو غور سے ملاحظہ کریں ،تو ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص جس میں رتی بھر بھی عقل وشعور ہے ان کے دیکھنے کے وقت گہری سوچ میں نہ پڑ جائے اور ان عجیب وغریب جانوروں کے خالق کے سامنے سرِ تعظیم نہ جھکا دے۔

ان جانوروں میں پالتو جانور بھی ہیں جو انسان کی خدمت کیلئے ہمہ وقت کمر بستہ نظر آتے ہیں اور انسان کیلئے گونا گوں فوائد وبرکات کے حامل ہیں۔ایسے جانور زیادہ قابل توجہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اپنی توحیدی آیات میں ویسے تو کلی طور پر روئے زمین پر چلنے والی تمام مخلوق پر ،لیکن چوپایوں اور جانوروں پر خصوصی طور پر زور دیا ہے اور متعدد آیات میں ان کی محیر العقول زندگی کے مختلف گوشوں کو ذکر فرمایا ہے:اس مختصر سے اشارے کے ساتھ ہم مندرجہ ذیل آیات کو گوشِ جان سے سماعت کرتے ہیں:

۱۔۔۔وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝ (شوریٰ/۲۹)

۲۔۔۔اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَاۗبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (جاثیہ/۳۔۴)

۳۔۔۔اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ (غاشیہ۔۱۷)

۴۔۔۔وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَي الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

(مومنون۔۲۱۔۲۲)

۵۔۔۔وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ
وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ‏ ﴿۶۶﴾

(نحل۔۶۶)

۶۔۔۔وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ
بُيُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا يَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ وَيَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ‌ ۙ وَمِنۡ اَصۡوَافِهَا
وَاَوۡبَارِهَا وَاَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيۡنٍ‏ ﴿۸۰﴾

(نحل۔۸۰)

۷۔۔۔وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ‌ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى
اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ‏ ﴿۲۸﴾

(فاطر۔۲۸)

۸۔۔۔اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا
مٰلِكُوۡنَ‏ ﴿۷۱﴾
وَذَلَّـلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَمِنۡهَا يَاۡكُلُوۡنَ‏ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ
وَمَشَارِبُ‌ؕ اَفَلَا يَشۡكُرُوۡنَ‏ ﴿۷۳﴾

(یٰس۔۷۱ تا۷۳)

۹۔۔۔وَالَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا
تَرۡكَبُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۲﴾ لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ
عَلَيۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۳﴾

(زخرف۔۱۲۔۱۳)

۱۰۔۔۔اَللّٰهُ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡكَبُوۡا مِنۡهَا وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ‏ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمۡ
فِيۡهَا مَنَافِعُ وَلِتَبۡلُغُوۡا عَلَيۡهَا حَاجَةً فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡفُلۡكِ

تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ ٭ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنۡکِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾

(مؤمن۷۹ تا۸۱)[1]

## ترجمہ

۱......اوراس کی آیات میں سے ہے آسمانوں اورزمین کا پیدا کرنااوران جانداروں کا پیدا کرنا جواس نے زمین وآسمان میں پھیلا رکھے ہیں اور جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔

۲......اس میں شک نہیں کہ آسمانوں اورزمین میں اس کی ان لوگوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں جو اہل ایمان ہیں۔ اسی طرح تمہاری پیدائش میں بھی اوران چلنے والوں کی پیدائش میں بھی جو اس نے زمین پر پھیلا رکھے ہیں ان لوگوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔

۳......کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے؟

۴......اورتمہارے لئے چوپاؤں میں عبرت ہے،اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اس سے ہم تم کو(دودھ) پلاتے رہتے ہیں اور چوپایوں میں تمہارے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ ان کا گوشت تم کھاتے ہو،اوران پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو۔

۵......اور چوپایوں کے وجود میں بھی تمہارے لئے عبرت (کا درس) ہے کہ ان کے پیٹ میں سے ان کی ہضم شدہ غذا اورخون سے ہم تم کو خالص اورخوشگوار دودھ پلاتے ہیں۔

۶......اوراللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں (آرام اور) سکون کی جگہ قرار دی ہے اور چوپایوں کے چمڑے سے بھی تمہارے لئے گھر بنائے ہیں۔جنہیں تم اپنے کوچ اوراپنے قیام کے دن آسانی کے ساتھ جابجا کرتے رہتے ہو۔اوران چوپایوں کی اون،روؤں اور بالوں سے ایک خاص وقت تک کیلئے (تمہاری زندگی کے مختلف وسائل)اسباب اورکارآمد چیزیں بنائی ہیں۔

۷......اورانسانوں، چلنے والوں اور چوپایوں کی بھی طرح طرح کی رنگتیں پیدا کی ہیں۔(جی ہاں) حقیقت بھی

---

[1] اس بارے میں قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیات موجود ہیں جیسے شعراء۔۳۳،انعام۔۱۴۲،زمر۔۶اورزخرف۔۱۱

یہی ہے کہ خدا کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں خداوند عالم ہی غالب اور بخشنے والا ہے۔

۸......کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ ہم اپنی قدرت کے ساتھ عمل میں لائے ہیں؟ چوپایوں کو ان کیلئے پیدا کیا ہے کہ وہ ان کے مالک ہیں...... انہیں ان کیلئے مطیع بنا دیا ہے، ان میں سے کچھ تو ان کی سواریاں ہیں اور کچھ سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں......اور ان کیلئے ان میں بہت سے دوسرے فوائد بھی ہیں اور پینے کی خوشگوار چیزیں بھی، آیا پھر بھی وہ شکر بجا نہیں لاتے؟

۹......وہ وہی تو ہے جس نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کئے ہیں، اور تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں سے سواریاں بنائی ہیں، جن پر تم سواری کرتے ہو......تا کہ تم ان کی پشت پر اچھی طرح بیٹھ سکو۔ پھر جب تم ان پر اچھی طرح سوار ہو جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کرو، اور کہو پاک و منزہ ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے ورنہ ہم میں تو اس کی طاقت نہیں تھی۔

۱۰......خداوند عالم ہی تو ہے جس نے چوپایوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے تا کہ تم ان میں سے کچھ پر سواری کرو اور کچھ سے غذا حاصل کرو اور تمہارے لئے ان میں بہت سے اہم فوائد ہیں، مقصد یہ ہے کہ تم ان کے ذریعہ اپنی منزل مقصود تک جا پہنچو، اور ان پر اور کشتیوں پر سواری کرو......وہ ہمیشہ اپنی آیات تمہیں دکھاتا ہے، تم اس کی کس کس آیت کا انکار کرو گے؟

## الفاظ کے معانی اور تشریح

''دابۃ'' جیسا کہ ہم پہلے بیان چکے ہیں۔''دبیب'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں آہستہ اور نرمی سے چلنا۔ لیکن عام طور پر اس کا اطلاق تمام چلنے والوں پر ہوتا ہے یہ لفظ مذکر، مؤنث اور ان تمام چیزوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جو زمین پر چلتی ہیں حتیٰ کہ آسمان کے پرندوں پر بھی بولا جاتا ہے اس کی جمع ''دواب'' ہے جس کے معنیٰ ''چلنے والے'' ہیں۔

کبھی اس کا اطلاق ایک چیز کے دوسری چیز میں حلول کر جانے اور راسخ ہو جانے پر بھی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ''دب الشراب فی الجسم ودب السقم فی البدن''، یعنی مشروب جسم میں اور بیماری بدن میں رسوخ کر چکی ہے۔

یہ لفظ انسان پر بھی بولا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اس کے استعمال کے بہت سے مقامات اس مدعا کے شاہد ہیں[1]

---

[1] لسان العرب، مفردات راغب اور مجمع البحرین (مادہ دب)

''انعام''''نعم''(بروزن قلم) کی جمع ہے جو اصل میں ''نعمت'' سے لیا گیا ہے پھر اس کا اطلاق ''اونٹ'' پر ہونے لگا کیونکہ عربوں کے نزدیک اونٹ بہت بڑی نعمت تھا۔ دوسرے چوپایوں مثلاً گائے اور گوسفند پر بھی لفظ بولا جاتا ہے بشرطیکہ اونٹ بھی ان میں شامل ہو۔[1]

کچھ ارباب لغت نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ''نعم'' میں جمع کا معنی پایا جاتا ہے جس کا مفرد نہیں ہے اور ''انعام'' جمع الجمع ہے۔[2]

''ان منظور''، ''لسان العرب'' میں کہتے ہیں ''نعم'' اس جانور کو کہتے ہیں جو چرنے جاتا ہے پھر وہ بعض لوگوں سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''نعم'' خصوصی طور پر ''اونٹ'' کو کہا ہے اور بعض دوسرے لوگوں سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''نعم'' اونٹ اور گوسفند کو کہا جاتا ہے۔

''نعامة'' شترمرغ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم کے بڑا ہونے کی وجہ سے ''اونٹ'' سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے پھر اسی مناسبت سے پہاڑوں وغیرہ میں بنائے جانے والے سائبانوں اور راہ پیدا کرنے کیلئے نصب کئے جانے والے جھنڈوں کو بھی ''نعمامہ'' کہا جاتا ہے۔

بہرحال ''انعام'' پہلا معنی خواہ کچھ بھی ہوں، معمول کی بول چال میں ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو چرنے کو جاتے ہیں جیسے گائے بھیڑ بکری اور اونٹ وغیرہ۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## حیوانات کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

اس سلسلے کی پہلی اور دوسری آیت میں پہلے تو زمین وآسمان میں خداوند عالم کی نشانیوں انسان کی تخلیق اور زمین وآسمان میں چلنے والی تمام مخلوق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر فرماتا ہے ''خداوند عالم کی نشانیوں میں آسمان وزمین اور چلنے والی وہ چیزیں ہیں جنہیں اس نے پیدا کیا اور پھیلا دیا ہے'' (ومن اٰیاتہ خلق السمٰوت والارض ومابث فیھما من دآبةٍ)

''بث'' دراصل اس چیز کو کہتے ہیں جسے منتشر کیا جائے جیسا کہ ہوا مٹی کو منتشر کر دیتی ہے ان آیات میں اس کے معنی مختلف چیزوں کا ایجاد وخلق کرنا، آشکار کرنا اور مختلف مقامات پر انہیں پھیلانا ہے۔

بہرحال یہ تعبیر تمام چلنے والوں جانوروں اور انسانوں کو شامل ہے۔ خوردبین سے دیکھی جانے والی مخلوق جو ظریف اور مرموز حرکت

---

[1] مفردات راغب

[2] مجمع البحرین اور اقرب الموارد۔

کرتی ہے سے لے کر غول پیکر جانوروں تک اس میں شامل ہیں کہ جن کی لمبائی بیسیوں میٹر اور وزن سو ٹن سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔[1] بذالقیاس پرندوں کی مختلف قسمیں، گونا گوں حشرات کی لاکھوں قسمیں جنگلی اور پالتو جانوروں کی ہزار ہا قسمیں ،درندے، خزندے، چھوٹی اور بڑی مچھلیاں اور تمام دریائی مخلوق غرض دنیا کی ساری زندہ مخلوق اس میں شامل ہے۔

اگر ہم ''دابۃ'' کے مفہوم کی وسعت اور ہر قسم کی چلنے والی مخلوق کی تمام اقسام پر اس کے اطلاق کے بارے میں غور وفکر کریں تو عجائبات الٰہی اور اس کی قدرت نمائی کی ایک کائنات ہمارے سامنے مجسم ہو کر آجاتی ہے جن میں ہر ایک چیز بذاتِ خود خداوند عالم کے علم وقدرت سے آگاہ کرتی ہے۔

مختلف جانوروں کی ساخت اور ان کی زندگی کی خصوصیات کے بارے میں مختلف زبانوں میں ہزار ہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس بارے میں حد سے زیادہ فلمیں بھی تیار کی جا چکی ہیں، مختلف زبانوں میں اخبارات ومجلّات شائع کئے جا چکے ہیں اور کئے جا رہے ہیں کہ جن کا مطالعہ اور مشاہدہ انسان کو حیرت اور استعجاب کے سمندر میں غرق کر دیتا ہے۔ پھر یہ کہ ان چیزوں کی شناخت کیلئے دانشوروں کی طرف سے ہزار ہا سال سے جو کوشش کی جا رہی ہے اور کی جا چکی ہے ابھی تک ان کی زندگی کے ایک گوشے سے ہی پردہ اٹھایا جا چکا ہے۔ اور جوں جوں دن گزرتے جائیں گے نت نئے انکشافات سامنے آتے جائیں گے۔

بعض دانشوروں نے اپنی زندگی کے بیس سال صرف چیونٹیوں کی تحقیقات پر ہی صرف کر دے ہے، اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور تمام جانوروں پر اسی طریقے سے تحقیقات جاری رکھی گئی تو معلوم نہیں کہ انسانیت کی تمام عمر اسی پر صرف ہو جائے۔

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہم جو بات کر رہے ہیں۔ وہ سب اسی زمین پر رہنے والی مخلوق کے بارے میں ہے جب کہ ''فیھما'' (آسمان وزمین میں موجود) کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں میں بھی بہت سے چلنے والی مخلوق موجود ہے جو ہمارے دانشوروں کی دسترس سے مکمل طور پر خارج ہے، شاید ایک دن ایسا آجائے کہ انسان خلائی سفر کے ذریعہ دوسر کروں میں موجود دوسرے عجیب وغریب مخلوق تک رسائی حاصل کرے کہ آج جن کی صورت اور خصوصیات کا تصور بھی ہمارے لئے محال ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آسمان میں چلنے والی مخلوق سے مراد فرشتے ہیں۔ حالانکہ ''دابۃ'' کے لفظ کا فرشتے پر اطلاق نہیں ہوتا۔ بعض حضرات نے اس گمان کے تحت کہ آسمان میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور زندہ مخلوق نہیں ہے آیت کی کئی دوسری تفسیریں بیان کی ہیں جب کہ آج یہ بات ہم پر روشن ہو چکی ہے کہ زندہ مخلوق صرف ہماری ہی زمین پر نہیں ہے بلکہ سائنسدانوں کے بقول اس بیکراں فضا میں لاکھوں

---

[1] بعض غول پیکر مچھا ایسے بھی ہیں کہ جن کا وزن ایک سو بیس ٹن تک جا پہنچتا ہے۔ کتاب ''نظری بہ طبیعت واسرار آن'' کے مصنف ''پروفیسر لٹون برٹین'' کے مطابق وزن کی یہ مقدار پندرہ سو قوی ہیکل مردوں یا جو بیس بڑے ہاتھیوں کے وزن کے برابر ہے۔ موصوف نے اس کے اجزاء بدن کا بھی حساب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے دل کا وزن چھ سو کلو گرام خون کا وزن آٹھ ہزار کلو گرام پھیپھڑوں کا وزن ایک ٹن، پٹھوں کا وزن پچاس، چڑے، ہڈیوں معدے اور انتڑیوں کا وزن ساٹھ ٹن بنتا ہے۔ ص ۲۳۸

،کروڑوں کُرّے موجود ہیں جو مختلف قسم کی چلنے والی مخلوق اور جاندار چیزوں کیلئے سکونت اور رہائش کے قابل ہیں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ زندہ موجودات صرف اپنی ساخت اور زندگی کے مختلف اطوار کے لحاظ سے ہی آیات الٰہی میں شمار نہیں ہوتیں بلکہ اپنے گوناگوں اور مختلف فوائد و برکات کی وجہ سے بھی جو وہ عالم انسانیت کی خدمت کیلئے انجام دیتے ہیں، خدا کی آیات میں شمار ہوتے ہیں۔

اور اگر وہ یہ فرماتا ہے کہ ''یہ آیات ان لوگوں کیلئے ہیں جو اہل یقین ہیں'' تو اس سے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو حق کو قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں نہ کہ وہ جو ہٹ دھرم، منکر اور خود خواہ ہوتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی تیسری آیت میں جھڑک کر پوچھا جا رہا ہے ''کیا وہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے؟(افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت)

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد ہی آسمان کی تخلیق کی عظمت، پھر پہاڑوں اور بعد میں زمین کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ان امور کے ساتھ ہی اونٹ کا قرار پانا بذاتِ خود اس جانور کی عظمت کی دلیل ہے۔

اس حیوان کے حالات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں اور ان خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر یہ بات بخوبی روشن ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید نے اس موضوع کو زور دے کر کیوں بیان فرمایا ہے؟ چنانچہ اس کی خصوصیات میں سے کچھ کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔اونٹ کے اندر قوت مزاحمت بہت پائی جاتی ہے بڑی حد تک بھوک کو برداشت کر لیتا ہے اور پیاس جو بھوک سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے کو دس دن بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے تک برداشت کر سکتا ہے۔اسی لئے تو یہ خشک اور جھلسا دینے والے صحراؤں میں سفر کرنے کیلئے بہترین سواری ہے۔اس کی اس ادا کی وجہ سے ہی تو اسے ''ریگستان کا جہاز'' کہتے ہیں کیونکہ وہ غذائی مواد اور پانی کو اپنے اندر کافی عرصے کیلئے ذخیرہ کر لیتا ہے اور اسے خرچ کرنے میں کفایت شعاری سے کام لیتا ہے۔

۲۔وہ اپنی غذا کے حصول کیلئے کسی خاص قسم کی خوراک کا پابند نہیں ہے بلکہ عموماً جنگل میں اگنے والی ہر نباتات کو کھا لیتا ہے۔

۳۔اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ وہ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے صحراؤں میں، جن کی ریت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے بڑے آرام سے سفر جاری رکھ سکتا ہے وہ اپنے نتھنوں کو وقتی طور پر بند کر سکتا ہے، اپنے کانوں کو ریت اور دوسرے گرد و غبار سے بھی بچا سکتا ہے۔ اس کی آنکھ کی دوہری پلکیں ہوتی ہیں اور وہ ایسے مواقع پر ایک کو بند کر کے اس کے اندر سے دیکھتا رہتا ہے اور چلتا بھی رہتا ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ اونٹ آنکھیں بند کر کے چلتا ہے، اس سے مراد یہی چیز ہے، حتیٰ کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ تاریک راتوں میں بھی اپنی راہ بخوبی پا لیتا ہے۔

۴۔چوپایوں کی مختلف قسمیں ہیں۔بعض وہ ہیں جن سے گوشت حاصل کیا جاتا ہے، بعض وہ ہیں جو سواری کے کام آتے ہیں کچھ وہ ہیں جن سے صرف دودھ حاصل کیا جاتا ہے اور کچھ وہ ہیں جن سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہے۔لیکن اونٹ ان تمام چاروں صفات کا حامل

ہوتا ہے۔سواری اور بار برداری کا کام بھی دیتا ہے اور اس کے دودھ، گوشت پرست اور اون سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

۵۔اس جانور کے استثنائی عجائبات میں یہ بات ہے کہ دوسرے جانوروں پر اس وقت بوجھ لادتے ہیں جب وہ کھڑے ہوتے ہیں لیکن اس پر اس وقت بوجھ لادتے یا سوار ہوتے ہیں جب وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور پھر ایک ہی حرکت سے کھڑا ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں ایسی قدرت نہیں ہے۔

بعض دانشوروں نے لکھا ہے کہ اس کا سبب اس کی وہ عجیب وغریب طاقت ہے جو اس کی لمبی گردن میں چھپی ہوئی ہے اور ''فزکس'' کے قانون کے مطابق (جو ''ارشمیدس'' ARCHIMEDES کے ذریعہ دریافت ہوا) ''لیور'' LEVER کا کام دیتی ہے (کہا جاتا ہے کہ ارشمیدس کہا کرتے تھے کہ اگر کرۂ زمین کے باہر مجھے کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں میں ''لیور'' کو ٹیک سکوں، تو ایک عظیم لیور کے ذریعہ اس پورے کرۂ ارضی کو اپنی جگہ سے ہلا دوں! اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ لیور کے قانون کے مطابق لیور کی مدد سے تھوڑی دقوت لگا کر بھاری وزن آسانی کے ساتھ اٹھایا جاسکتا ہے جس میں لیور کے ایک سرے لیور پر قوت ہوتی ہے اور دوسرے سرے پر وزن ہوتا ہے) اس طرح سے اونٹ کی گردن لیور کی حیثیت پیدا کر لیتی ہے اور ایک سریع اور محکم حرکت سے اپنی پیٹھ پر لدے ہوئے بوجھ کو ہلکا بنا دیتی ہے۔ پھر اونٹ اپنے پچھلے پاؤں کو آزادانہ طور پر کھڑا کر دیتا ہے اور آسانی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔[1]

یہ اور دوسرے عجائبات اور خصوصیات اس بات کا سبب بن گئی ہیں کہ اسے خداوند بزرگ و برتر کی آیات میں سے ایک آیت کے طور پر یاد کیا جائے، نہ صرف اس لئے کہ اونٹ عربوں کی زندگی کا ایک اہم رکن تھا جب انہیں پہلی بار ان آیات میں مخاطب کیا گیا تھا۔

کس کی طاقت ہے کہ یہ سب عجائبات اور برکات اس مخلوق میں پیدا کرے اور پھر اسے اس انسان کا اس طرح مطیع اور فرمانبردار بنادے کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹوں کی قطار کی مہار تھام کر جہاں اس کا جی چاہے لئے پھرے، یہ بھی عجیب بات ہے کہ (حدی خوانی جیسی) موزوں آوازیں میں اس پر اثر کرتی ہیں اور اسے شوق وشغف کے ساتھ حرکت پر آمادہ کرتی ہیں۔

کیا یہ سب کچھ خالق کائنات کی عظمت اور قدرت کی نشانیاں نہیں ہیں؟ جی ہاں! بالکل ہیں!! لیکن ان لوگوں کیلئے جو بے اعتنائی کے ساتھ ان آیات کے پاس سے نہیں گزرتے۔ یقیناً ایسے لوگ ہی ان آیات کا ادراک کر سکتے ہیں (یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ''افلا ینظرون'' کا جملہ ''نظر'' کے مادہ سے ہے جس کے معنی دیکھنا اور نگاہ کرنا ہیں، لیکن عام اور معمولی آنکھوں سے نہیں بلکہ غور و فکر کے ساتھ دیکھنا مراد ہے۔ (غور کیجئے گا)

چوتھی اور پانچویں آیت میں انسان کیلئے چوپایوں کے مختلف فوائد کے ضمن میں ارشاد فرماتا ہے۔ تمہارے لئے چوپایوں میں زبردست عبرت ہے۔ (وان لکم فی الانعام لعبرۃ)

---

[1] کتاب اولین دانشگاہ، جلد ۶، ص ۳۲، میں اس مسئلہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے جب کہ دوسری کتابوں میں اس سے زیادہ وصاحت کے ساتھ اشارے موجود ہیں۔

یہاں پر ''عبرت''، ''نکرہ'' کی صورت میں ذکر ہوئی ہے جو اس کی زبردست اہمیت کی دلیل ہے۔ ''مفردات'' میں ''راغب'' کے بقول ''عبرت''، ''عَبر'' (بروزن ابر) کے معنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرنا اور عبور کرنا ہیں۔ چونکہ عبرت حاصل کرنے والا شخص کسی حالت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس سے ایک ایسی حقیقت کو پالیتا ہے جو قابل مشاہدہ نہیں ہے اسے عبرت کہتے ہیں۔

بنابریں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم چوپایوں کے اسرار وعجائب کو دیکھ کر خداوند بزرگ و برتر کی عظمت وعلم اور آفرینش کے مبدء بزرگ کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہو۔

پھر قرآن مجید نے اس بات کی تشریح کرتے ہوئے چوپایوں کے چار اہم فوائد کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرماتا ہے: ''ہم اس سے جو کچھ کہ ان کے اندر ہے تمہیں سیراب کرتے ہیں (نسقیکم مّمّا فی نطونها)

دودھ جو خوشگوار مادہ ومشروب بھی ہے اور طاقت ور اور مکمل غذا بھی ان جانوروں کے اندر سے اور ان کے خون اور گوشت کے درمیان سے باہر آتا ہے یہی بات مزید تاکید کے ساتھ پانچویں آیت میں بیان ہوئی ہے۔ فرماتا ہے: ہم جانوروں کے شکم ہضم شدہ غذاؤں اور خون کے درمیان سے خالص اور خوشگوار دودھ تمہیں پلاتے ہیں (نسقیکم مما فی بطونه من بین فرثٍ ودم لبناً خالصًا سابغا للشر بین)[1]

یہ کون سی قدرت ہے جو اس قدر آلودہ چیزوں کے درمیان سے اس حد تک پاک و پاکیز، خالص اور لذیذ غذا باہر نکالتی ہے جس کا رنگ سفید، ذائقہ شیریں بو معطر اور ہر لحاظ سے خوشگوار ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ دانشوروں کے بقول جانور کے پستانوں میں ایک لیٹر دودھ بننے کیلئے اس عضو سے قریباً پانچ سو لیٹر خون کو گذرنا چاہیے تاکہ اس خون سے ایک لیٹر دودھ کیلئے ضروری مواد حاصل کیا جاسکے اور رگوں میں ایک لیٹر خون بننے کیلئے زیادہ مقدر میں مواد کو انتڑیوں میں سے گذرنا چاہیے تب کہیں جا کر اس مقدار میں دودھ حاصل ہوگا، یہیں سے ''من بین فرثٍ ودم'' کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔

دودھ کی ترکیب، پستانوں میں اس کی پیدائش کی کیفیت، حیاتی مواد اور اس میں موجود حیاتین، طاقت بخشنے والے خواص اور دودھ سے بننے والی دوسری مختلف چیزیں، اس کا ہرسن وسال کے لوگوں کیلئے مفید ہونا وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ کہا جاچکا ہے کہ اگر ان سب کو

---

[1] ''فرث'' کے معنی ہضم شدہ غذا، ''دم کے معنی خون اور سائغ کے معنی خوشگوار ہیں، وہی چیز جو آسانی کے ساتھ خلق سے گزر کر بڑے آرام سے ہضم ہوجاتی ہے، بات یہ قابل توجہ ہے کہ سورہ مومنون کی آیت میں بطونہا مونث کی ضمیر کے ساتھ ذکر ہوا ہے جو ایسے مقامات پر جمع کے معنی کا حامل ہے۔ اور سورہ نحل میں۔ بطونہ مذکر کی ضمیر کے ساتھ ذکر ہوا ہے جن میں مفرد کے معنی ہوتے ہیں بعض مفسرین کہتے ہیں پس ''انعام'' اسم جمع ہے لہٰذا اگر ظاہر کو دیکھا جائے تو مفرد کی ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے اگر معنی کو ملاحظہ کیا جائے تو جمع کی ضمیر اور بعض کہتے ہیں کہ مفرد کی ضمیر جمع کے مفہوم کی وجہ سے ہے اور مونث کی ضمیر جماعۃ کے مفہوم کی خاطر ہے (دیکھئے تفسیر کشاف، تفسیر فخر رازی، تفسیر وح المعانی اور تفسیر ابوالفتوح رازی)

اکٹھا کیا جائے تو ایک اہم کتاب بن جائے لیکن ہم تفسیر کی اصل بحث سے خارج ہو جائیں گے البتہ ہم یہاں پر حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مختصر لیکن جامع حدیث کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا اکل احدکم طعامًا فلیقل اللّٰھم بارك لنافیه واطعمنا خیرًا منه ،واذا شرب لبنًافلیقل اللّٰھم بارك لنافیه وزدنامنه ،فانی لااعلم شیئا انفع فی الطعام والشراب منه

جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو کہے: اے اللہ! تو ہمارے لئے اس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر روزی عنایت فرما!! لیکن جب دودھ پیئے تو کہے: خداوندا! تو ہمیں اس میں برکت دے اور زیادہ عطا فرما! کیونکہ میں کھانے اور پینے کی چیزوں میں سے دودھ سے بڑھ کر کوئی اور چیز مفید نہیں سمجھتا۔ [1]

پھر چوپایوں کے دوسرے فائدوں کو بیان کرتے ہوئے ایک مختصر اور سربستہ جملہ ارشاد فرماتا ہے: اس میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں۔ (ولکم فیھا منافع کثیرۃٌ)

ممکن ہے یہ تعبیر جانوروں کی اون، پشم اور بالوں کی طرف اشارہ ہو، جس سے مختلف قسم کے لباس، پوشاک اور نیچے بچھانے کیلئے چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی ان کے چمڑے، رودے، کھل، میشے، ہڈیوں اور سینگوں کی طرف بھی اشارہ ہو جن سے زندگی کی مختلف چیزیں تیار کی جاتی ہیں، حتیٰ کہ ان کا گوبر بھی درختوں کی پرورش اور زراعت ونباتات کی تقویت کیلئے مفید ہوتا ہے۔

تیسرے مرحلہ پر ایک اور فائدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''اور تم ان سے کھاتے ہو'' (ومنھا تاکلون)

کچھ غذا شناس گوشت کے نقصانات کو بیان کرتے ہیں اور گوشت خوروں کیلئے گوشت کے طبی، اخلاقی اور دوسرے نقصانات بتاتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں کو نظر یہ ہے کہ تھوڑی مقدار میں گوشت کا استعمال نہ صرف مضر ہی نہیں بلکہ انسانی جسم کیلئے ضروری بھی ہے سبزی خوروں کے بارے میں تجربہ شاہد ہے کہ وہ کئی قسم کے اختلالات کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں بہت سی چیزوں کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ان کے چہروں کا اڑا اڑا رنگ اس کمی کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ گوشت اور پروٹین میں ایسے حیاتیاتی اجزا پائے جاتے ہیں جو کسی بھی سبزی یا دوسری نباتات میں نہیں پائے جاتے۔ قرآن مجید کا اس مسئلے کو اہمیت دینا بھی اسی بات کی دلیل ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ بے تحاشا گوشت خوری السلام کی نظر میں مذموم ہے اور موجود طب کی نظر میں بھی۔

اس آیت کے چوتھے اور آخری حصے میں چوپویاں اور دوسری چیزوں پر سواری کے طور پر استفادہ کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ تم ان پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو۔ (وعلیھا وعلی الفلك تحملون)

---

[1] تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۴۸

یہ جانور، ہمیشہ، بار برداری اور سواری کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں، حتیٰ کہ دورِ حاضر میں بھی جو کہ موٹر کاروں اور دوسری مشینی سواریوں کا دور ہے انسان سواری اور بار برادری کیلئے ایسے جانوروں کے وجود سے بے نیاز نہیں ہے۔ خاص کر بعض کوہستانی علاقوں اور ان راستوں میں جہاں جدید وسیلہ نقلیہ (ٹرانسپورٹ) سے استفادہ ناممکن ہوتا ہے، حمل ونقل کیلئے بھی خچروں اور ٹٹوؤں جیسے طاقت ور جانوروں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور ان کے بغیر جنگی اہمیت کی چوٹیوں پر تسلط حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس طرح خداوند عالم نے ان جانوروں میں سے بہت سے فوائد پیدا کئے ہیں اور اپنی عظمت اور لطف وکرم کے آثار انسانوں کیلئے ظاہر فرمائے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آیت کے اس حصے میں چوپایوں کو کشتیوں کے شابہ بشانہ ذکر فرمایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جانور ''بری کشتیاں'' ہیں۔[1]

چھٹی آیت میں خداوند عالم کے تعارف کے طور پر یا ان نعمتوں کی صورت میں جو انسان کو اس کی معرفت کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہیں۔ جانوروں کے چمڑے اور پشم کے کچھ فوائد کا ذکر فرمایا گیا ہے جو انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''خداوند عالم نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون وآرام کی جگہ بنایا ہے۔ (**واللہ جعل لکم من بیوتکم سکناً**)

پھر فرماتا ہے ''اور تمہارے لئے چوپایوں کے چمڑے سے گھر بنائے ہیں جو بہت ہی ہلکے اور کم وزن ہوتے ہیں جنہیں تم کوچ کرنے کے دن اور قیام کرنے کے دن آسانی کے ساتھ جابجا کرتے ہو۔'' (**وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ**)

ثابت اور مستقل گھر ہمیشہ کیلئے انسانی ضروریات کو پورا نہیں کرے۔ بہت سے موقعوں پر انسان کو چلتے پھرتے اور متحرک گھروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جنہیں وہ آسانی کے ساتھ اِدھر اُدھر منتقل کر سکے اور وہ سردی، گرمی، ہواؤں اور طوفانوں کا مقابلہ بھی کر سکیں۔ ایسے چلتے پھرتے گھروں کی ایک قسم وہ خیمے ہوتے ہیں جو چمڑے سے بنائے جاتے ہیں جن کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ کیا گیا ہے، اور وہ اون یا کپاس سے بنے ہوئے خیموں سے بدرجہا بہتر، پائیدار اور آرام دہ ہوتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ان کے ایک اور اہم فائدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''ان کی پشم، اون اور بالوں سے تمہارے لئے ایک خاص مقرر وقت تک زندگی کا اثاثہ اور مال ومتاع قرار دیا ہے۔'' (**وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا**

[1] اس طرح کی بات سورہ نحل کی پانچویں تا آٹھویں آیت میں بھی آچکی ہے جس میں چوپایوں کے مختلف فوائد کو بتایا گیا ہے۔

وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ﴿۸۰﴾)[۱]

البتہ ہم جانتے ہیں کہ بھیڑ کے بالوں کو پشم اور اون اونٹ کے بالوں کی جت یا مَلَس اور بکری کے بالوں کو اون یا بال کہتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تینوں مادے مختلف قسم کے لباس، فرش، پوشاک، پردے، خیمے دسترخوان اور رسیاں تیار کرنے میں بہت ہی اہم حیثیت کے حامل ہوتے ہیں اور انسانی زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

اگر چہ آج صنعتی اور کیمیادی اجزاء سے لباس اور فرش کی مختلف قسمیں تیار کی جا رہی ہیں لیکن سائنسدانوں کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ انسانی زندگی کی حفظان صحت کے اصولوں کے مخالف ہیں، جس سے انسان کی صحت و سلامتی پر بُرا اثر پڑ رہا ہے، جب کہ ریشمی اور اونی لباس سالم ترین لباس سمجھے جاتے ہیں۔

''اِلٰی حِیۡنٍ'' کی تعبیر کو بعض لوگوں نے ان وسائل کی پائیداری کی مقررہ مدت مراد لیا ہے کچھ دوسرے لوگوں نے اسے اس بات کی طرف اشارہ سمجھا ہے کہ یہ سب وسائل فانی ہیں، لہٰذا ان سے دل نہیں لگانا چاہیے اور یہی معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

ساتویں آیت میں جو کہ سورہ فاطر کی توحیدی آیات کے ضمن میں ذکر ہوئی ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ انسانوں، چوپایوں اور زمین پر چلنے والی دوسری مخلوق کی طرف مبذول کراتے ہوئے فرماتا ہے: جیسا کہ خداوند عالم نے میووں اور پہاڑوں میں سے مختلف رنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں ''اسی طرح اس نے انسانوں، زمین پر چلنے والی دوسری مخلوق اور چوپایوں سے بھی ایسی مخلوق پیدا کی ہے جس کے مختلف رنگ ہیں'' (وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ)[۲]

یعنی جیسا کہ خداوند عالم نے مختلف قسم کے پھلوں کو مختلف رنگوں میں پیدا کیا ہے اور پہاڑوں کے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اسی طرح جاندار مخلوق میں خواہ وہ انسان ہوں یا چوپائے اور دوسری چلنے والی مخلوق کو بھی مختلف رنگوں کے معنی میں لیا ہے۔[۳] لیکن ظاہر یہ

---

[۱] ''بیوت''، ''بیت'' کی جمع ہے جس کے معنی کمرہ یا گھر یا انسان کے رات بسر کرنے کی جگہ ہیں اور ''بیتوته'' کا لفظ بھی اسی سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ''رات گزارنا''۔ ''ضعن'' کا معنی ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ کی طرف منتقل ہونا اور کوچ کرنا ہے۔ ''اصواف'' ''صوف'' کی جمع ہے جس کے معنی اون ہیں۔ ''اوبار''، ''وبر'' کی جمع ہے جس کے معنی ''جت'' ہیں، ''اشعار''، ''شعر'' کی جمع ہے جس کے معنی ''بال'' ہیں۔ ''اثاث''، ''اث'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کثرت اور ایک دوسرے میں لپٹنا۔ یہ لفظ گھر کے مال واسباب پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ کثیر مقدار میں ہوتا ہے۔ بعض نے اسے لباس، پوشاک اور لحاف کے معنی میں لیا ہے جب کہ بعض دوسرے مفسرین نے اسے اوڑھنے بچھونے کے سامان کے معنی میں لیا ہے۔ جب کہ دوسرے بعض نے اسے ایسے مال و متاع کے معنی میں لیا ہے جو انسان کی زندگی میں اس کے کام آتا ہے۔

[۲] ''وَمِنَ النَّاسِ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے اور تقدیری طور پر یوں ہے۔ ''ماهو مختلف الوانه'' اور ''كذالك'' مختلف اور رنگ برنگے پھل میووں اور مختلف قسم کے پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کا سابقہ آیت میں ذکر ہوا ہے۔

[۳] تفسیر المیز ان، ابوالفتوح رازی، فی ظلال القرآن اور تفسیر قرطبی وغیرہ

ہے کہ مذکورہ تعبیر کا مفہوم اس سے بھی وسیع تر ہے اور یہ انسانوں، زمین پر چلنے والوں اور چوپایوں کی مختلف انواع واقسام کی طرف اشارہ ہے جو تخلیق کائنات کے اہم ترین عجائبات میں شمار ہوتی ہیں۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آج زمین پر چلنے والے اور چوپایوں کی لاکھوں قسمیں اس دنیا میں موجود ہیں، بلکہ بعض دانشوروں نے تو ان کی انواع واقسام پندرہ لاکھ سے بھی زیادہ بیان کی ہیں اور یہ عجیب قسم کا تنوع، اپنی ان خصوصیات کے ساتھ، جو اس میں پائی جاتی ہیں، آیات حق کی ایک آیت اور خالق کی قدرت اور علم کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اس ماہر نقاش نے ایک قلم اور ایک قسم کے رنگ کے ساتھ بے شمار نقوش اور رنگ برنگے نمونے ایجاد فرمائے ہیں، جن میں سے ہر ایک اس کی صنعتِ تخلیق کا ایک شاہکار ہے۔

ہاں البتہ یہ صرف علماء اور دانشور ہی ہیں جو دل کی آنکھیں کھول کر جانِ جہان کو اس صفحہ ہستی پر دیکھتے ہیں اور ''جو دکھائی نہ دینے والی چیز ہے اسے بھی دیکھتے ہیں'' اسی لئے تو اسی آیت کے ذیل میں فرماتا ہے: ''خداوند عالم کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں اور خدا عزیز اور غفور ہے۔(اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝۲۸ )

مخلوق کے مختلف ظاہری رنگ سطحی قسم کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، لیکن باطنی رنگ اور ان کی مختلف قسم کی تخلیق اہل دل اور معنویت پر کھنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔

پھولوں کے ظاہری رنگ حشرات اور شہد کی مکھیوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ وہ باروری کے معاملہ میں ان کی امداد کریں نیز نر اور مادہ کو (خصوصاً پرندوں کے درمیان) ایک دوسرے کی طرف کھینچتے ہیں۔ لیکن باطنی رنگ اور ان کی مختلف قسم کی ساخت علماء اور صاحبانِ فکر ونظر کو ہی اپنی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ وہ اپنے غور وفکر کو توحید کے بیج کے ذریعہ بارور کریں۔

''خَشْيت'' کے معنی ''تعظیم پر مبنی خوف ہیں جو علم اور آگاہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، یہ درحقیقت ''ڈر'' اور ''امید'' کا مجموعہ ہوتا ہے اسی لئے خداوند عالم نے فوراً ہی اپنی دو صفات بیان فرمائی ہیں۔ ایک ''عزیز'' اور دوسری ''غفور'' (یعنی غالب اور مہربان) پہلی صفت سے ڈر پیدا ہوتا ہے اور دوسری سے امید لگتی ہے۔ اس طرح آیت درحقیقت علت اور معلول سے مرکب ہے۔

ضمنی طور پر ''انعام'' (چوپائے) کا ذکر ''دواب'' (زمین پر چلنے والے) کے ذکر کے بعد، عام کے بعد خاص کے ذکر کی قسم سے ہے۔ اس کی وجہ وہ اہمیت ہے جو وہ انسانی زندگی کیلئے رکھتے ہیں۔

آٹھویں آیت میں ایک توبیخ آمیز استفہام کے ساتھ ان کفار ومشرکین کی سرزنش کرتا ہے جو راہِ راست کو کھو کر اور خالقِ کائنات کو چھوڑ کر بتوں کی چوکھٹ پر جبہ سائی کئے ہوئے ہیں۔ فرماتا ہے'' کیا انہوں نے نہیں دیکھا ہم نے جو کچھ اپنی قدرت سے پیدا کیا؟ چوپائے ان کیلئے بنائے جن کے وہ مالک ہیں۔(اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝۷۱ )

''لهم '' (ان کیلئے) کی تعبیر کا مفہوم نہایت ہی وسیع ہے جو ان چوپایوں کے تمام اجزاء کے گوناگوں منافع کو شامل ہے، پس اس کا لطف وکرم تو دیکھئے کہ ''خالق'' وہ ہو اور ''مالک'' دوسرے!!

پھر چوپایوں کے بارے میں ایک تازہ نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے'' ہم نے انہیں ان لوگوں کے لئے رام کر دیا اور مطیع بنا دیا ہے اس طرح کہ ان کی سواری بھی انہی میں سے ہے اور ان کا غذا پانا بھی۔ نیز دوسرے مفادات اور پی جانے والی چیزیں بھی''(وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ۝۷۲ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ)

اور آخر میں فرماتا ہے ان تمام نعمتوں کے باوجود بھی جو خدا نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ اس کا شکر بجا نہیں لاتے اور اس کی پاک ذات کی معرفت حاصل نہیں کرتے؟ (اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ۝۷۳)

ہوسکتا ہے کہ''مما عملت ایدینا'' کی تعبیر زندگی اور موت کے پیچیدہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہو، جس کا معمہ ابھی تک انسان کیلئے حل نہیں ہو پایا اور صرف اس کی بے انتہا قدرت کے سات ہی اس کا تعلق ہے۔

''مشارف'' (پی جانے والی چیزوں) کا ذکر''منافع'' کے ذکر کے بعد خاص کا ذکر عام کے بعد کی قسم سے ہے جو اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی بتا دیں کہ''مشارب''،''مشرب'' کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں۔''پینے کی چیز'' (کیونکہ یہ مصدر میمی ہے جو کہ اسم مفعول کے معنی میں ہے)۔ ممکن ہے کہ یہ چوپایوں کے دودھ کی مختلف قسموں کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں خصوصی اثرات اور خصوصیات ہوتی ہیں، یا پھر دودھ کی مختلف مصنوعات کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ ان سب مصنوعات کا سرچشمہ دودھ ہی ہوتا ہے۔''مشارب'' کا لفظ ان سب پر بولا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دورِ حاضر میں بھی انسانی غذا کا اہم حصہ دودھ اور اس کی مصنوعات پر مشتمل ہے [1]

''وَذَلَّلْنٰهَا'' (ہم نے ان چوپایوں کو انسان کیلئے رام اور ذلیل کر دیا ہے) کے بارے میں دلچسپ بحث ہے جو انشاء اللہ ''وضاحتوں'' کے حصے میں بیان ہوگی۔

نویں آیت بھی خدا شناسی اور توحید کی آیات کی سلک میں منسلک ہے کیونکہ اس سے پہلی آیات میں فرماتا ہے''اگر تم ان سے سوال کرو کہ زمین و آسمانوں کا خالق کون ہے تو وہ کہیں گے ان کا خالق خداوند قادرِ ودانا ہے'' پھر قادر ودانا خدا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے'' وہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ فرمایا'' پھر زیر بحث آیات میں فرماتا ہے'' وہ وہی ہے جس نے تمام چیزوں کو جوڑا جوڑا بنایا'' (وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر''ازواج'' سے مراد جانوروں کے نر اور مادہ جوڑے ہیں، خصوصاً جب اس کے آگے فرماتا ہے ''اور خداوند عالم نے تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں کو تمہاری سواری کا وسیلہ قرار دیا ہے (کشتی پانی میں اور چوپائے خشکی میں (وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ۝۱۲)

---

[1] بعض مفسرین نے''مشارب'' کو ان مختلف ظروف کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو جانوروں کی کھال سے بنائے جاتے ہیں، جیسے مختلف قسم کی مشکیں اور دوسرے برتن۔ لیکن یہ تفسیر بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ موضوع بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے کہ منافع کے ذکر کے بعد اسے اس زور شور سے بیان کیا جائے

اس طرح ''ازواج'' کے بعد ''انعام'' کا ذکر، خاص کا ذکر، عام کے بعد کی قسم سے ہے۔

لیکن کچھ مفسرین کا عقید ہے کہ یہاں ''ازواج'' کا لفظ دنیا کی مختلف قسموں کی طرف اشارہ ہے، خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات اور جمادات، کیونکہ ہر جنس کا اپنا ایک مخالف ہوتا ہے۔ حیوانات اور نباتات میں نر اور مادہ اور ان کے علاوہ نور اور ظلمت، آسمان اور زمین، سورج اور چاند، خشک اور تر، حتیٰ کہ خود انسانی افکار کے اندر بھی یہ جوڑے موجود ہیں، جیسے خیر اور شر، کفر اور ایمان، تقویٰ اور فجور وغیرہ۔ اس کائنات میں صرف ایک وجود ایسا ہے جس میں دوگانگی نہیں اور وہ ہر نظر اور ہر لحاظ سے یکتا اور یگانہ ہے وہ ذاتِ خداوند ذوالجلال ہے۔ لیکن قرینہ کے لحاظ سے پہلی تفسیر زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال اس آیت میں جوڑوں کی تخلیق ایک طرف اور سواری کیلئے چوپایوں کی آفرینش دوسری طرف، خداوند عالم کی نشانیوں کے طور پر انہیں ذکر کیا گیا ہے۔

زندہ موجودات اور حیوانات پر تولیدِ نسل اور تولیدِ مثل کا جو جچا تلا نظام حکم فرما ہے وہ نہایت ہی پیچیدہ اور عجیب و غریب نظام ہے۔ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے رحم مادر میں جنین مذکر یا مونث بنتا ہے وہ کون سے ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے نر اور مادہ کی جنس میں توازن برقرار ہے؟ کون سی ایسی وجوہات ہیں جو انہیں ایک دوسرے کی طرف کھینچ لاتی ہیں تاکہ اس طرح سے باروری کے مقدمات حاصل ہوں؟ کون سے عوامل ہیں جو جنین کی نشیب و فراز بھری زندگی کے دوران اسے ہدایت اور ارتقاء عطا کرتے ہیں؟

اگر ہم اچھی طرح غور و فکر سے کام لیں تو ہر ہر قدم پر ہمیں خداوند عالم کی عظیم آیات نظر آئیں گی۔ اسی طرح سواری کے مطیع ہونے کے سلسلے میں بھی یہی کیا جا سکتا ہے۔

پھر ان طاقت ور اور قوی پیکر جانوروں کو انسان کیلئے مسخر کرنے کی بات کرتے ہوئے فرماتا ہے، ''مقصد یہ ہے کہ تم آسانی کے ساتھ ان چوپایوں کی پشت پر سواری کرو، پھر اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کر کے کہو: پاک اور منزہ ہے وہ خدا جس نے ان کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے وگرنہ ہم میں تو اس کی طاقت نہیں تھی۔ (لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ﴿۱۳﴾)

یہ ٹھیک ہے کہ ہم روزمرہ کی عادت کے پیش نظر اس بات کو معمول سمجھتے ہیں کیونکہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ اونٹوں اور گھوڑوں، بلکہ ان سے بڑے بڑے جانوروں مثلاً ہاتھیوں کے قافلے ہمارے سامنے سے گذرتے ہیں۔ جو ایک کمزور سے بچے کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو ان کی ایک ایک قطار کی مہار ایک بچہ اپنے ہاتھ میں تھام کر انہیں جدھر چاہے لے جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر ان جانوروں میں تھوڑی سی بھی سرکشی اور غصے کی حالت ہوتی تو کبھی بھی ان پر سواری نہ کی جا سکتی، بلکہ انسانی ماحول میں ان کی نگہداشت خطرناک کام ہوتی۔

ہم ایک غصیلے شکاری باز کو، یا ایک غصیلی بلی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے چہ جائیکہ ان طاقت ور اور عظیم الجثہ جانوروں کو، جن میں سے بعض کے سینگ ہیں تو بعض کے تیز دانت اور طاقت ور جبڑے، اور کچھ کے لات مارنے کیلئے بڑے اور مضبوط پاؤں۔ اگر یہ رام اور مطیع نہ ہوں

توکس طرح ہم ان کی حفاظت کر سکتے ہیں یا ان پر سوار ہو سکتے ہیں؟ یقیناً اگر خدا کی طرف سے وہ ہمارے لئے مسخر نہ ہوتے تو ''ہم کبھی بھی ان سے استفادے کی قدرت نہ رکھتے۔(وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ﴿۱۳﴾)[1]

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ چوپایوں کی پشت اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ ہر لحاظ سے انسان کی سواری کیلئے مناسب اور موزوں ہوتی ہے۔

یہ بات لائق توجہ ہے کہ پہلا مقصدان سواریوں پر سوار ہونا بیان فرمایا ہے، درمیانی مقصد پروردگار کی نعمتوں کی یادآوری ہے اور آخری مقصداس کی پاک ذات کی معرفت اور تسبیح وتقدیس بتایا ہے۔ ہمیشہ نعمتوں کی طرف توجہ انسان کو منعم کی طرف لے جاتی ہے۔ لہٰذا سب عطائیں اور بخششیں معفرت خداوندی کا ذریعہ اوراس کی پہچان کا مقدمہ ہیں۔

یہی چیز اسی سلسلے کی دسویں اوآخری آیت میں دوسرے منافع کے ساتھ ذکر ہوئی ہے درحقیقت اس آیت میں جانوروں میں موجود پانچ عمدہ فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اورانہیں خدائی آیات میں شمار کیا گیا ہے۔

پہلے فرماتا ہے ''خداوند عالم وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں تاکہ تم بعض چوپایوں پر سواری کرسکو'' (اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا)''اور بعض سے غذا حاصل کرو''(وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴿۷۹﴾)

میں مختلف فوائد مثلاً دودھ، اون، چمڑا اور ادویات کے موادوغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجموعی طور پر فرماتا ہے: ''اور تمہارے لئے ان میں بہت اہم فوائد ہیں(ولَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ)

(منافع کا لفظ نکرہ کی صورت میں بیان ہوا ہے تا کہ وہ ان فوائد کی اہمیت پر دلالت کرے)

چوتھے مرحلہ پر فرماتا ہے: ''مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ تم اس منزل تک جا پہنچو جہاں تمہارا دل چاہتا ہے۔(وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ)

اس چیز کو مستقل فائدے کے طور پر بیان کرنا...... باوجودیکہ سواری کی بات کہیے ہو چکی ہے ...... شاید اس لئے ہے کہ اس سے مراد سامان اور دیگر ضروریات زندگی کی حمل ونقل ہے جیسا کہ سورہ نحل کی چھٹی آیت میں بھی اسی چیز کی طرف اشارہ موجود ہے، یا پھر تفریحی، سیاحتی مقابلہ بازی کا مقصد مراد ہے، یا میدانِ جہاد میں حصول قدرت مراد ہے یا وحشی جانوروں کے ساتھ نبرد آزمائی مقصد ہے، یا پھر جانوروں کا پیرا کی کے ذریعہ دریاؤں اور نہروں کو پار کرنا مراد ہے، کیونکہ یہ سب کچھ سفر میں سواری کے علاوہ دوسری ضروریات کے زمرے میں آتا ہے۔

پانچویں اور آخری فائدے کے بارے میں فرماتا ہے ''اور ان پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو۔(وَعَلَيْهَا وَعَلَى

[1] ''ظہورہ''، ''علیہ'' اور ''لہ'' میں مفرد کی ضمیریں ''انعام'' کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ کیونکہ جیسے ہم بیان کر چکے ہیں ''انعام'' کے جمع کے معنی ہیں۔ لیکن لفظی طور پر یہ مفرد ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ ضمیریں ''ما ترکبون'' میں موجود ''ما'' کی طرف اشارہ کررہی ہیں ایسی صورت میں چوپایوں اور کشتیوں کو بھی شامل ہوں گی، نیز ''مقرنین''، ''اقران'' کے مادہ سے ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز پر قدرت رکھنا اور بعض نے اس کی حفاظت کے معنی میں تفسیر کی ہے۔

الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ)

''حَمل'' کا مفہوم ''رکوب'' (سوار ہونے) کے مفہوم سے مختلف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ محمل اور کجاوے ہیں جو پہلے زمانے میں چوپایوں پر رکھے جاتے تھے جہاں ان عورتوں اور بچوں کو ان میں بٹھایا جاتا تھا جن میں سوار ہونے کی طاقت نہیں ہوتی تھی اسی طرح بیماروں، بوڑھوں اور کمزور اور ناتواں لوگوں کیلئے ان سے استفادہ کیا جاتا تھا۔

''تُحْمَلُوْنَ'' (تم اٹھائے جاتے ہو) کے جملے کا ذکر فعل مجہول کی صورت میں اور اسے کشتیوں کے ساتھ ساتھ بیان کرنے سے ان کی آپس میں شباہت کا مفہوم ملتا ہے (کشتی تو پانی میں اور چوپائے خشکی میں) مندرجہ بالا تفسیر پر دوسرے قرینے ہیں۔ اس طرح ان تین جملوں (لِتَرْكَبُوْا ......وَلِتَبْلُغُوْا......وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ) کا فرق واضح ہوجاتا ہے، ہرچند کہ کچھ مفسرین ان کی تفسیر میں مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں اور بعض لوگوں نے ان سے کی ایک ہی معنی سے تفسیر کی ہے۔

اگرچہ بہت سے مفسرین اس بات کے معتقد ہیں کہ اس آیت میں انعام کے معنی صرف اونٹ ہیں، لیکن ''انعام'' کے مفہوم کی وسعت اور آیت میں کسی قسم کی قید کا نہ ہونا اور پھر اسے محدود کردینے پر کوئی دلیل نہیں ملتی خاص کر جب کہ ''منھا'' کا تکرار (ایسے مقامات پر ''من'' بعض کے معنی میں ہے) یہ واضح کرتا ہے کہ بعض چوپائے صرف سواری کا کام دیتے ہیں بعض سے غذا کا کام لیا جاتا ہے۔ اگر اونٹ مراد ہوتا تو ان سب کے کام آتا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ بعد کی آیت میں ایک کلی نتیجے کے طور پر فرماتا ہے: ''خداوند عالم ہمیشہ اپنی آیات تمہیں دکھاتا ہے۔ پس تم اس کی کون کون سی آیات کا انکار کروگے؟ (وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان امور میں سے ہر ایک امر علماء اور دانشوروں کے لئے خداوند عالم کی آیات میں سے ایک آیت ہے، ایسی آیت جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو لوگ اس کے منکر ہیں، وہ ہر قسم کی ملامت اور سرزنش کے مستحق ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی آیات کی اس قسم میں یعنی حیوانات میں، خصوصاً چوپایوں کی دنیا میں، ہر ہر قدم پر اس کی آیات میں سے ایک ایک آیت اور اس کے علم وقدرت، حکمت، لطف وکرم اور عنایت ومہربانی کی نشانیوں میں سے ایک ایک نشانی ملتی ہے اور ان میں سے ہر ایک قسم اپنی زبان بے زبانی سے ہمیں توحید اور خداشناسی کا درس دے رہی ہے اور ہماری شکر گزاری کی حس کو بیدار کررہی ہے اور یہی شکر گزاری ہمیں اس کی معرفت کی دعوت دیتی ہے۔

# چند ضروری وضاحتیں

## حیوانی دنیا کے عجائبات

آفرینش اور تخلیق کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جس کے ہر ہر جملہ بلکہ ہر ہر کلمہ اور ہر ہر حرف میں کئی کئی نکتے مخفی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے مطالعہ سے انسان نہ تو تھکتا ہے اور نہ ہی اسے اس میں کوئی تکراری پہلو ملتا ہے اگر وہ اس عظیم کتاب کے صرف ایک جملے کا سو بار بھی مطالعہ کرے تو اسے ہر بار یقیناً ایک تازہ مفہوم ملے گا اور نت نئے اسرار اس پر منکشف ہوں گے۔

''حیوانات اور چوپایوں کی دنیا'' جو اس عظیم کتاب کا ایک حصہ ہے وہ بھی ان عجائبات و اسرار سے بھرپور ہے۔ اس جگہ ہم ان عجائبات کے صرف ایک حصے کو بیان کرنے پر قناعت کرتے ہیں۔ اس کی مزید تشریح کیلئے ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اس بارے میں لکھی جا چکی ہیں۔

## ا۔ حیوانوں کا رام اور مطیع ہونا

حیوانات کے اندر پالتو ہونے کی صلاحیت ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے اور کسی نعمت کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہاتھ سے چلی جائے۔

اگر آج پالتو جانور وحشی بن جائیں، اونٹ چیتے کی مانند حملہ کرنے لگ جائیں اور اپنے طاقت ور دانتوں سے انسان کو چیرنا پھاڑنا شروع کر دیں، گائے، بیل سینگ مارنا شروع کر دیں، گھوڑے لاتوں کے ذریعہ انسان کی خبر لینا شروع کر دیں تو اس وقت انسانی دنیا پر قیامت آ جائے! اس وقت بھیڑ بکریوں، اونٹوں اور گایوں کے ریوڑ سرمایہ موجودی ہی نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ ان کے شر سے نجات حاصل کرنے سے گریز نہیں کیا جائے گا، ان کے نہ ہونے کو ہونے سے ہزار ہا درجہ بہت سمجھا جائے گا۔ اس وقت بھی کبھی کبھار یہ مطیع اور سر جھکائے ہوئے جانور غصے میں آ کر خطرناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہاتھیوں کو ہندوستان کی یاد ستانے لگ جاتی ہے، اونٹ غصے میں پاگل ہو کر اپنے مالک کو کاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی غفلت سے کام لیا جائے تو مالک کی تباہی ہو جائے اس طرح گویا خداوند عالم ہمیں یہ دکھانا چاہتا ہے کہ دیکھ لو اگر میں ان سے اطاعت و تسلیم کا فرمان واپس لے لوں تو ان کی کیا کیفیت ہو جائے!!

قرآن مجید نے مختلف تعبیرات کے ساتھ اس واقعیت کو ذکر فرماتا ہے۔ کبھی فرماتا ہے: ''وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ'' (ہم نے انہیں انسان کیلئے ذلیل (اور رام) کر دیا سورہ یٰس۔ ۷۲) اور کبھی فرماتا ہے: ''جب تم چوپایوں پر سوار ہو جاؤ تو کہو'' (سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ)، (پاک اور منزہ ہے وہ خدا جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کر دیا جب کہ ہم میں اس بات کی قدرت نہیں تھی۔ زخرف۔ ۱۲)

''توحید مفصل''میں بھی اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور چوپایوں کی تخلیق کے بیان کے بعد فرماتے ہیں:

ثم منعت الذهن والعقل لتذل للانسان فلا تمتنع عليه اذا كدها الكد الشديد وحملها الحمل الثقيل

پھر خداوند عالم نے چوپایوں سے عقل اور ہوش کو روک لیا تا کہ وہ انسان کے لئے مطیع اور رام بنے رہیں اور جب سخت مشقت اور بھاری بوجھ ان پر لادا جائے تو وہ سرپیچی نہ کریں۔[1]

عقل و ذہن کا نہ ہونا ان کے مطیع اور رام ہونے کی دلیل کا ایک حصہ ہے علاوہ ازیں خداوند عالم نے انہیں اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ بہت جلد رام ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے وہ اس حال پر باقی رہتے ہیں جب کہ بعض جانور ایسے ہوتے ہیں جن میں عقل و ہوش بھی انہی جانوروں جیسا ہوتا ہے (مثلاً بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ اگر مشکل سے وہ رام ہو بھی جائیں تو ان کا یہ عارضی پہلو ہوگا اور پھر بھی ان سے ہر وقت محتاط رہنا پڑے گا کیونکہ کسی بھی وقت وہ مختصر سی غفلت کے باعث اپنے مالک کی تکا بوٹی کر سکتے ہیں۔

## ۲۔ جانوروں کا ہوش وخرد

سابقہ تفصیلی گفتگو کے بعد اس عنوان کا انتخاب شاید عجیب بھی معلوم ہو اور متضاد بھی حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کیونکہ حیوانات ظاہری طور پر ایسی مخلوق ہیں جن میں ہوش وخرد کی کمی ہوتی ہے یا بالکل ہی بے عقل ہوتے ہیں اور ہم انسان بھی عام طور پر کودن آدمی کو چوپایوں سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن وہ بعض مسائل میں اس قدر ہوش و عقل کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے کہ جب بھیڑ بکریوں کا ریوڑ جنگل میں چرنے کے بعد دیہات میں واپس آتا ہے (ایسے دیہاتوں میں جہاں بھیڑ بکریاں مختلف گھروں کی ملکیت ہوتی ہیں) تو آبادی کے نزدیک پہنچتے ہی بڑی تیزی کے ساتھ بستی کے گلی کوچوں سے گزر کر سیدھی اپنی مالک کے گھر پہنچ جاتی ہیں۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کوئی مادہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے اپنے بچے کے علاوہ کوئی اور بچہ اس کے پستانوں سے دودھ پئے۔ جب بھی رات کی تاریکی میں بھیڑ بکریوں کے بچوں کو ان کی ماں کا دودھ پینے کیلئے چھوڑا جاتا ہے تو ہر بچہ اپنی ماں ہی کی طرف دوڑتا ہے اور ماں بھی اسے پہچان لینے کے بعد دودھ پلانے کیلئے تیار ہوتی ہے۔ یہ پہچان صرف ''سونگھنے'' سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ دنیا بھر کے گوسفندوں کی بو مختلف ہوتی ہے اور ہر گوسفند اپنے بچے کی بو کو ان تمام بچوں کی بو سے پہچان لیتی ہے۔

''کورسی موریسن''اپنی کتاب ''راز آفرینش انسان''میں کہتے ہیں:

''اکثر حیوانات تاریک راتوں میں اپنی راہ تلاش کر لیتے ہیں اور بڑی آسانی کے ساتھ اس پر چلتے رہتے ہیں۔ اگر ان کی آنکھیں

[1] ''توحید مفصل''(بحار الانوار جلد ۳ ص ۹۱

رات کی تاریکی میں کمزور ہوں تو وہ راستے کی اطراف کی ہوائے اختلاف کو درک کر لیتے ہیں اور راستے کی سطح سے اٹھنے والی نہایت ہی کمزور روشنی جو ''ماورائے قرمز'' کہلاتی ہے، ان کی آنکھوں میں اثر کرتی ہے۔''

جانوروں کے گھر بنانے کا طریقہ، بچوں کی پرورش، دشمن سے نبرد آزمائی کی کیفیت حتیٰ کہ جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو ان کے طرزِ علاج کی کیفیت بھی عجیب ہے اور ان میں سے ہر ایک کی تشریح کیلئے مفصل بحث کی ضرورت ہے۔

مشہور حیاتیات شناس (BIOLOGIST) پروفیسر ''آنرمزو'' اپنی کتاب میں بعض جانوروں کی اپنی بیماریوں کے علاج معالجہ کی استعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بعض طبی دریافتیں ان جانوروں کے طرزِ علاج سے حاصل ہوئیں، مثلاً مچھلی کھانے والے پرندوں کی ایک قسم ایسی ہے جس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں اور اجتماعی پرواز یا زمین پر بیٹھتے وقت اس کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اسے پلاسٹر، PLASTOR OF PARIS اور ٹانگ کے ٹوٹنے کے علاج سے اچھی طرح واقفیت حاصل ہے۔ وہ ساحل سمندر اور ایسے دلدلی علاقوں میں چلا جاتا ہے جس کی گیلی مٹی ٹوٹے ہوئے اعضاء کے لئے پلستر کا کام دیتی ہے اور اسی کام کیلئے مخصوص ہوتی ہے۔

چنانچہ وہ اپنا ٹوٹا ہوا پاؤں ایسی مٹی کے اندر لے جاتا ہے اور اس سے نکال کر دھوپ میں بیٹھ جاتا ہے تاکہ وہ خشک ہو جائے پھر وہ ایک مدت تک اپنے پاؤں کو ایسی ہی حالت میں رکھتا ہے تاکہ ٹوٹی ہوئی جگہ اچھی طرح جڑ جائے۔۔۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جو پلستر PLASTOR OF PARIS ہسپتالوں میں ڈاکٹر صاحبان کام میں لاتے ہیں وہ بھی اسی قسم کا ہوتا ہے کیونکہ اس کی گرفت بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ [۱]

سائنسدانوں کا عقیدہ ہے کہ بہت سے جانوروں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ چیونٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ اپنا جسم ملا کر یا اپنے سینگ نما بالوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر باتیں کرتی ہیں اور پیغامات پہنچاتی ہیں بعض ایسی چیونٹیاں بھی ہیں جو خطرے کے وقت اپنے بلوں میں اپنا پاؤں زمین پر مار کر (ٹیلیگرام کی طرح) اپنا خفیہ پیغام دوسروں تک پہنچاتی ہیں۔

بہت سے جانور ایسے بھی ہیں جن کی اپنی خصوصی زبان کے علاوہ ایک عمومی زبان بھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اسی زبان کے ذریعہ کوئے (جب وہ خطرہ محسوس کرتے ہیں) اپنی مخصوص آواز کے ساتھ دوسرے جانوروں کو خبردار کرتے ہیں تاکہ جتنا جلدی ہو سکے وہ خطرے کی جگہ سے بھاگ جائیں یہ جانور درحقیقت ''جنگلی جاسوس'' ہوتے ہیں۔

''ماہرین حیاتیات'' اپنے مطالعہ کی مدد سے اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ انسانوں کے بعد حشرات الارض ہی ایک ترقی یافتہ رابطہ سسٹم کے مالک ہیں، بالخصوص شہد کی مکھیوں کی باہمی گفتگو اور ان کی خبر رسانی کا سسٹم تو سب سے زیادہ عجیب بھی ہے اور بے نظیر بھی۔ [۲]

---

[۱] کتاب ''بہترین راہِ شناخت خدا'' ص ۱۹۷

[۲] رسالہ ''شکار وطبیعت'' شمارہ ص ۲۷

سویڈن کے ایک ماہر حیوانات نے ''لینڈ'' یونیورسٹی میں شہد کی مکھیوں کے بارے میں بڑی دلکش تقریر کی اور بتایا کہ مدت کی تحقیق وتجربہ سے جو بات ثابت ہوئی ہے وہ جانوروں کی زبان ہے۔اس نے اپنی مشینری کے ذریعہ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی زبان کے آسانی سے معنی سمجھے جاسکتے ہیں۔[1]

حیوانات کی دنیا کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں جن کا ایک یا دسیوں کتابوں میں بھی حق ادانہیں کیا جاسکتا۔لیکن ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں،اس موضوع کو یہیں پر ختم کرتے اور نہایت ہی خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

سبحانك اللّٰهم وبحمدك لا تحصىٰ عجائب خلقتك وانك علىٰ كل شيءٍ قدير۔ پاک ہے تو اے میرے اللہ اور ہم تیری حمد کرتے ہیں تیری مخلوق کے عجائبات کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے اور تو یقیناً ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

---

[1] کتاب ''پرورش زنبورِ عسل''، ص ٦٠

# ۲۰۔جسمانی اعضاء کی تخلیق میں باری تعالیٰ کی نشانیاں

اشارہ:

انسان کو اپنے وجود سے باہر کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کیلئے مختلف اوزاروں کی ضرورت ہوتی ہے جن سے خالق نے اس کو آراستہ فرمایا ہے۔کسی چیز کی صورت رنگ کمیت اور کیفیت کے مشاہدہ کیلئے آنکھ اور بنیائی کی حِس عطا فرمائی ہے۔مختلف آوازوں کو محفوظ کرنے اور پہچاننے کیلئے کان اور شنوائی کی حِس بخشی ہے۔لُو،سردی،گرمی،سختی اور نرمی وغیرہ کے ادراک کیلئے دوسرے حواس عطا فرمائے ہیں۔

ان اوزاروں کی سخت اس قدر پیچیدہ،ظریف اور دقیق ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی تشریح ایک مستقل علم کا موضوع بن سکتی ہے اور اس بارے میں بڑی تعداد میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں جو درحقیقت توحید کے اسرار،خداشناسی کے درس اور ان اعضا کی طرف سے انسانی جان کے کانوں میں القا پے جانے والے معرفتِ الٰہی کے نغموں کا مجموعہ ہیں۔

یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان اعضاء کی ساخت میں غور وفکر کرے اور ان کے خالق کی عظمت وقدرت کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کرے،خواہ زبان سے اس بات کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔

اس اشارے کے ساتھ ہم قرآن مجید کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ذیل کی آیات کو دل کے کانوں سے سنتے ہیں:

۱...وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۷۸

(نحل۔۷۸)

۲...وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝۷۸ (مؤمنون۔۷۸)

۳...قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ............وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝۳۱

(یونس۔۳۱)

۴...اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ۝۸ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ۝۹ۙ (بلد۔۸۔۹)

۵...قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

(انعام۔۴۶)

۶۔۔۔سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ

(حٰم سجدہ۔۵۳)

## ترجمہ

۱......اوراللہ نےتمہیں ماؤں کے پیٹ سے باہر نکالا ہے جب کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔اس نے ہی تمہارے لئے کان،آنکھ اورعقل قراردی کہ شاید تم اس کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔

۲......وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھ اوردل (عقل) کو پیدا کیا،لیکن تم اس کا شکر کم بجالاتے ہو۔

۳......کہہ دو کہ کون ہے جو تمہیں آسمان اورزمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اورآنکھوں کا مالک (وخالق) ہے؟......اورکون ہے جو کائنات کے امور کو چلاتا ہے؟ تو وہ فوراً (جواب میں) کہتے ہیں،خدا تو کہہ دیجئے کہ پھر تم تقویٰ اختیار کیوں نہیں کرتے (اور خدا سے کیوں نہیں ڈرتے؟)

۴......کیا ہم نے اس (انسان) کیلئے دوآنکھیں نہیں بنائیں اورایک زبان اوردولب؟

۵......کیا تم نے سوچا بھی ہے کہ اگر خداوند عالم تمہارے کان اورآنکھوں کو لے لے اورتمہارے دلوں پر مہرلگادے (کہ کسی چیز کو نہ سمجھ سکو) تو خدا کے علاوہ کون ہوگا جو انہیں واپس لوٹادے؟تم دیکھو تو،ہم کس طرح اپنی آیات کی ان کیلئے مختلف طریقوں سے تشریح کرتے ہیں،پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں۔

۶......عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں کائنات کے اطراف میں اورخود ان کی جانوں میں انہیں دکھائیں گے تاکہ ظاہر ہوجائے کہ وہ حق ہے۔

## الفاظ کےمعانی اورتشریح

''سَمَع'' دراصل سننے کی قوت کی معنی میں ہے اور بسااوقات خودکان کو بھی ''سمع'' کہا جاتا ہے۔یہ لفظ کبھی کان لگانے ،دعوت کوقبول کرنے اورجستجو کرنے کے معنی میں بھی آتا ہےاورجب اس کا اطلاق خدا کے بارے میں ہوتو اس کے معنی سنی جانے والی چیزوں کے متعلق

خدا کا علم اور آ گاہی ہوتے ہیں۔''سمع'' کی جمع ''اسماع'' ہے،لیکن قرآن پاک میں یہ لفظ (اسماع) کہیں بھی استعمال نہیں ہوا شاید اس لئے کہ خود لفظ ''سمع'' جمع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔[1]

''بصر'' بھی ''عضوِ بنیائی'' یعنی ''چشم'' اور ''قوت بنیائی'' دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔عقل وادراک کی طاقت کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور اسے ''بصر'' اور ''بصیرت'' کہتے ہیں (''بصر'' کی جمع ''ابصارُ'' ہوتی ہے اور ''بصیرت'' کی جمع ''بصائرُ'')

لیکن آنکھ کیلئے بصیرت کا لفظ کبھی استعمال نہیں ہوتا بلکہ اسے بصر ہی کہتے ہیں البتہ عجیب بات یہ ہے کہ نابینا افراد پر''بصیر'' کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن بظاہر یہ استعمال متضاد تعلق کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ نابینا حضرات رام طور پر زیادہ طاقت ورادراک سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور اوراپنی حس بنیائی کے معدوم ہونے کی تلافی قوتِ فکر اور بصیرت سے کرتے ہیں۔[2] جیسا کہ فارسی زبان میں نابنیا لوگوں کو ''روشن دل'' کہا جاتا ہے۔

صاحب ''مصباح اللغۃ'' جیسے اربابِ لغت نے ''بصر'' کا اصل معنی ایسا ہی نور لیا ہے جس سے موجودات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔''مقاییس اللغۃ'' میں اس کے دومعانی ذکر ہوئے ہیں؟ ایک تو کسی چیز سے آ گاہی حاصل کرنا اور دوسرے کسی چیز کی موٹائی معلوم کرنا لیکن پہلے معنی جن کو راغب نے بھی مفردات میں ذکر کیا ہے اس لفظ کے استعمال کے مقامات کی وجہ سے زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

''افئدۃ''، ''فؤاد'' کی جمع ہے اور ''فأد'' (بروزن وعد) کے مادہ سے ہے جس کے اصلی معنی بھوننا ہیں۔ اسی لئے پختہ عقول وافکار کو ''فؤاد'' کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ کبھی دل یا دل کی پوست کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب ان میں فروغ روشنائی پائی جائے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ''فؤاد'' کا معنی دل کا مرکز ہے جب کہ ''قلب'' اس کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

''عین'' کے بہت سے معانی ہیں اور مشہور ہے کہ اس لفظ کے عربی زبان میں ستر معانی ہیں۔ اتفاق سے فارسی میں بھی ''چشم'' کے تقریباً اتنے ہی معانی ہیں۔

لیکن ''عین'' کا اصل معنی بنیائی کا وہی مخصوص عضو یعنی ''آنکھ'' ہے کبھی کبھی یہ قوت بنیائی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔لیکن کنایہ کے اور مجازی معنی بہت زیادہ ہیں جن میں سے بہت سے معانی کثرت استعمال کی وجہ سے حقیقت بن چکے ہیں۔مثلاً چشمہ کو ''عین'' کہتے ہیں کیونکہ وہ آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ جاسوس اور اطلاعات حاصل کرنے والے افراد کو بھی ''عین'' کہتے ہیں، جیسا کہ یہ لفظ باشخصیت افراد، سورج اور رسونے پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ سونا دھاتوں کے درمیان وہی حیثیت رکھتا ہے جو اعضاء جسمانی کے درمیان آنکھ کی ہے۔اسی طرح ستاروں کے درمیان سورج کی اور ایک قوم کے درمیان باشخصیت افراد کی حیثیت ہوتی ہے، جیسا کہ (اردواور) فارسی میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاح شخص اپنے خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ نیز سرمایہ، اور قابل استفادہ اموال گول چیز کے سوراخ، کسی چیز سے آ گاہی اور بصیرت پر بھی مناسبت کے

---

[1] لسان العرب، مفردات، مجمع البحرین اور التحقیق فی کلمات القرآن الکریم۔

[2] مفردات راغب

لحاظ سے اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ ''حورالعین'' کو بھی اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں خوبصورت اور موٹی ہوتی ہیں۔

''لسان'' بھی بولنے کے مخصوص عضو (زبان) کے معنی میں ہے کنایہ کے طور پر ان لوگوں کو بھی لسان کہتے ہیں جو کسی قوم کی ترجمانی کرتے ہیں۔ لغات کو بھی ''السنہ'' (لسان کی جمع) کہتے ہیں جیسا کہ ''زبان'' کا لفظ فارسی میں انہی معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی لیکن قرآن مجید میں مذکر ہو کر استعمال ہوا ہے۔

''شفة'' (بروزن قمر) کا اصل معنی ''ہونٹ'' ہے جو تثنیہ (شفتین یعنی دو ہونٹ) ہو کر استعمال ہوتا ہے۔[1] ''مشافهه'' کے لفظ کے معنی کسی کے روبرو ہونا اور اس کے ہونٹوں سے کسی چیز کا سننا ہوتے ہیں۔ یہ لفظ نہر، دریا اور سمندر کے کنارے کے معنی میں بھی آیا ہے کیونکہ کنارہ ان کے ہونٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

سب سے پہلی آیت میں خداوند عالم کی پاک ذات کے تعارف اور انسان کے وجود میں اس کی نشانیوں کو بیان کرنے کے عنوان سے فرماتا ہے ''خدا وہی تو ہے جس نے تمہیں اپنی ماؤں کے شکم سے باہر نکالا۔ اس وقت تم کچھ نہیں جانتے تھے۔'' (وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا)

اس تعبیر سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انسان کی پیدائش کے وقت اس کے دل کا صفحہ تمام معارف سے خالی ہوتا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کے اپنی ذات کے بغیر دوسری چیزوں کا علم ہے۔ یا باالفاظ دیگر اس سے بیرونی اشیاء کا علم مراد ہے۔ اس پر انہوں نے سورہ نحل کی ۷۰ ویں آیت دلیل کے طور پر پیش کی ہے کہ ''وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا'' (تم میں سے بعض لوگ بالائی عمر اور زندگی کے بدترین سالوں کو جا پہنچتے ہیں۔ اس طرح کہ جاننے کے باجود کسی چیز کو نہیں جان پائیں گے) کیونکہ بڑھاپے کی اس عمر میں انسان یقیناً اپنی ذات سے تو باخبر ہوتا ہے، لیکن یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نومولود اپنی ولادت کے آغاز میں اپنی ذات سے بھی بے خبر ہوتا ہے اور سب سے پہلے جس چیز سے وہ باخبر ہوتا ہے وہ اس کا اپنا وجود ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے ''خداوند عالم نے تمہارے لئے کان، آنکھ اور عقل قرار دی ہے تاکہ تم اس کا شکر بجالاؤ'' (وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

آنکھ اور کان اس لئے کہ تم محسوسات کا ادراک کر سکو۔ عقل کو اس لئے بنایا کہ معقولات کا ادراک کر سکو۔ اور شناخت کے ان تینوں ذریعوں سے اپنے وجود کی بیرونی دنیا سے آگاہی حاصل کر سکو۔ پھر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور سب سے پہلے اس مبدا کو تلاش کرو جس نے تمہارے لئے علم و معرفت کے یہ ذرائع بنائے ہیں۔

---

[1] بعض لوگوں نے اس کی اصل بنیاد ''شفو'' (ناقص واوی) بتائی ہے اور بعض نے اسے ''شفة'' سمجھا ہے کیونکہ اس کی تصغیر ''شفیهة'' ہے اور جمع ''شفاة'' ہے۔

آنکھ، کان اور عقل کی اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس حالت کو اپنے تصور میں لاؤ جوان میں سے کسی کے (چہ جائیکہ تمام کے) مفقود ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک اندھے شخص، یا ایک بہرے انسان، یا ایک فاتر العقل آدمی یا تمام صفات سے عاری شخص کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور وہ اس عظیم کائنات کی نعمتوں سے کس قدر دور ہوتا ہے؟ سب سے پہلی چیز جس سے وہ محروم ہوتا ہے وہ علم وآگاہی ہے جو بالاترین نعمت اور دوسری نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کا مقدمہ ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیت میں ''شیئا'' سے مراد ''منعم کا حق'' ہے جب کہ بعض دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد انسان کے اپنے مفادات ہیں۔ بعض نے اس سے سعادت (نیک بختی) اور شقاوت (بدبختی) مراد لیا ہے، یا پھر روز الست کے میثاق کے معنی میں تفسیر کی ہے لیکن آیت کا مطلق ہونا ہر قسم کی قید وشرط کی نفی کرتا ہے اور ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔

''سمع'' (کان) کو ''ابصار'' (آنکھوں) پر کیوں مقدم کیا گیا ہے؟ شاید اس لئے کہ آنکھ سے پہلے کان اپنا کام کرنا شروع کرتا ہے کیونکہ رحم مادر کے ماحول میں جہاں تاریکی مطلق حکم فرما ہوتی ہے، انسان کی آنکھ میں دیکھنے کی آمادگی نہیں ہوتی، پیدائش کے بعد بھی ایک مدت تک روشنی کے سامنے بہت ہی حساس ہوتی ہے اور اسی لئے عام طور پر بند رہتی ہے، اور بالتدریج روشنی کے لئے آمادگی پیدا کرتی ہے۔ لیکن کان کی نوعیت اس سے مختلف ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض دانشوروں کے عقید کے مطابق عالم جنین میں بھی وہ آوازوں کو سنتا ہے اور ماں کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سے آشنائی پیدا کر لیتا ہے۔

علاوہ ازیں وحی الٰہی کے پیغام کے سننے کا ذریعہ کان ہی ہوتا ہے جو تمام سنی جانے والے چیزوں سے بالاتر چیز ہے۔ نیز ایک نسل سے دوسری نسل کیلئے علوم کے منتقل ہونے کا عمومی ذریعہ بھی یہی ہوتا ہے جب کہ آنکھ اس طرح نہیں ہوتی کیونکہ لکھنا اور پڑھنا اگرچہ علوم کے منتقل ہونے کا ذریعہ ہیں لیکن عمومی حیثیت کے حامل نہیں۔

''افئدۃ'' (پختہ عقلوں) کے ان دو کے بعد مذکور ہونے کی دلیل بھی واضح ہے کیونکہ انسان سنی اور دیکھی جانے والی چیزوں کو عقل کی طرف منتقل کرتا ہے، پھر ان کا تجزیہ وتحلیل کرتا ہے، اس سے تازہ معلومات حاصل کرتا ہے اور کائنات کے کلی قوانین کو دریافت کرتا ہے۔ [1]

اسی سلسلے کی دوسری آیت میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ خداوند عالم کی معرفت کیلئے کان، آنکھ اور دل کی تخلیق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور انسانوں کی شکر گزاری کی حِس کو بیدار کیا گا ہے جو معرفت الٰہی کی ایک سیڑھی ہے۔ البتہ پہلی آیت میں اور اس آیت میں فرق یہ ہے کہ اس آیت میں اعضاء کی تخلیق کو ''انشاء'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور آخر میں ان لوگوں کی سرزنش اور ملامت کی گئی ہے جو خداوند عالم کا کم شکر ادا کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان آنکھ اور دل کو ایجاد کیا ہے لیکن تم (ان عظیم اور بے نظیر نعمتوں کا) بہت کم شکر بجالاتے ہو۔ (وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ)

---

[1] یاد رہے کہ ''سمع'' کا اطلاق مفرد اور جمع ہر دو پر ہوتا ہے اگرچہ بعض اوقات اسے ''اسماع'' یعنی جمع کی صورت میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

''انشاء'' کے بارے میں ''راغب'' کا کہنا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو ایجاد کرنا اور اسے پروان چڑھانا ہے اسی لئے جوان لوگوں کو ''ناشی'' کہتے ہیں۔

''انشاء'' کا لفظ عام طور پر جانوروں کی تخلیق کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اگر چہ ان کے غیر کے بارے میں بھی کبھی استعمال ہوجاتا ہے جیسے سورہ واقعہ کی ۷۲ویں آیت میں ہے ''ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَ'' کیا تم نے آگ پیدا کرنے والے درختوں کو پیدا کیا ہے یا وہ ہم نے ایجاد کئے ہیں؟)

ممکن ہے مندرجہ بالا آیت میں جنین کے شکم مادر میں ہونے کے دوران آنکھ، کان اور عقل کے ارتقائی مراحل کی طرف اشارہ ہو اور طفلی کے دوران ارتقائی مراحل کی طرف کہ خداوند عالم نے ان سب کو ایجاد فرمایا اور پھر ان کی پرورش کرتا ہے۔

تیسری آیت میں ایک ''تقریری استفہام'' کی صورت میں ان مشرکین سے سوال کیا جا رہا ہے جو خدا کو چھوڑ کر بت پرستی کی وادی میں سرگردان ہیں۔ فرماتا ہے ''اے پیغمبر! ان سے کہہ دیں کہ تمہیں آسمان اور زمین سے کون روزی عطا کرتا ہے، یا کون تمہارے کان اور آنکھوں کا مالک ہے؟ (قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ)

یقیناً جو روزی انسان کو ملتی ہے اس کا تعلق یا تو آسمان سے ہوتا ہے (جیسے بارش، ہوا اور دھوپ وغیرہ) یا پھر زمین سے (جیسے مختلف نباتات، درخت اور معدنیات وغیرہ)۔ اسی طرح انسان کو جو علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں وہ بھی غالباً آنکھ اور کان کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حسیں انسان کیلئے بیرونی دنیا سے تعلق قائم کرنے کا اہم ترین ذریعہ شمار ہوتی ہیں اور یہ سب مادی اور معنوی روزی خداوند عالم کی طرف سے ہے۔

پھر مزید اربات یہ ہے کہ یہاں پر مالکیت کی تعبیر کی گئی ہے اور چونکہ یہاں پر مالکیت سے مراد، تکوینی مالکیت ہے، لہٰذا ''تخلیق اور آفرینش'' کے مسئلہ سے ہر گز جدا نہیں ہ اور نہ ہی ''تدبیر امور'' کے مسئلہ سے جدا ہے۔ اسی لئے آیت کے آخر میں استفہام کی صورت میں ایک بار پھر فرماتا ہے ''ان سے پوچھیئے کہ کائنات کے امور کو کون چلا رہا ہے؟ (وَمَنۡ يُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ)[1]

اور پھر فوراً ہی فرماتا ہے: (وہ لوگ فطری ندا کے الہام سے) ''جلدی سے کہیں گے: خدا ہی تو ہے جو ان تمام امور کا مالک و خالق اور چلانے والا ہے۔'' (فَسَيَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ ۚ)

آپ ان سے کہہ دیں تو پھر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کیوں نہیں کرتے؟'' (فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ)

یعنی بت پرستی اور غیر اللہ کی طرف رخ کرنے سے پرہیز اور گناہوں اور بے اعتدالیوں سے پرہیز۔

چوتھی آیت میں خداوند بزرگ و برتر کی انسان پر کچھ نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے ضمن میں اس کی شکر گزاری کی حِس کو بیدا کرتے

---

[1] بعض اربابِ لغت کہتے ہیں کہ ''ملک'' (میم کے فتحہ اور لام کے کسرہ سے) اسے کہتے ہیں جو لوگوں میں امر و نہی کے ذریعہ تصرف کرتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ قدرت و طاقت اور تدبیر امر ہوتا ہے۔

ہوئے، جو ''معرفت خدوندی'' کا مقدمہ ہے، فرماتا ہے: ''کیا ہم نے انسان کیلئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟'' (اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ)

وہ آنکھیں جن کے ذریعہ وہ عالم ہستی کو دیکھتا ہے، تخلیق کے عجائبات کا نظارہ کرتا ہے، سورج، چاند، ستاروں نباتات اور درختوں کی مختلف قسموں اور انواع واقسام کی زندہ مخلوق اور جانداروں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ صنعت الٰہی کے عجوبوں کا تماشا دیکھتا ہے، راہ اور چاہ میں فرق سمجھتا ہے دوست اور دشمن کی تمیز کرتا ہے اور خود کو ناخوشگوار حوادث کے چنگل سے چھڑاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے: ''اور کیا اس کیلئے ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے'' (وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنِ)

زبان، جو دوسروں کے ساتھ تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے، زبان جو علوم ودانش کے ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف، اور ایک قوم سے دوسری قوم کی جانب منتقل کرنے کا سبب ہوتی ہے زبان جو اپنی ضروریات کو بیان کرتی ہے اپنے معبود کے ساتھ راز ونیاز کا کام دیتی ہے اور انسان کے وجود کے تمام ذروں کی ترجمان ہے۔

اسی طرح ہونٹ ہیں جو گفتگو کرنے کا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں اور بہت سے حروف کے مقطع کو تشکیل دینے کا کام بجالاتے ہیں۔[1] علاوہ ازیں پانی پینے غذا کھانے اور چبانے میں امداد کرتے اور منہ کی رطوبتوں کی حفاظت کرتے ہیں، وہ بھی اس طرح کہ اگر لبوں کا ایک حصہ کٹ جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ کام انجام دینے انسان کیلئے مشکل ہو جائیں گے بلکہ اس کے چہرے کا منظر بھی افسوس ناک حد تک بگڑ جائے گا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان دو آیات کے بعد قرآن مجید نے انسان کی خیر وشر کی طرف ہدایت کی بات کی ہے اور فرماتا ہے: ''کیا ہم نے اسے دو بلند سرزمینوں (خیر وشر کی پہچان) کی ہدایت نہیں کی؟'' (وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ)

یہ واضح تعبیر آنکھ، زبان اور ہونٹوں کے خیر وشر کے مسئلہ کی شناخت اور ہدایت کے ساتھ رابطے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ چیزیں اس عظیم ہدف کیلئے ایک ذریعہ شمار ہوتی ہیں۔

پانچویں آیت اس حالت کی طرف توجہ دلا رہی ہے جو کان، آنکھ اور عقل کے مفقود ہونے کی صورت میں انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''کہہ دیجئے، اگر خداوند عالم تمہارے کان اور آنکھوں کو تم سے لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے (جس سے تم نہ تو کسی کی بات کو سن سکو اور نہ ہی کسی چیز کو دیکھ سکو اور نہ ہی حق اور باطل اور اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکو) تو کون ہو سکتا ہے جو تمہیں یہ چیزیں

---

[1] یہ حروف فارسی میں پانچ ہیں۔ (ب۔پ۔ف۔م۔و) اور عربی میں چار ہیں (پ کے علاوہ) اور چونکہ یہ چند حروف بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں لہٰذا لبوں کے مفقود ہو جانے کی صورت میں انسان بڑی حد تک قوت گویائی سے ہاتھ دھو سکتا ہے۔ ان حروف کو ''حروف شفوی'' کہتے ہیں۔

پلٹادے؟''(قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ط )[1]

پھرآیت کے آخر میں فرماتا ہے''دیکھوتو،ہم اپنے آیات اورنشانیوں کومختلف صورتوں میں ان کیلئے کیونکر وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، پھربھی وہ حق سے روگردانی کرتے ہیں؟''(اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ)[2]

درحقیقت قرآنِ مجیدایک طرف تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ معرفت کے یہ اہم اوزار ووسائل تمہارے اپنے نہیں ہیں کیونکہ اگرتمہارے اپنے ہوتے تو ہرگز واپس نہ لئے جاسکتے ایسے لوگ دنیا میں کم نہیں ہیں جومختلف عوامل کی وجہ سے کان،آنکھ اورعقل کھو بیٹھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں کس یااور کی طرف سے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ہر چیز کی اہمیت اس کی ضد سے معلوم ہوتی ہے۔قرآن مجیداس دردناک حالت کے ذریعہ جوان اعضاء کےکھودینے سے انسان کولاحق ہوتی ہے، انسان کوان نعمتوں کے لاحق اورعطا کرنے والے کی عظمت کی طرف متوجہ کرتااوراس ذریعہ سے اس کے ضمیرکو جھنجھوڑکرخالق کے آگے سرِتسلیم خم کرنے کیلئے آفادہ کرتا ہے۔

آنکھ اورکان کیلئے''اخذ''( پکڑنے ) کی تعبیرممکن ہےخوداِن اعضاء کے پکڑنے کے معنی میں ہو، یا پھر سننے اوردیکھنے کی طاقت کے یادونوں کے۔

اسی سلسلے کی آخرآیت میں توحیداورخداشناسی کی جامع ترین آیات میں سے ہے،پوری کائنات میں موجوداس کی نشانیوں پر نظرڈالتے ہوئےفرماتا ہے:''ہم ان کو ہمیشہ اپنی آیات کائنات کے اطراف میں اورخودان کے اپنے وجود میں دکھاتے رہتے ہیں تاکہ ان پر اچھی طرح واضح ہوجائے کہ خداوندعالم برحق ہے''(سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط )

''افاق''،''افق'' کی جمع ہےجس کے معنی اطراف اورکنارے ہیں بنابریں''آفاق ارض''سے مرادزمین کی اطراف اور''آفاق آسمان'' سے مرادآسمان کے اطراف ہیں چونکہ قرآن مجید میں مطلق صورت میں اس کا ذکر ہواہے لہٰذاتمام جہان کوشامل ہےخواہ وہ شمال ہو یاجنوب،مشرق ہو یامغرب۔

''انفس'' بھی یہاں پروسیع معنی کا ذکر ہےجوروح،جسم اور بدن کےتمام اعضاءکوشامل ہے،جوہماری بحث کا موضوع ہے۔

---

[1] ''ارءیتم''اور''ارءیتکم''اواس قسم کے جملوں کابہت سے مفسرین نے''اخبرونی''(مجھے بتاؤ)سے معنی کیا ہے۔یا پھر''هل علمتم''(آیاتمہیں معلوم ہے)سے کیا ہےلیکن بعض محققین کےعقیدہ کےمطابق یہ جملے اپنے اصلی معنی دےرہے ہیں۔مثلاً''ارائیتم کے جملہ کے معنی''تم نے مشاہدہ کیا ہے؟''لیکن چونکہ اس قسم کے مواقع پرمشاہدہ کرنا کے معنی جاننااورخبر دینا ہوتے ہیں کبھی تومعنی کے لازم سےتفسیرکیا گیا ہے۔صورت حال خواہ کچھ ہوان جملوں کے ذکر سے مرادمخاطب کومتوجہ کرنااورغورکرنے کیلئے آمادہ کرنا ہوتا ہےاوراگران کی لازم معنی سےتفسیرکرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کامفہوم یہ ہے کہ''غورکرو''

[2] ''نصرف'' کاکلمہ ''تصریف'' کے مادہ سے تفسیر کیا گیا ہے اوریہاں پرایک حقیقت کومختلف لباسوں اور بیانوں میں ذکر کیا گیاہے۔''یصدفون''،''صدف''(بروزن ہدف)کےمادہ سے ہےجویہاں پرمنہ پھیرنے کے معنی میں ہے۔

''انہ الحق'' میں ضمیر کس طرح لوٹ رہی ہے اس بارے میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور آفاقی آیات سے مراد وہ کامیابیاں ہیں جو مسلمانوں کو دنیا کے مختلف گوشوں میں حاصل ہوئی ہیں اور انفسی آیات سے مراد ان کی عرب ملکوں میں کامیابیاں ہیں۔ گویا یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو ساری دنیا میں اور عرب ممالک میں کامیابیاں دکھائیں گے تاکہ وہ جان لیں کہ قرآن برحق ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ''رسولِ خدا'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یا پھر ان کا دین وآئین ہے، جو پہلی تفسیر سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے (جیسا کہ بہت سے مفسرین نے سمجھا ہے) کہ اس سے مراد ''خداوند عالم'' ہے یعنی ہم اپنی آفاقی اور انفسی آیات انہیں دکھائیں گے تاکہ خدا کی حقانیت ان پر واضح ہوجائے۔

''آیات'' کی تعبیر ایک طرف ''آفاق وانفس'' کی تعبیر دوسری طرف اور توحید پر مبنی بعد کی آیت، غرض یہ سب اسی تفسیر کے گواہ ہیں۔ ضمنی طور پر یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ یہ آیت قرآن مجید کی کئی دوسری آیات سے بھی ہم آہنگ ہے جو خدا کی آیات کو تخلیق کائنات اور خود انسان کے وجود میں موجود انسان کو دکھاتی ہیں۔ مثلاً ''وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'' (اور زمین میں خدا کی نشانیاں ہیں مومنین کیلئے اور خود تمہارے اندر بھی (نشانیاں ہیں)۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو؟ (سورہ ذاریات۔۲۰۔۲۱)

علی بن ابراہیم کی تفسیر میں بھی یہی معنی مذکور ہیں۔ ہر چند کہ بعض روایات میں ''انہ'' کی ضمیر کا مرجع حضرت امام مہدی علیہ السلام کو بتایا گیا ہے، لیکن یہ تفسیر آیات کے بطون سے لی گئی ہے۔ (البتہ سب تفسیروں کو بھی جمع کیا جاسکتا ہے۔)

بہرحال ہم اس کی جس آیت کو بھی دیکھتے ہیں اسی میں اس کی ذات کے علم اور قدرت کو پاتے ہیں، اور

ہر گیا ہی کہ اززمین روید
وحدہٗ لاشریك لہ گوید

(جو سبزہ بھی زمین سے اُگتا ہے، وہ وحدہ لاشریك لہ کہتا ہے)

اور

دل ہر ذرہ را بشگافیم
آفتابس درمیان بینیم

(جس ذرے کو بھی توڑتے ہیں، اس کے اندر ایک آفتاب نظر آتا ہے)

''سَنُرِيْهِمْ'' (ہم انہیں دکھاتے رہیں گے) کی تعبیر (اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ فعل مضارع ایسے مقامات پر استمرار کے معنی میں آتا ہے) اس حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ انسان کی عمر کا جو دن بھی گذرتا رہتا ہے اس پر اس کائنات کے نت نئے حقائق

واضح ہوتے رہتے ہیں اور نئے سے نئے راز کھلتے رہتے ہیں۔ دانشور اور علماء اپنی تجربہ گاہوں اور لائبریریوں میں نت نئی دریافتوں سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں، ہر روز ان پر آیاتِ الٰہی میں سے کوئی نہ کوئی نئی آیت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر لاکھوں کروڑوں برس انسانی عمر پر گزرتے رہیں پھر بھی صورت حال اسی طرح برقرار رہے گی۔ مجبوراً کہنا پڑتا ہے کتنی عجیب ہے تخلیق کی عظیم کائنات اور کس قدر باعظمت ہے اس کا پیدا کرنے والا!!

پھر یہ کہ یہ سب کچھ تو ہم اس دور زندگی کے متعلق کہہ سکتے ہیں جب کہ اس سے اربوں کھربوں سال پہلے کا علم بھی نہیں اور نہ ہی اس کے اربوں کھربوں سال بعد کا پتہ ہے اور اگر کچھ جانتے بھی ہیں تو وہ بہت ہی ناچیز ہے جو اس عظیم کائنات کے صرف ایک حصے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کتاب کی ایک فصل ہے ''العظمة لله الواحد القهار''

گذشتہ آیات سے مجموعی طور پر جو بات سامنے آتی ہے اور ان کا جو بخوبی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ انسانی جسم کا ہر عضو بلکہ ہر عضو کی ایک ایک جزو حق کا مکمل آئینہ اور خالقِ عالم کے علم وقدرت اور حکمت وتدبیر کی ایک مستقل اور روشن نشانی ہے۔

# چند ضروری وضاحتیں

## ۱۔ اعضائے بدن کے عجائبات

اگر ساری کائنات میں سوائے انسانی بدن کے ایک جزو کے اور کچھ بھی نہ ہوتا اور جسم انسان میں صرف ایک آنکھ یا ایک کان ہی ہوتا تو وہی اس خالق کائنات کی ذات پاک اور اس کے علم وقدرت کی شناخت اور معرفت کیلئے کافی تھا کیونکہ ان کی ساخت اس قدر ظریف، پیچیدہ، دقیق اور جچی تلی ہے کہ کوئی بھی عقل یہ باور نہیں کرسکتی کہ یہ ''اتفاق'' یا اندھی اور بہری فطرت کی پیداوار ہے، بلکہ اس کے مطالعہ کے ہر ایک مرحلہ پر اس حکیم خالق اور صانع عالم کے علم وقدرت کی نت نئی آیت اور جدید نشانی کا پتہ چلتا ہے۔

عضو بنیائی یا آنکھ کی سینکڑوں خصوصیات اور ریزہ کاریوں میں سے صرف ان چند موضوعات پر ہی غور کیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ اس میں کیا محشر برپا ہے۔

### ۱۔ متغیر عدسہ

عام طور پر آنکھ کو کیمرے سے تشبیہ دی جاتی ہے جب کہ دنیا کے جدید ترین اور ترقی یافتہ ترین کیمرے انسانی آنکھ کے سامنے بازیچہ اطفال معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان سب میں غیر متحرک عدسے ہوتے ہیں اور مختلف مناظر کی تصویر کشی کے وقت فلم لینے والے شخص کے ذریعے ہمیشہ مرتب اور کنٹرول کئے جاتے ہیں۔ لیکن آنکھ کے عدسے جو آنکھ کی پتلیوں کے پیچھے ہوتے ہیں، ہمیشہ خودکار AUTOMATIC طریقے سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں کبھی تو ان کا قطر بہت ہی کم یعنی ۱/۵ ملی میٹر تک جا پہنچتا ہے اور کبھی اس قدر زیادہ ہوجاتا ہے کہ ۸ ملی میٹر سے بھی بڑھ

جاتا ہے جس سے دور ترین اور نزدیک ترین مناظر کی تصویر کشی کی جاسکتی ہے۔

## ۲۔آنکھ کے سات طبقے

عمدہ طور پر آنکھ سات پردوں یا سات طبقوں سے تشکیل شدہ ہے جن کے نام یہ ہیں:ا۔''صلبیہ''(آنکھ کی سفیدی)،۲۔''عنبیہ''، ۳۔''مشیمیہ''، ۴۔''جلیدیہ''، ۵۔''زلالیہ''، ۶''زجاجیہ''، اور ۷''شبکیہ''۔ان میں سے ہر ایک کی اپنی مخصوص ساخت اور مخصوص فریضہ ہوتا ہے۔ان کی تشریح بہت لمبی ہے۔ ہمارے لئے بس اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ ان میں تھوڑی سی تبدیلی بھی بنیائی کے نظام میں گڑ بڑ پیدا کردیتی ہے، البتہ''شبکیہ'' کے پیچھے بھی بنیائی کے کچھ اعصاب ہیں جن کے ذریعہ شبکیہ کے مناظر مغز تک پہنچائے جاتے ہیں۔

## ۳۔روشنی کے سامنے حساسیت

فلم تیار کرنے اور تصویر لینے کا کام ایک مشکل ترین کام ہے۔بسااوقات اس کام کے لئے ماہرین کی ٹیم کو مامور کیا جاتا ہے جب کہ آنکھ کم یا زیادہ روشنی کے مقابلے میں اپنی حساسیت کے ذریعہ اس بات پر قادر ہوتی ہے کہ بہت زیادہ طاقت ور یا بہت زیادہ کمزور روشنی میں مختلف مناظر کی نہایت ہی دقیق اور نہایت ہی خوبصورت تصویر لے سکتی ہے۔

## ۴۔تیز ترین تحرک

فلم لینے والے اپنے سیٹ کو ہمیشہ دائیں، بائیں اور اوپر نیچے گھماتے رہتے ہیں اور اس کام کیلئے مختلف آلات واوزار کا سہارا لیتے ہیں جب کہ اطراف چشم میں موجود عضلے (پٹھے) بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آنکھ کو چاروں طرف مکمل طور پر گھماتے رہتے ہیں اور فلم لینے کیلئے اس کی طاقت میں حد سے زیادہ اضافہ کردیتے ہیں۔

## ۵۔سادہ اور لطیف پرزے

فلم برداری کیلئے تیار کئے جانے والے کیمروں کیلئے محکم ترین شیشوں اور دھاتوں کو کام میں لایا جاتا ہے جب کہ آنکھ نہایت ہی لطیف اور نازک پرزوں سے بنائی گئی ہے۔اس کے باوجود بسااوقات وہ ایک سوسال تک مسلسل کام کرتی رہتی ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ وہ ایک زندہ سیٹ ہے جو ہمیشہ خود کو بناتی اور اپنی تجدید کرتی رہتی ہے جب کہ انسانی ہاتھوں کے بنے ہوئے سیٹ مردہ ہوتے ہیں۔

## ۶۔فلم بنانے کا مسئلہ

فلم لینے والے سیٹوں کیلئے خود فلم کی تیاری بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے، فلم برداری کیلئے مسلسل متعدد اور مختلف فلمی حلقہ جات سے استفادہ کیا جاتا ہے جب کہ آنکھ کا ''شبکیہ'' خودکار طریقہ پر مسلسل فلم تیار کرتا رہتا ہے۔ جب اسے مغز میں منتقل کرکے اس کا ریکارڈ

تیار کر دیتا ہے تو فلم کو صاف کر کے دوسرے مناظر کی تصویر کشی کیلئے آمادہ کر دیتا ہے اور یہ کام نہایت ہی حیرت انگیز حد تک تیزی کے ساتھ فوراً عمل میں آتا ہے۔ البتہ یہاں پر ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ اس جگہ پر فلم ''دھلائی'' اور ''چھپائی'' کی بات نہیں ہو رہی جو ایک علیحدہ اور مستقل مسئلہ ہے اور نہایت ہی مشکل کام ہے۔

## ۷۔ضمنی طور پر کام کرنے والی مشینری

آنکھ کے بخوبی اور بہتر طور پر کام کرنے کیلئے اسے بہت سے لطیف پرزوں سے آراستہ کیا گیا ہے تا کہ وہ اپنا کام بخوبی اور بہتر طریقے سے انجام دے سکے۔ یہ لطیف پزرے بھی اپنے طور پر حیرت انگیز اور محیر العقول ہیں۔ آنکھ میں موجود پانی کے چشمے جن کا مائع مخصوص اور شفاف کنندہ ہوتا ہے، مسلسل آنکھ میں ٹپکتا رہتا ہے، پلکوں کو آنکھ کے ڈھیلے پر کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر گردش کرنے کی اجازت دیتا ہے ،اس کے نچلے حصے میں فاضل پانی موجود رہتا ہے، جو اس مائع کو ہمیشہ باہر جانے کی ہدایت کرتا اور ناک کے گڑھوں میں بھیجتا رہتا ہے اسی طرح خود پلکیں اور ان کا وہ سریع ردعمل ہوتا ہے جن سے وہ آنکھ کو چوٹ لگنے کے موقع پر یا گرد و غبار کے حملے یا شدید اور تیز روشنی کے وقت فوراً اسے ڈھانپ دیتی ہیں۔ اسی طرح آنکھ کے پپوٹے ہیں۔ جو آنکھ کیلئے پردے کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح آنکھ کا پیالے نما ہڈی کے اندر قرار پانا جو کہ بہت ہی قوی اور محکم ہوتی ہے، جیسے محفوظ قلعہ ہوتا ہے اور پھر اس ''محفوظ و مضبوط قلعہ'' کا جسم کے بلند ترین مقام قرار پانا اسے اس بات کے مواقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے اطراف و جوانب کو اچھی طرح دیکھ سکے۔ جیسے فوج کی دیدبان چوکی ہوتی ہے اسی طرح آنکھ کے ابرو ہوتے ہیں۔ جو حفاظت کے لیے پر کا کام دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے دوسرے امور ہیں جن میں سے ہر ایک کی اپنے مقام پر ایک علیحدہ، دلچسپ اور حیرت ناک داستان ہے

اگر ہم ان تمام جہات اور سارے پہلوؤں کو ایک ساتھ ملا کر اس بارے میں قدرے غور و فکر سے کام لیں تو یقیناً اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ آنکھ کا بنانے والا عدسے، نور کے منعکس ہونے اور اس قسم کے کئی دوسرے پیچیدہ امور سے اچھی طرح واقف اور پوری طرح آگاہ تھا اور اس نے اپن ے علم و بے پناہ قدرت کی بدولت اس قسم کی عجوبہ روزگار چیز کو خلق فرمایا۔

## ۲۔ ہر فن مولا عضو......زبان

مذکورہ بالا آیات میں جن اعضاء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک زبان کا مسئلہ ہے جو صحیح معنی میں خالق کائنات کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ اگر زبان کی ''زبان'' ہوتی اور وہ اپنا ماجرا خود بیان کرتی، باوجودیکہ ہم اس سے مانوس ہیں، پھر بھی اس سے ایسے محیر العقول کارنامے بیان ہوتے جس سے ہمیں پتہ چل جاتا کہ قرآن مجید نے کیوں اس کا تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

زبان کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں ویسے تو بہت زیادہ ہیں لیکن اس کے چھ عمدہ کام مندرجہ ذیل ہیں:

## ۱۔غذا کو دانتوں کے نیچے بھیجنا

اگر زبان نہ ہوتی تو غذا کا کچھ حصہ پوری طرح چبایا جاتا اور کچھ حصہ مکمل طور پر چبائے جانے سے رہ جاتا اور ہم مجبور ہوتے کہ غذا کو انگلی کے ذریعہ جابجا کرتے، یہ زبان ہی ہے جو اپنی سریع اور ماہرانہ حرکتوں سے غذا کو مسلسل طور پر تینوں طرف سے دانتوں کے نیچے پہنچاتی رہتی ہے لیکن خود ان کے نیچے آنے سے بچ جاتی ہے۔ہاں البتہ بعض اوقات جب وہ تھک جاتی ہے اور کمزور ہوجاتی ہے تو ممکن ہے دانتوں کے درمیان پھنس جائے اور اچھی خاصی چوٹ کھا جائے ،تو یہ اور بات ہے۔گویا اس طرح خداوند عالم ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ عجیب مہارت جو خداوند عالم نے زبان کو عطا فرمائی ہے اگر اسے عطا نہ کرتا تو ہر روز یہ صورت حال پیش آتی رہتی اور زبان دانتوں میں آکر مجروح ہوتی رہتی۔

## ۲۔غذ کو لعابِ دہن سے مخلوط کرنا

وہی لیسدار مادہ جو ایک طرف تو غذا کو نرم، متحرک اور نگلنے کے قابل بناتا ہے اور دوسری طرف اس میں خاص کیمیکل تبدیلیاں عمل میں لاتا ہے، اسے جذب اور ہضم ہونے کیلئے تیار کرتا ہے یہ زبان ہی ہے جو اس مادہ کے ساتھ غذا کو مخلوط کرنے کا کام انجام دیتی ہے۔

## ۳۔غذا اور پانی کے نگلنے میں کمک کرنا

غذا بلکہ پانی کو نگلنے کیلئے زبان کا بڑی حد تک دخل ہے۔غذا اور پانی کے نگلنے کیلئے زبان پہلی ہوجاتی ہے، پھر منہ کے بلائی حصہ پر دباؤں ڈالتی ہے اور اسے فوراً ہی گلے کی طرف بھیج دیتی ہے۔اگر بالفرض کسی دن زبان مفلوج ہوجائے تو ایک لقمہ غذا کا نگلنا ممکن ہی نہ رہے بلکہ محال بھی ہوجائے۔

## ۴۔غذائی مواد پر ضبط واختیار

زبان میں چکھنے کی زبردست حس موجود ہے۔اسی لئے وہ بدن کیلئے بہت سے نامناسب مضر اور مسموم مواد کی پہلے پہچان کرتی ہے۔ پھر اسے فوراً باہر نکال دیتی ہے۔اگر بدن کے بیرونی دروازے پر ''یہ خبردار چوکیدار'' نہ ہوتا تو انسان نامناسب غذا کے استعمال کی وجہ سے بہت جلد بیمار ہوجاتا اور اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔ایک کڑوی اور بہت ہی نمکین یا زبردست تیز قسم کی یا فاسد اور خراب غذا سے سب سے پہلے زبان باخبر ہوتی ہے اور اسے ''جسم کے ملک'' میں داخل ہونے سے روک دیتی ہے۔یہ فداکار سپاہی چوبیس گھنٹے کیلئے تمام کھانے پینے کی اشیاء پر قابو رکھنے کیلئے کمر بستہ رہتا ہے۔

## ۵۔منہ کی صفائی کا کام

یقیناً آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ کھانا کھا لینے کے بعد منہ اور زبان کافی دیر تک حرکت کرتے رہتے ہیں۔ان کی یہ حرکت منہ میں بچی

کبھی غذا کی صفائی کیلئے ہوتی ہے، جومنہ کی فضا میں اِدھر اُدھر رہ جاتی ہے۔ زبان اسے ہر طرف اکٹھا کر کے اندر بھیج دیتی ہے اور عام طور پر یہ کام زبان کے ذمہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ دانتوں کو بھی بڑی حد تک صاف کر دیتی ہے۔ خلاصہ کلام زبان صحیح معنوں میں ''منہ کا صفائی کرنے والا ملازم'' شمار ہوتی ہے۔

## ۶۔ بولنے کا کام

آخر میں زبان کا اہم ترین اور حساس ترین فریضہ ''بیان'' ہے جسے قرآن مجید نے سورہ رحمٰن کے آغاز میں خدا کے تعارف کے طور پر خصوصی طور پر بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾

خداوندِ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم، انسان کو پیدا کیا اور اسے بات کرنا سکھایا۔

اگر چہ بار بار کی مشق کرنے کی وجہ سے بات کرنے کا مسئلہ ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ معمولی بات معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نہایت ہی پیچیدہ کام ہے جسے انسان اپنی ''زبان'' اور ''سوچ'' کے ذریعہ انجام دیتا ہے۔

سب سے پہلی ہزاروں، لاکھوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کلموں کے درمیان سے اُسے پہلے کلمہ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے پھر زبان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے سریع اور ماہرانہ پیچ وخم کے ذریعہ حرفوں کے مقطع کے گرد چکر لگائے، پھیپھڑے، نرخرے اور صوتی تاروں کی مدد سے منظور نظر حروف مرتب کرے، ان کو آپس میں ملا کر ایک کلمہ بنائے، پھر اسی تیزی سے دوسرے کلمہ کا انتخاب کرے مقررہ آوازیں ایجاد کرے اور اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ایک جملہ مقرر کرے۔ اگر کلمات کے انتخاب میں سوچ اور فکر تھوڑی سی غلطی کر جائے، یا منہ کے اطراف میں قدرے کوتاہی رونما ہو جائے، تو پورے کا پورا جملہ غلط ہو جائے گا۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ ایک مقرر جب ایک گھنٹہ موزوں اور فصیح وبلیغ تقریر کرتا ہے اور اس کی زبان کئی ہزار مرتبہ منہ کے اطراف میں گردش کرتے ہوئے حروف کے مقطع پر تکیہ کرتی ہے...... وہ بھی مختصر اور محدود ماحول میں جہاں پر مشق کرنے کی قدرت بہت ہی کم ہوتی ہے...... کس قدر عجیب اور معجزانہ کام انجام دیتی ہے۔ یہ سب کچھ پروردگار عالم کی قدرت نمائی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یقینی طور پر ہونٹ بھی زبان کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور حروف کا کچھ حصہ بنانے میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ وہ اعضاء کے درمیان یہ ہم آہنگی بذاتِ خود ایک دلچسپ، حیران کن اور تعجب آور موضوع ہے۔ ان سب سے بڑھ کر اس کے ساتھ فکری تعاون ایک اور اہم کام ہے۔

خلاصہ کلام ظاہری اعضاء اور اندرونی اعضاء مثلاً دل، مغز، رگیں اور اعصاب کا دوسرا سلسلہ غرض ہر ایک کی ایک مفصل اور دلچسپ داستان ہے۔ اگر ہم ان میں سے ہر ایک کے اسرار لکھا چاہیں تو ''ایک عمر چاہئے اس داستان کیلئے'' کے مصداق ہزاروں کتابیں درکار ہوں گی۔

کتنی اچھی بات ہے کہ یہاں ہم اپنے قصور کا اعتراف کریں اور خالقِ کائنات کے آگے سرِ تسلیم جھکا دیں، اور شاعر کے بقول اپنی تخلیق کے بارے میں درج ذیل اشعار زبان پر لائیں اور کہیں کہ اے انسان!

عجب تراز تو ندارد جہاں تماشا گاہ
چرا بہ چشمِ تعجب یہ خود نظر نکنی !

اس کائنات میں تجھ سے بڑھ کر اور کوئی تماشا گاہ نہیں ہے ۔لہذا تو اپنی طرف تعجب کی نگاہ سے کیوں نہیں دیکھتا۔ یا کہیں

عالم ہمہ درتواست ولیکن ازجہل
پنداشتہ ای توخویش رادرعالم!

ساری کائنات تیرے اندر سموئی ہوئی ہے لیکن تو اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے تو خود کائنات کے اندر سمویا ہوا ہے۔

# ۲۱۔انسان کی اجتماعی زندگی میں ذات پروردگار کی نشانیاں

## اشارہ:

اس میں شک نہیں کہ انسان ایک اجتماعی مخلوق ہے اور اپنی ہر چیز کو اجتماعی زندگی میں ہی حاصل کرتا ہے۔انسان کی معنوی اور مادی لحاظ سے ارتقاءعلم ودانش، تمدن اور مصنوعات اور آداب ورسوم، غرض اس کا سب کچھ اجتماعی زندگی کا مرہون منت ہے۔گو یا یہ بات بڑی آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر انسان اجتماعی زندگی سے محروم ہوجائے تو وہ اپنی ہر چیز گنوا بیٹھے اور ایک حیوان کی حد تک جا گرے۔

انسان کا اس قسم کا طرز زندگی اس کے فطری تقاضوں کے علاوہ اس کی گوناگوں اور کثیر تعداد میں ضروریات اور بلند ترین اور کامل ترین مراحل تک پہنچنے کیلئے اس کی ہمت عالی کو بھی بڑی حد تک عمل دخل حاصل ہے۔ان جسمانی اور روحانی ضروریات کو اجتماعی زندگی کے بغیر پورا نہیں کیا جاسکتا، ایک فرد کیا کام کرسکتا ہے؟

لیکن یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ انسان کو اجتماعی زندگی کیلئے بہت سے روحانی اور جسمانی عوامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنہیں خالق کائنات نے اس کے اختیار میں دے رکھا ہے۔اگر انسانی زندگی کے اس پہلو کا تجزیہ وتحلیل کیا جائے تو یہ بڑا ہی دلچسپ اور خالق کی آیات میں سے ایک آیت معلوم ہوگا۔

اس اشارے کے ساتھ قرآن کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں جو اسی چیز کو بیان کرتی ہیں اور انہیں گوشِ جان سے سماعت کرتے ہیں:

۱...وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

(سورہ روم۔۲۱)

۲...هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ (سورہ اعراف۔۱۸)

۳...اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ڰ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ (سورہ دھر۔۲)

۴...يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ

لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ

(سورہ حجرات۔ ۱۳)

۵...هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

(سورہ انفال۔ ۶۲۔ ۶۳)

## ترجمہ

۱......اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لئے جوڑ کو پیدا کیا، تا کہ تم ان کے ساتھ سکون حاصل کرسکو۔ اور تمہارے درمیان مودت اور رحمت کو قرار دیا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔

۲......خدا تو وہ ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اور اس کا جوڑ بھی اسی سے بنایا ہے تا کہ اس کے ساتھ اسے سکون مل سکے۔

۳......ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا اور اسے آزمائیں گے (اسی لئے) ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔

۴......اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور گروہ اور قبیلے بنایا ہے تا کہ تم ایک دوسرے پہچان سکو، لیکن تم میں سے زیادہ باعزت خدا کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

۵......وہ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنین کی مدد سے تجھے تقویت بخشی ہے اور اس نے دلوں میں الفت ایجاد کی، اگر تم روئے زمین پر موجود سب کچھ اس لئے خرچ کرتے کہ ان کے دلوں میں الفت ایجاد کرتے، تو ایسا نہ کرسکتے، لیکن خدا نے ان میں الفت ایجاد کی ہے یقیناً وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

# الفاظ کے معانی اورتشریح

''زَوج'' کا اصل معنی مذکر اور مؤنث حیوان ہیں جن میں سے ہر ایک پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، کبھی وسیع تر معنی کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ دو چیزیں جو ایک دوسرے کا جوڑ ہوتی ہیں ''زوج'' کہلاتی ہیں خواہ ان کا جوڑ ہونا ایک دوسرے سے مشابہت کی وجہ سے ہو یا ایک دوسرے سے تضاد کی بنا پر ا، جیسے جوتوں کا جوڑا یا جرابوں کا جوڑا یا دن اور رات اور خیر وشر وغیرہ۔ جو اعداد دو پر مساوی تقسیم ہوتے ہیں انہیں بھی زوج (جفت) کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک حصہ دوسرے کا جوڑ ہوتا ہے۔ لیکن انسانوں کے بارے میں ''زوج'' ان دو افراد کو کہا جاتا ہے جو آپس میں زناشوئی کا پیمان باندھتے ہیں۔

بعض ارباب لغت کہتے ہیں کہ ''زوج'' ایسی شکل وصورت کا نام ہے جس کی نظیر اور مثال ہو، جیسے مختلف صنفیں اور مختلف رنگ ہوتے ہیں، یا جس چیز کی ضد ہو، جیسے تر اور خشک، مذکر اور مؤنث، رات اور دن، شیریں اور تلخ وغیرہ، نیز انہوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ ''زوج'' کا لفظ دو افراد میں سے ایک پر علیحدہ بولا جاتا ہے نہ کہ دونوں کیلئے بیک وقت بلکہ دونوں کیلئے ''زوجان'' کا لفظ بولا جاتا ہے اور دونوں افراد پر ''زوج'' کا اطلاق جاہل اور انجان لوگ کرتے ہیں۔ [۱]

''کتسکنوا''، ''سکون'' کے مادہ سے ہے جس کے اصل معنی کسی چیز کا حرکت کے بعد ٹھہر جانا ہیں۔ کتاب ''مقاییس اللغہ'' میں ہے کہ اس کے اصل معنی ٹھہراؤ اور اضطراب وحرکت کے خلاف حالت کا نام ہیں۔ کبھی اس کا اطلاق طوفان، ہوا، گرمی، سردی، بارش یا غیظ وغیب کے تھم جانے پر بھی ہوتا ہے۔ کشتی کے ''سا کنین'' کو اس لئے سا کنین کہتے ہیں کہ وہ کشتی کے ٹھہراؤ اور اس کے صحیح راستوں پر چل نکلنے کا سبب ہوتے ہیں۔ چھری کو اس لئے ''سکین'' کہتے ہیں کہ وہ جانور کا سر کاٹنے کے بعد اس کی حرکتوں کو روک دیتی ہیں۔ اندرونی آرام اور اطمینان کو ''سکینہ'' کہتے ہیں ''مسکین'' اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت اور شدید فقر وفاقہ کی وجہ سے گویا ساکن ہو چکا ہوتا ہے۔ اور ''مسکن'' ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو انسان کے سکونت اور آرام کا مقام ہوتی ہے۔ [۲]

''شعوب'' کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ''شَعْب'' (بروزن صعب) کی جمع ہے اور بعض کے بقول ''شِعب'' (بروزن فعل) کی جمع ہے جب کہ صاحب مجمع البحرین جیسے بعض دوسرے مفسرین کے نزدیک ''شَعب'' کی جمع ''شعوب'' اور ''شِعب'' کی جمع ''شعاب'' ہے۔ دونوں حالتوں کے بارے میں ''لسان العرب'' کا کہنا ہے کہ اصل میں ان کے معنی جمع اور تفریق کے معنی ہیں یا پھر کسی کے بنانے یا بگاڑنے کے معنی میں ہے۔ (یہ اس لئے ہے کیونکہ اس کی اصل پہاڑ کے درے کے معنی میں ہے جس کا وہ حصہ جو پہاڑ کی طرف ہوتا ہے تنگ اور جو دوسری طرف ہوتا ہے وہ کھلا ہوتا ہے اور اس سے راہیں جدا ہوتی ہیں۔ (مفردات میں راغب کے بقول اس میں دونوں مفہوم جمع

---

[۱] مفردات راغب، مصباح اللغہ، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم اور لسان العرب۔

[۲] التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، لسان العرب، مفرداتِ راغب، مجمع ابحرین اور کتاب العین۔

ہیں) اسی لئے ''شعب'' اس قبیلے کو کہتے ہیں جو ایک عظیم خاندان سے جدا ہوا ہو۔ (اجتماع کا معنی بھی اس میں پایا جاتا ہے اور جدائی کا بھی) ۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ''شعوب'' کالفظ عجمی گروہوں پر بولا جاتا ہے اور ''قبائل'' کالفظ عرب گروہوں پر [۱] نیز اسی دلیل کی بنا پر ''تشعب'' کا معنی منتشر ہونا بھی آتا ہے اور مجتمع بھی سنوارنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور بگاڑنے کے بھی۔

''اَلَّف''، ''اِلف'' (بروزن جلف) کے مادہ سے ہے جس کے معنی ایسا اجتماع ہیں۔ جس میں ملنے اور جڑنے کو دخل ہوتا ہے۔'' تالیفِ قلوب'' کے معنی دلوں کے درمیان الفت، ربط اور پیوند ایجاد کرنا ہیں (کتاب کی تالیف کو اس لئے تالیف کہتے ہیں کہ اس کے الفاظ ومعانی اور مباحث کے درمیان ایک طرح کی الفت اور باہمی جوڑ ہوتا ہے اور ''ہزار'' کے عدد کو اسی لئے ''الف'' کہتے ہیں کیونکہ عربوں کے عقیدے کے مطابق تمام اعداد اس میں جمع ہیں، کیونکہ عدد، اکائی، دہائی، سینکڑہ، اور ہزار سے تشکیل پاتا ہے اور ہزار کے بعد کوئی اور عدد نہیں ہے۔ [۲] بلکہ وہی عدد پھر اکائی، دہائی، سینکڑہ اور ہزار سے مرکب ہوتا ہے۔ دس ہزار سو ہزار، ہزار ہزار وغیرہ۔

# آیات کی تفسیر اور جمع بندی

## انسان کی اجتماعی روح......خدا کا بہت بڑا عطیہ

سورہ روم میں جب خداوند متعال نے اپنی آیات اور نشانیوں کو یکے بعد دیگرے سات آیتوں میں بیان فرمایا تو ہر ایک آیت کا آغاز ''وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ ...'' سے فرمایا، چنانچہ کائنات میں خداوند عالم کی عظمت کی نشانیوں کی نہایت دل نشین، جاذب، دلکش، لطیف اور دلپذیر انداز میں کیا۔ اس سلسلے کی پہلی آیت بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ [۳]

اس آیت میں پہلے تو انسانی معاشرے کے بنیادی پہلو یعنی خاندانی اکائی، اس کے باہمی تعلق اور اس پر حکم فرما روحانی رابطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑ پیدا کئے تاکہ تم ان کے ساتھ سکون حاصل کر سکو'' (وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا)

لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں پر زناشوئی اور ازدواجی زندگی کا مقصد نسل کی بقا نہیں بتایا گیا، بلکہ حصول سکون ذکر کیا گا ہے۔ ازدواجی زندگی سے جو سکون میسر ہوتا ہے وہ اس لئے ہے کہ یہ دونوں (نر و مادہ کی) جنسیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے پروان، نجات اور پرورش کا موجب ہوتی ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر وہ نامکمل ہیں اس طرح وہ اپنے ارتقاء کو حاصل کرتی رہتی ہیں۔

---

[۱] مجمع البیان، جلد ۹، ص ۱۳۸

[۲] مجمع البحرین، لسان العرب اور مفردات راغب۔

[۳] آیات کا یہ سلسلہ اسی سورت کی بیسویں آیت سے شروع ہو کر پچیسویں آیت پر ختم ہو جاتا ہے۔ (مسلسل چھ آیات)

یہ آرام وسکون جسمانی حدتک ہی نہیں ہے بلکہ اس کا روحانی پہلوزیادہ اہم اورقوی ہے ۔ترکِ ازدواج اور تجرد پر مبنی زندگی سے نفسیاتی بے چینی اور بے آرامی ،روحانی سکون کا فقدان اور کئی قسم کی دوسری بیماریوں کا ظہوراس بات کا واضح ثبوت ہے۔

پھرفرماتاہے:''اورخدانے تمہارے درمیان مودت اوررحمت کو پیدا کیاہے۔''(وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ )

وہی محبت اوررحمت جودرحقیقت لوگوں کے درمیان اتصال ،رابط ،جوڑاور ملاپ کا کام دیتی ہے،بکھرے ہوئے منتشر لوگوں کوایک جگہ پراکٹھا کرتی ہیں اوراس سے ایک طاقتور معاشرہ تشکیل دیتی ہے جس طرح دیوار کی چنائی کیلئے مٹی اورگارا کام دیتاہےاور پتھروں ،اینٹوں کوآپس میں ملاکراورجوڑدے کرایک عظیم و پرشکوہ عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔

پھرلطف کی بات یہ ہے کہ آیت کے آخر میں ایک بار پھراسی توحیدی نکتے پرزوردے کرفرماتا ہے''اس میں ان لوگوں کیلئے آیات اورنشانیاں ہیں جوغوروفکر سے کام لیتے ہیں۔''(اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ )

گرہم ازدواجی زندگی کی تشکیل کے بارے میں سوچیں جوسب سے پہلی اجتماعی اکائی ہےاسی طرح ان دومختلف اجتماعی جنسوں کے درمیان طاقت اورعجیب کشش پرغورکریں جوان کے درمیان پیدا کی گئی ہے،پھراس سے بڑی بڑی اجتماعی اکائیوں کی تشکیل مثلاً خاندان،قوم ،قبیلہ،عشیرہ،پھرشہرملک اورآخرکارکل انسانی معاشرے میں غوروفکر سے کام لیں توہمیں ہرہرقدم پرخدا کی ایک ایک آیت نظرآئے گی۔

وہ کون ہے جس نے زن ومرد،ماں باپ اوراولاد کے درمیان محبت اورمودت کے رشتے استوار کئے ہیں،بلکہ کلی طور پرتمام انسانی معاشرے کے درمیان محبت اورمودت کا پیوندلگایاہے؟

وہ کون ہے جس نے انسانی معاشرے میں مرداورعورت کی جنس میں توازن پرقرار رکھا ہواہے،یہاں تک کہ انسانی معاشروں میں وفات اورولادت کے لحاظ سے جوبھی پیچیدہ تبدیلیاں اورحوادث رونما ہوتے رہتے ہیں،یہ توازن ہرصورت میں برقرار رہتاہے۔

وہ کون ہے جس نے سروں میں مختلف ذوق اوردلوں میں مختلف تعلقات ایجاد کئے ہیں،اورہرگروہ کواپنے اپنے کام اورپروگرام کی طرف کھینچ کرلے جاتاہے تاکہ مجموعی طورپرانسانی معاشرہ ایک مکمل اکائی کی صورت اختیار کرلے؟

شاید یہی وجہ ہے کہ بعد کی آیت میں زبانوں کے اختلاف اوررنگوں کے تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں بھی خدا کی آیات میں شمار کرتے ہوئے فرماتاہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ (روم۔۲۲)

کیونکہ زبانوں اوررنگوں کے اختلاف کی تفسیروں میں سے ایک تفسیروہ اختلاف اورتفاوت ہے جولوگوں کی بولیوں،ذوق اورفکری کشش میں پایا جاتاہے جواس تاب کا موجب ہوتاہے کہ انسانی معاشرہ مکمل طورپرمتحداوربے نیاز ہواورانسان کی مادی ومعنوی ضروریات میں کسی قسم کا خلاواضح نہ ہونے پائے۔

''مَوَدَّتْ''،''وُدّ''[1] (بروزن حُبّ) کے مادہ سے ہے نیز اس کا اطلاق ''کسی چیز کے پورا ہونے کی آرزو'' پر بھی ہوتا ہے (اور دونوں معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں) ''وَدّ'' (بروزن حدّ) زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے ایک بت کا نام ہے بوجہ اس شدید تعلق کے جو لوگ اس کے ساتھ رکھتے تھے، یا اس وجہ سے کہ لوگوں کا تصور تھا کہ اس بت کے اور خدا کے درمیان مودت کا رابطہ ہے۔ ''میخ'' پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ''وَتَد'' کا لفظ جو عربی زبان میں ''میخ'' کے معنی رکھتا ہے، اسی ''وُدّ'' ہی سے لیا گیا ہے کیونکہ مضبوط میخیں دیوار یا کسی اور چیز سے چمٹ جاتی ہیں۔ اسی لئے محبت کے مفہوم سے ملتی جلتی ہیں۔

''رَحْمَتْ'' کا معنی وہ نرمی کی حالت ہے جو انسانی دل میں پیدا ہوتی ہے اور اسے قابل رحم چیز پر نیکی کرنے کیلئے مائل کرتی ہے۔ جب اس کا استعمال خداوند عالم کے بارے میں ہوتا ہے تو اس کے معنی انعام، بخشش اور احسان ہوتے ہیں۔

اس آیت میں دو لفظوں (مودت اور رحمت) مین کیا فرق ہے؟ اس بارے میں مفسرین نے متعدد احتمالات ذکر کئے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام تفسیری معانی میں جو جامع معنی ہیں وہ یہ ہیں کہ ''مودت'' کا اطلاق وہاں پر ہوتا ہے جہاں فریقین کا تعلق اور دونوں کی طرف سے برابر کا اظہار محبت کیا جائے جیسے زن و مرد یا دو بھائیوں کے درمیان محبت موجود ہوتی ہے اور ہر ایک کو دوسرے کی خدمت کیلئے آمادہ کرتی ہے جب کہ ''رحمت'' یکطرفہ ہوتی ہے اور اس میں ایثار کا پہلو پایا جاتا ہے جیسے والدین کا چھوٹے بچوں کے ساتھ محبت کا رابطہ یا زن و شوہر میں سے کسی کا دوسرے کے ساتھ تعلق جب وہ ناتوان اور بوڑھے ہو جاتے ہین۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ کہ ازدواجی اور اسی طرح اجتماعی زندگی میں کلی طور پر دو طرح کا معنوی رابطہ ہونا چاہیے ایک تو برابر کی خدمات کی صورت میں اور ہر فرد اور ہر قوم دوسرے فرد اور قوم کی برابر کی خدمت کرے، دوسرا ''اعزازی خدمات'' کے طور پر، کیونکہ ہمیشہ انسانی معاشروں میں یا خاندانوں میں جو چھوٹے چھوٹے معاشروں کی حیثیت رکھتے ہیں، کمسن اور ضعیف و کمزور اور ناتوان قسم کے لوگ رہتے ہیں، جن سے برابر کی خدمت کی توقع نہیں کی جا سکتی، وگرنہ وہ ہمیشہ کیلئے اس سے محروم ہو جائیں۔ ایسے مواقع پر ''مودت'' اپنا مقام ''رحمت'' کو دے دیتی ہے اور برابر کی خدمات کی بجائے ایثار پر مبنی نکات کس قدر لطیف ہیں، جن پر عملدر آمد کئے بغیر انسانی معاشرہ آرام وسکون کا حامل نہیں ہو سکتا۔

دوسری آیت میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہو چکی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس آیت میں فرماتا ہے ''وہ وہی تو ہے جس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اور اس کے جوڑے کو بھی اسی جنس ہی سے بنایا ہے تا کہ اسے اس کے پاس سکون مل سکے۔ (هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ)

---

[1] مفرداتِ راغب ''مادہ وَدّ''

بہت سے مفسرین کے عقیدہ کے مطابق ''نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔[1] لیکن جو تعبیریں اس آیت کے ذیل میں ذکر ہوئی ہیں ان سے شرک کی بو آتی ہے اور یہ شرک یقیناً نہ تو عقیدے میں شرک کے معنی میں ہے اور نہ ہی عبادت میں بلکہ ممکن ہے اس سے مراد وہ رجحان اور میلان ہو جو آدم کا اپنی اولاد کی طرف ہوتا ہے جو بعض اوقات جلد گزر جانے والے لمحات میں انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور دوسری تمام باتوں سے غافل کر دیتا ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ''نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' سے مراد ''نوع کی اکائی'' ہو یعنی ''تم سب کو ایک اکائی سے پیدا کیا ہے۔

''وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا'' کے جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ کی زوجہ جناب حوا کو ان کے بدن کے جزو سے پیدا کیا گیا ہے، جیسا کہ جعلی روایات میں منقول ہے کہ حضرت حوا کو جناب آدم کے بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اسی لئے مرد کی بائیں طرف کی پسلیوں میں دائیں طرف کی پسلیوں کی نسبت ایک پسلی کم ہے کیونکہ یقینی بات ہے کہ انسان کے دونوں طرف کی پسلیوں کی تعداد ایک جیسی ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے یقین نہ آئے تو گن کر دیکھ لیں۔

بلکہ آیت میں یہ مراد ہے کہ آدم کی زوجہ کو ان کی جنس سے پیدا کیا ہے تا کہ ان کے درمیان جنسیت کی کشش برقرار رہے نہ کہ کسی اجنبی اور ناواقف جنس سے، جیسا کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں پڑھتے ہیں:

''هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ'' خدا وہ ہے جس نے درس نہ پڑھے ہوئے لوگوں مین ان ہی کی جنس سے ایک رسول کو بھیجا (جس نے نہ تو کسی سے پڑھنا سیکھا اور نہ ہی لکھنا، لیکن ساری دنیا کا استاد ٹھہرا)

تیسری آیت میں انسان کی ایک مخلوط نطفے سے پیدائش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے اور اسے آزمائیں گے اسی لئے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے۔'' (اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا)

اس آیت میں انسان کی تین خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی خصوصیت اس کے نطفہ کا مخلوط ہونا ہے۔ اس کا یہ اختلاط ''اَمْشَاجٍ'' کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے جو ''مشیج'' یا ''مشج'' (بروزن مدد) کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مخلوط چیز اس معنی میں وسعت پائی جاتی ہے جو زن و مرد کے نطفہ کے مخلوط ہونے کو بھی شامل ہے اور معدنی اور غیر معدنی مواد کو بھی جن کی وجہ سے نطفہ وجود میں آتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد مختلف طاقتیں، مختلف لیاقتیں اور گوناگوں ذوق ہوں جو انسان کے نطفہ میں موجود ہوتے ہیں اور اسے ان تمام امور میں اجتماعی زندگی کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔

دوسری خصوصیت ''نَّبْتَلِیْهِ'' کا جملہ ہے جو انسان کی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے اور اس کی مسلسل

[1] تفسیر مجمع البیان جلد ۴، ص ۵۰۸، تفسیر فخر رازی جلد ۱۵ ص ۸۵، تفسیر روح البیان جلد ۳، ص ۲۹۴، تفسیر المیزان جلد ۸ ص ۳۹۱، اور تفسیر قرطبی میں یہ معنی جمہور مفسرین سے نقل کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد ۴، ص ۲۷۷۳۔

امتحانی اور آزمائشی تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے جس سے وہ ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اس سے انسان کی ذمہ داریوں اور اس پر عائد شدہ فرائض کا پتہ چلتا ہے کیونکہ ارادے کی آزادی اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت رکھے بغیر امتحان و آزمائش ناممکن ہوتے ہیں۔

تیسری خصوصیت شناخت و معرفت کے وسائل و ذرائع کا حامل ہونا ہے جن میں سے اہم ترین ذریعہ کان اور آنکھ ہیں۔ کانوں سے منقولہ علوم اور دوسروں کے افکار سے استفادہ کرنے اور آنکھوں سے حقائق جہان کو دیکھنے اور براہِ راست رابطہ قائم کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

اس قسم کا انسان جو اس طرح کی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، خلافت الٰہیہ کے منصب کی لیاقت اور اجتماعی زندگی کی طاقت رکھتا ہے۔

چوتھی آیت میں روئے سخن تمام بنی نوع انسان کی طرف کرکے فرماتا ہے ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔'' (یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى)

بنابریں انسانوں کی ذاتوں، قوموں اور قبیلوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے کیونکہ سب کی بنیاد ایک ہے، جڑ ایک ہے اور اصل ایک ہے۔ ''ابوهم اٰدم والام حوآءُ'' (ان سب کا باپ آدمؑ اور ماں حوا ہے)

پھر انسانوں کے قبائل، اقوام اور ذاتوں کی طرف تقسیم ہونے کے فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے، ''ہم نے تمہیں شعوب اور قبائل قرار دیا ہے تاکہ تم پہچانے جاؤ۔'' (وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ)

کیونکہ اجتماعی زندگی کی ابتدائی ترین شرائط میں سے ایک افراد کی ایک دوسرے کی شناخت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو ایک دن انسانی معاشرے کے نظام کی عمارت دھڑام سے گر جائے، نہ گناہگار کا پتہ چلے اور نہ بے گناہ کا، نہ قرض خواہ کا علم ہوسکے نہ مقروض کا، نہ فرمانروا کی پہچان ہوسکے نہ فرمانبردار کی نہ پیشوا پہچانا جائے نہ پیروکار۔۔۔۔۔وغیرہ یہ خداوند عالم ہی ہے جس نے انسان کو اس قسم کی زندگی کیلئے پیدا کیا ہے اور اسے مختلف قبیلوں، ذاتوں اور برادریوں میں بانٹ دیا ہے، جن میں سے ہر ایک کی اپنی علیحدہ شناخت اور پہچان ہے اور ہر ایک اپنی خصوصیات سے مختص ہے۔ اس طرح سے تعارف کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔

آیت کے آخر میں اس اجتماعی مسئلہ سے ایک اخلاقی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مختلف اور گوناگوں قبائل و اقوام کی طرف نسبت کسی قسم کی فضیلت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ''خداوند عالم کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے'' (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ)

''تقوٰی'' صرف ایک اخلاقی مسئلہ ہی نہیں بلکہ اہم اجتماعی اور معاشرتی مسئلہ بھی ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی کو سدھارنے کیلئے صرف تقویٰ ہی ہے جو اسے ہر مرحلہ پر سدھارتا ہے۔ اقتصادی مرحلہ ہو تو تقویٰ ضروری ہے سیاسی مرحلہ ہو تو تقویٰ ضروری ہے، حتیٰ کہ فکری مرحلہ ہو تو بھی تقویٰ ضروری ہے۔ غرض ہر موقع اور ہر مرحلہ پر تقویٰ

اسی سلسلے کی پانچویں اور آخری آیت میں پیغمبر اسلام ﷺ کی کامیابی کے اہم دلائل میں سے ایک دلیل کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے ''تالیفِ قلوب'' (دونوں کو ملانا) ارشاد ہوتا ہے ''خدا تو وہ ہے جس نے اپنی اور مومنین کی مدد کے ذریعہ آپ کی تائید کی اور ان کے دلوں میں

الفت ایجاد کی۔"(هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط)

اس تعبیر سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی مشکلات پر قابو پانے کیلئے تالیفِ قلب ضروری ہے اور خداوند عالم نے انسان کے اندر یہ استعداد وآمادگی پیدا کردی ہے کہ اگر یہ آمادگی نہ ہوتی تو دلوں میں الفت پیدا کرنا ناممکن ہوتا۔ اگر تالیفِ قلوب حاصل نہ ہوتی تو انسان کی اجتماعی زندگی دگرگوں ہو کر رہ جاتی۔

پھر ایک اور لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا یہ بتانا چاہتا ہے کہ تالیف قلوب مادی طریقوں سے ناممکن ہے بلکہ ایمان ،روحانیت اور اعلیٰ انسانی اقدار کے ذریعہ ہی اس کا امکان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:"جو کچھ کہ روئے زمین پر ہے اگر آپ اسے خرچ بھی کر دیتے ،پھر بھی ان کے دلوں میں الفت ایجاد نہ کر سکتے۔ یہ خدا ہی تو ہے جس نے ایمان کے ذریعہ ان کے درمیان الفت پیدا کردی ہے۔"(لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط)

"کیونکہ وہ صاحب قدرت وصاحب حکمت ہے"(اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)

ٹھیک ہے کہ یہ آیت اصحاب پیغمبرؐ کے بارے میں نازل ہوئی ہے،لیکن واضح سی بات ہے کہ اس کا مفہوم عام اور تمام اہل ایمان کو شامل ہے جیسا کہ المیزان جلد ا،ص ۱۲۰ میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اصولی طور پر چونکہ مادی وسائل محدود ہوتے ہیں،اسی لئے ہمیشہ سے باعث نزاع اور موجب کشمکش چلے آرہے ہیں اور اگر بالفرض کسی وقت وحدت واتحاد کا سبب بن بھی جائیں تو ایسا اتحاد ناپائیدار ہوتا ہے پائیدار اتحاد صرف اور صرف ایمان تقویٰ اور معنوی اقدار کے سایہ ہی میں حاصل ہوتا ہے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک اور تعبیر بھی ہے جو سورہ فتح کی ۲۹ ویں آیت میں بیان ہوئی ہے اور جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاران باوفا کے بارمیں ہے:

"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ " یعنی وہ دشمن کے سامنے سخت ہیں اور اپنے درمیان (یعنی آپس میں) رحیم اور مہربان ہیں

لیکن زیر بحث آیت کے سلسلے میں جو چیز ہماری توجہ کیلئے زیادہ شایان شان ہے وہ ہے"هو الذی" کی تعبیر جو آیت کے اول میں ذکر ہوئی ہے،جو خدا کا تعارف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور مومنین کے دلوں کی تالیف کے ذریعہ کرا رہی ہے اور اسے وجودِ حق کی دلیل بتا رہی ہے۔ ایسی الفت جو دوسری تمام الفتوں سے بالاتر حتیٰ کہ نسبی اور قریب کی رشتہ داری سے بھی برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قبائلی تعلقات بھی اس الفت کے آگے ماند پڑ گئے جو زمانہ جاہلیت میں عرب کے مختلف قبائل میں شدید تعصب کی بنا پر وجود میں آچکے تھے اور اس کی جگہ ایمان اور تقویٰ پر مبنی تعلقات نے لے لی جو اس کے انفرادی اور اجتماعی آثارِ زندگی کے ہر شعبے میں ظاہر ہو کر رہے اور دنیا نے بہت ہی جلد اس کی عظمت کے ساتھ سرِتسلیم خم کر دیا ہے۔

# چند ضروری وضاحتیں

## کیا معاشرہ کی روح ہوتی ہے؟

جانداروں کی دو قسمیں ہیں جن میں سے اکثریت ایسے جانداروں کی ہے جو انفرادی طور پر زندگی بسر کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں چھوٹی سے چھوٹی اجتماعی زندگی کے آثار بھی دکھائی نہیں دیتے۔یعنی ان میں جاندانی اجتماعی زندگی بھی نہیں۔ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک قدیم ان سے بھی آگے ہیں اور اپنے جیون ساتھی کے ساتھ رہتے ہیں، جب کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو گروہوں کی صورت میں رہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو پیش رفت اور ترقی یافتہ تمدن کے مالک ہیں جیسے شہد کی مکھیاں چیونٹیاں اور دیمک وغیرہ۔

لیکن ان (اجتماعی حیوانات کے) گروہوں میں دو طرح کی کمی پائی جاتی ہے، ایک تو یہ کہ ان مختلف گروہوں (دو یا اس سے کچھ زائد چھتوں کی مکھیوں) کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ آپس میں ایک مشترک زندگی گزار سکیں۔دوسرے یہ کہ ان کی زندگی ہمیشہ ایک طرز کی چلی آتی رہی ہے، یعنی دور حاضر کی شہد کی مکھیاں بھی اسی طرح رہ رہی ہیں جس طرح آج سے لاکھوں سال پہلے رہتی تھیں۔

ان میں سے صرف ایک جاندار مخلوق ایسی ہے جو غیر محدود اجتماعی زندگی گزار رہی ہے اور ہمیشہ ترقی، پیش رفت اور ارتقاء کی منزلوں پر گامزن ہے، وہ ہے نوع انسانی، اس کی اس وسعت اور تغیر وتبدل کی وجہ اس کی اجتماعی زندگی پر علم وعقل کی فرمانروائی ہے۔

اس مقام پر کافی حد تک بحث کی جاسکتی ہے۔اگر ہم چاہیں کہ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں تو اپنی تفسیری بحث سے خارج ہو جائیں گے۔البتہ ان میں سے چند ایک نکات کی یادآوری ضروری ہے۔

ا۔انسان کے اجتماعی زندگی کی طرف رجحان کا کیا سبب ہے؟ اس بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ان میں سے جو نظریہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سبب تین عوامل کا مجموعہ ہے اور وہ ہیں:''غریزی''،''عاطفی''اور فکری''عوامل۔عقل کہتی ہے کہ ارتقاء صرف باہمی ،متحد اور اجتماعی زندگی کے زیر سایہ ہی ممکن ہے۔اور ارتقاء خواہ مادی ہو یا معنوی اور روحانی کیونکہ ظاہر سی بات ہے کہ اگر ہر فرد یا ہر خاندان ایک دوسرے سے علیحدہ رہ کر زندگی بسر کرے تو نہ تو یہ علوم ودانش وجود میں آئیں اور نہ ہی اس قدر مصنوعات ایجادات وانکشافات منصۂ شہود میں آ ہیں، کیونکہ یہ سب کچھ فکری اور جسمانی طاقتوں کے باہمی میل وملاپ اور اجتماع کی بدولت حاصل ہوتا ہے اور ہر نسل اپنے تجربات بعد کی نسلوں کو منتقل کرتی ہے اور ان تجربات کے باہمی اجتماع سے ایک عظیم ترین نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

پھر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ انسان اپنے اندر کچھ خواہشات اور تمنائیں رکھتا ہے جو اسے اس قسم کی یعنی اجتماعی زندگی سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔وہ تنہائی سے بیزار ہوتا ہے اور اپنے ساتھ ہم دل اور ہم آہنگ دوستوں کے ساتھ رہ کر بہت بڑی لذت اور عظیم لطف حاصل کرتا ہے۔تجرد اور تنہائی کی زندگی اس کیلئے اذیت ناک ہوتی ہے۔دانشوروں کے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر تنہائی کا یہ سلسلہ ایک عرصے تک جاری رہے تو انسان کئی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اجتماعی زندگی کے فوائد سے قطع نظر بذاتِ

خود ایسی زندگی کو دوست بھی رکھتا ہے۔

۲۔اسلام نے انسان کی اجتماعی زندگی کو ایک اہم ترین اصول کے طور پر بھی تسلیم کیا ہے اس کے نزدیک صرف سیاسی اور اقتصادی رابطے ہی قابل احترام نہیں ہیں ،عبادتوں کے مسئلہ کو بھی جو مخلوق کا خالق کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے ،لائق احترام سمجھتا ہے اور (نماز باجماعت نماز جمعہ اور مراسم حج جیسی )اجتماعی عبادتوں پر اس کی خصوصی نظر عنایت ہے۔

نماز کی ترکیب اور اذان و اقامت بھی اجتماعی صورت میں نماز کی ادائیگی کی دعوت دیتی ہیں اور سورہ حمد میں جمع کی ضمیروں کو استعمال ،نماز کا آخری سلام غرض اس قسم کی دوسری تعبیریں ظاہر کرتی ہیں کہ نماز میں اجتماعی روح شامل ہے اور اس کی انفرادی صورت میں بجا آوری ایک فروعی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔

اسلام میں اجتماع اور انسان کی اجتماعی زندگی کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اختلاف و انتشار کے ہر طرح کے عامل کو گناہ کبیرہ شمار کیا گیا ہے (جیسے حسد ،چغلی ،غیبت اور تفرقہ اندازی وغیرہ )اور جو چیز انسانی معاشرے میں صلح وصفائی اور اصلاح و سدھار کا موجب ہوتی ہے۔ اسے بلند ترین عبادت شمار کیا گیا ہے۔

۳۔انسان کی اجتماعی زندگی کا وقوع پذیر ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ اس امر کیلئے استعدادوں اور مختلف فکری اور جسمانی جذبوں کی تقسیم کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور دلوں میں ہم آہنگی ،ہم نوائی اور الفت کی ضرورت بھی ،جیسا کہ آیات کی تفسیر میں ابھی بتایا جا چکا ہے کہ افرادِ بشر کی مثال ایسے ہے جیسے کسی عمارت کیلئے پتھر اور اینٹ وغیرہ ،جب تک ان کو آپس میں جوڑنے کیلئے موثر گل گارا کی چنائی نہ کی جائے اس وقت تک کوئی بھی عالی شان عمارت معرض وجود میں نہیں آسکتی ۔یہاں پر بھی خداوند عالم کا دستِ قدرت بنی نوع انسان کی امداد کیلئے آگے آیا اور تالیف قلوب ،فکری اور جسمانی استعدادوں کی تقسیم اور مختلف قسم کے ذوق اور ہنر کی صحیح صحیح منصوبہ بندی کی اور بنی نوع انسان کو ایسی عظیم نعمتوں سے نوازا جن کے بغیر بنی نوع انسان کی اجتماعی زندگی کا پہیہ ہرگز نہیں گھوم سکتا۔انہی امور کے مجموعہ کو بھی ''معاشرے کی روح'' کا نام دیا جاتا ہے ،وگرنہ ہم جانتے ہیں کہ مذکورہ چیز کے علاوہ معاشرہ کی کوئی اور خاص روح نہیں ہے۔

سچ بتائیے کہ انسان کو ارتقاء کی ارہوں پر چلانے کیلئے اس معاشرتی روح کو اپنی تمام خصوصیات سمیت کس نے نعمت وجود عطا کی ہے؟ کیا اندھی اور بہری فطرت (نیچر )نے جو خود عقل وشعور سے عاری ہے؟ کیا ایسی بے عقل اور لاشعور فطرت اس قسم کی منصوبندی کر سکتی ہے؟ اس نوع کی محبت ،مودت اور رحمت کے وجود کے زیور سے مرصع کر سکتی ہے؟ اس طرح کے آرام وسکون کو خلق کر سکتی ہے؟ اس نوعیت کے نقطہ امشاج کو پیدا کر سکتی ہے؟ اس تعارف اور عمومی شناخت اور اس طرح کی تالیفِ قلوب کا فریضہ انجام دے سکتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں ان امور کو خداوند جل شانہ کی عظمت ،علم اور قدرت کی عظیم نشانیاں قرار دیا گیا ہے۔

ہم اپنی اس گفتگو کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پاک و پاکیزہ حدیث پر ختم کرتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے انسان کی اجتماعی روح کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ارشادِ رسالت ہے:

ان المسلم اذالقی اجاہ المسلم فاخذ بیدہ تحاتت عنهما ذنوبهما کما تتحات الورق عن الشجرۃ الیابسۃ ،فی یوم ریح عاصف و(لایفترقان)الاغفرلهما ذنوبهما ولوکان مثل زبدالبحار

جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرتا ہے اوراس کا ہاتھ پکڑتا (اور اسے محبت سے دباتا) ہے تو اس وقت ان دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جس طرح طوفانی ہوا کی وجہ سے خشک درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ابھی جدانہیں ہوتے کہ خداوند عالم ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے ،خواہ وہ گناہ سمندروں کی جھاگ کے برابر ہی ہوں۔[1]

## حرفِ آخر

اس کتاب کی مختلف بحثوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے یہ حیثیت بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ بے پردہ محبوب ہر درودیوار سے ظاہر ہوگیا ہے، اپنے جلوے موجودات عالم کی ہر چیز میں دکھا چکا ہے اور ہر چیز کی پیشانی پر اس کے اسماء وصفات کی مہر لگی ہوئی ہے۔

وہ لاکھوں جلووں کے ساتھ باہر آچکا ہے تاکہ ہم لاکھ بینائیوں کے ساتھ اس کا دیدار کریں۔ اس نے ہر ذرہ کے دل میں ایک آفتاب چھپایا ہوا ہے اور آسمان وزمین میں اپنے علم وقدرت کے مظاہر کو عیاں کردیا ہے۔

قرآنی آیات کی ایک ایک جگہ پر اس کا تعارف کرایا گیا ہے اور اس کی نشانیاں آفاق وانفس میں دکھائی ہیں جن کے دیدار کیلئے دیکھنے کی دوآنکھیں، سننے کے دوکان اور بیدار دل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان اچھی طرح اس کے جلووں کو دیکھ سکے، اس کے توحیدی نغموں کو سن سکے، اس خوب خوباں کو اپنے دل کی سراء میں دعوت دے سکے، اس انس کی خلوت گاہ میں جو خدا کا ایک عرش عظیم ہے اس کی خاطر تواضع کر سکے اور ایک روحانی جذبہ کے ساتھ اسے مخاطب کر کے ان اشعار کا ورد شروع کردے۔

اے جلوگر از ہر درودیوار توئی تو
ظلمت بوداین عالم وانوار توئی تو
بی خارنباشد گلی اندرہم عالم
در گلشن ہستی گل بے خار توئی تو
از عشقِ تو بلبل کنداین نغمہ سرائی

---

[1] ''طبرانی''، منقول از تفسیر ''فی ظلال القرآن'' جلد ۴ ص ۵۷

چون حسن گل ونکہت گلزار توئی تو
عالم از توظاہر شدازعلوی وسفلی
برہر دوجہان جملہ نگہدار توئی تو
نورتوبودجلوہ گراندارہمہ اشیاء
ہرلحظہ بہ صد جلوہ نمودار توئی تو

یعنی: اے وہ ذات جو ہر درودیوار سے ظاہر ہے، وہ تو ہی تو ہے، یہ کائنات ایک ظلمت کی حیثیت رکھتی ہے اور تو مجسم نور ہے، اس عالم میں کوئی پھول کانٹوں کے بغیر نہیں ہے۔ اگر گلشن ہستی میں کوئی پھول بغیر کانٹے کے ہے تو وہ صرف تو ہی ہے تیرے ساتھ عشق کی وجہ سے ہی بلبل اس قدر نغمہ سرائی کرتی ہے کیونکہ گل کا حسن اور گلزار کی زینت صرف اور صرف تو ہے۔ تیری ہی ذات سے علوی وسفلی عالم کا ظہور ہوا۔ دونوں طرح کے جہانوں پر مکمل نگہبانی تجھے ہی حاصل ہے تیرا ہی نور ہر ایک چیز کا جلوہ گر ہے ہر ہر لمحے تو سینکڑوں جلووں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے

خداندا! ہمارے دلوں کو اپنے عشق وایمان اور معرفت سے لبریز اور مالا مال فرمادے! پروردگارا! ان تشنہ کاموں کو اپنے صہبائے عرفان کا ایک گھونٹ پلا اور ہمیں اس کے روحانی جذبہ میں تاابد سرمست رکھ۔

بارالٰہا! تیری پاک ذات کی معرفت کی راہوں کو طے کرنا، تیرے لطف وکرم، عنایت اور توفیق کے بغیر ناممکن ہے۔ ہمیں اپنے عنایات والطاف اور توفیقات میں شامل فرما۔ آمین یارب العالمین

پیامِ قرآن کی دوسری جلد تمام ہوئی
بتاریخ ۱۱۔۴۔۱۳۶۷ ہجری شمسی
مطابق ۱۷۔ ذیقعدہ ۱۴۰۸ ہجری قمری